بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المعتقد المرصوص والعمل المنصوص

المعروف به

دین میں افراط وتفریط

اسباب وعلاج

تصنیف

مناظرِ اسلام، حجۃ العلم، حضرت علامہ،

مفتی محمّد اشتیاق القادری صاحب

بانی وڈائریکٹر

جمعیۃ المعارف الاسلامیۃ والعربیۃ

جوکھن پور، بریلی شریف، یوپی

کتاب : دین میں افراط وتفریط اسباب وعلاج

مصنف : حضرت مفتی محمد اشتیاق القادری صاحب قبلہ

ناشر : خواجہ بک ڈپو مٹیا محل جامع مسجد دہلی

اشاعت : جولائی 2015ء

تعداد : گیارہ سو

صفحات : ۳۳۱

قیمت :

ملنے کے پتے

- جمعیۃ المعارف الاسلامیۃ والعربیۃ، جوکھن پور، بریلی شریف، یوپی
- امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف، یوپی
- اسلامی کتب خانہ دھونرہ، بریلی شریف، یوپی
- مؤسسۃ مرأۃ الدعوۃ الاسلامیۃ، گلڑیا سکولہ، پیلی بھیت، یوپی
- الجامعۃ القادریۃ، رچھا اسٹیشن، بریلی شریف، یوپی
- دارالعلوم غوثیہ، نیوریا حسین پور، پیلی بھیت، یوپی
- گلشنِ فاطمہ، نیوریا حسین پور، پیلی بھیت، یوپی
- صدر دفتر آل انڈیا تنظیم علماء اسلام، ایچ ۱۲۳، نیوسیلم پور، دہلی ۵۳
- قادری مسجد، سی ۱۱، شاستری پارک، نئی دہلی ۵۳

فہرست مضامین ومشمولات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں اپنی اِس حقیر کاوش کو اُن تمام اعتدال پسند شخصیات کے نام سے منسوب کرتا ہوں جنہوں نے پوری زندگی امتِ مسلمہ کو کتاب وسنت کی معتدل و پاکیزہ تعلیمات کا درس دیا اور دین میں ہر قسم کی کمی بیشی اور افراط وتفریط کا سختی کے ساتھ نوٹس لیا اور اُس کے ردو ابطال اور محو واستیصال کے لیے اسباب و وسائل کی تمام قوتیں داؤ پر لگا دیں، خصوصاً خاتم الاکابر، مجمع البحرین سیدنا آلِ رسول احمدی مارہروی رضی اللہ تعالی عنہ اور شیخ الاسلام و المسلمین نابغة العلماء العاملین، عبقری الفقهاء و المحدثین، مجددِ اعظم، فقیہِ اکبر، اعلی حضرت، امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے نام جن کے علمی و دینی آثر و مفاخر کی عظمت ورفعت بیان کرنے کے لیے میں ہمیشہ لفظ وتعبیر کی تمام تر وسعتوں کو تنگ پاتا ہوں، بس دل سے یہی دعا نکلتی ہے کہ جزی اللہ سبحانہ وتعالی خیرا کثیرا من امام همام، و ألمعی عبقری، و فقیه لوذعی، فقد جعل اللہ تعالی للحق من لسانه و قلمه سیفا مسلولا محق به الباطل۔

اور یہ سطریں اپنے اِن دو مخلص ومحسن اساتذۂ کرام کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں:

☆ استاذِ گرامی وقار، حضرت مولانا رئیس احمد صاحب قبلہ نوری، کچھا، اترا کھنڈ۔

☆ استاذِ محترم، محسنِ گرامی، حضرت علامہ مولانا عزیز الرحمن صاحب قبلہ منانی، نائب پرنسپل جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف۔

بعثت هدیتی لکم و لیست = بقدر کم فی القیاس و لا بقدری

و لکن حسب امکانی و أرجو = لدیکم قبولها و قیام عذری

کفش بردار

أبوالحسّان محمد اشتیاق القادری

۱۱/ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

الاهداء

الى البطل الشاب الاسلامى ، الذى ترفّع عن سفاسف الأمور ، وسار فى حقل الدعوة الاسلامية ، يعمل بجدّ و اخلاص ، وصمت و هدوء ، يؤلف القلوب ، و يصطفى العناصر الصالحة للانخراط فى سلك الصفوة المختارة ، السائرة على الدرب الصحيح ، والمنهج الحق ، لأن الاسلام عقيدة و نظام و منهج حياة ـ

الى العالم العظامى ، والقائد العصامى الذى عرفناه بمآثره ، و مفاخره ، و جهوده ، و خدماته أكثر من صورته و طليعته ، ولما انتهينا الى شخصه وجدناه مجمع البحرين للسيرة الاسلامية الفذة والشخصية المؤمنة الفريدة ـ

الى الرجل ـ رجل العلم ، رجل العمل ، رجل الخير ، رجل الأخلاق الاسلامية ، وهو الشيخ الداعية ، الدكتور عبدالحكيم الأزهرى الثقافى ،مدير جامعة مركز الثقافة السنية ، كارندور ، كاليكوت ، كيرالا ـ

أبو الحسّان محمد اشتياق القادرى

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریب وتمہید

میں بحمدہٖ تعالیٰ مسلمان ہوں، ضروریاتِ دین، ارکانِ اسلام اوراحکامِ شریعت کوتسلیم کرتا ہوں، لیکن دین کے ہر شعبہ میں افراط وغلواور تقصیروتفریط کو بہرحال عظیم جرم اور سخت گناہ سمجھتا ہوں، میری اِس حالت سے کچھ لوگوں کوسخت تکلیف ہوتی ہے اور وہ اپنی پسند کی تشریحات وتعبیرات، یا اپنے وضع کردہ معیار ومیزان پر مجھ کوتولتے اور پرکھتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میں اُن کی کسوٹی پر کھرانہیں اترتا اور وہ لوگ مجھے ملحد وبے دین، یا گمراہ و بدمذہب کہہ کرمیرے خلاف شور مچاتے اور آوازے کستے پھرتے ہیں۔

یہ ہمارے ایک مخلص کے طویل دردِناطق کا اقتباس ہے،موجودہ حالات کے تناظر میں اِس درد کی معنویت وواقعیت کوسمجھنا کوئی دشوار کام نہیں ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک آوارہ روح، یا بدآسیب زمین سے فضا تک بڑی تیزی کے ساتھ تیر رہا ہے، جہاں کسی کوصنادیدِ قوم کے قاہر فرمودات سے سرِمو منحرف پاتا ہے اُس کواپنا شکار بنانے کے لیے قلم کی انی، زبان کی نوک اوراسباب وسائل کی قوتوں کے ساتھ تعاقب میں لگ جاتا ہے، اگر’’باغی‘‘ ذرابھی کمزور پڑجائے توسرِعام تختۂ دار پرلٹکا دیا جاتا ہے، اتمامِ حجت کا موقع دینا تو دور کی بات ہے اُس کی لب کشائی بھی ناقابلِ معافی جرم سمجھی جاتی ہے، اِن حالات میں کوئی کہے تو کیا کہے، لکھے تو کیا لکھے، بلکہ سوچے تو کیا سوچے، بس یہی کہ’’مابدولت‘‘ کی ابروئے چشم کی جنبش سے اپنے تنفس کوبھی پیوستہ کردے، عرفان وفیضان کی ساری امیدیں اُسی’’درِرحمت‘‘ سے وابستہ رکھے جہاں ابرِکرم جیبوں کا وزن دیکھ کر جھما جھم برستا ہے اور دین ونیا کی سرفرازی حاصل کرنے کے لیے حقائق سے شپرہ چشمی کرتے ہوئے اُسی’’ناخدائے ملت‘‘ کا بندۂ بے دام بن جائے جو پدرانہ سلطنت کے تحفظ کی خاطر کسی بھی حد تک جانے کے لیے کمرکس چکا ہے، خواہ اِس کے لیے اُسے شریعت کا خون ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔

اگر بات یہی ہے کہ آج مزعومہ برکت ورحمت اور موہومہ خیرونعمت کے تمام راستے

احکامِ شریعت کی پرواہ کیے بغیر مخصوص اجارہ داروں اور علم برداروں کی ہاں میں ہاں ملانے اور اُن کی خواہشات ونفسانیات کو تسکین بہم پہچانے سے کھلتے ہیں تو ہم کھلے بندوں اعلان کرتے ہیں کہ یہ سارے راستے شیطانی ہیں جن کی منزل دنیا وآخرت کی تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے، راستہ تو صرف اسلام کا ہے جو امام المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی جانب سے لے کر تشریف لائے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔ (سورۃ الأنعام، آیۃ:۱۵۳)

اور یہ کہ یہ (قرآنِ مجید، یا دینِ اسلام، یا وہ احکام جو گذشتہ آیات اور اِس سورۂ مبارکہ میں مذکور ہوئے یعنی توحید ورسالت اور حشر ومعاد) میرا راستہ ہے جو سیدھا ہے، لہذا اُسی پر چلو، اور دوسری راہوں پر نہ چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا جدا کر دیں گی، اللہ تعالی نے اِس کا تمھیں تاکیدی حکم فرمایا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔

غالباً اسلامی تاریخ کا یہ سب سے افسوسناک المیہ ہے کہ کئی ذمہ دار کہے جانے والے بے توفیق مسند نشینوں کے کردار وعمل سے ظاہر ہے کہ انہیں اسلام کی بالادستی اور مسلمانوں کی شوکت پھوٹی آنکھ نہیں بھاتی، جب دیکھیے تو نفرت وعداوت اور انتشار واختلاف کے مسموم تیر کسی شخصیت یا کسی جماعت کو لہولہان کرنے کے لیے پوری قوت سے چلائے جارہے ہوتے ہیں، جب جی میں آتا ہے تو کسی نہ کسی شخصیت کی بساط لپیٹ کر اُس کو ''دین بدری'' اور ''جلا جماعتی'' کا راستہ دکھادیا جاتا ہے، منبر ومحراب سے ایسے بیانات دیئے جاتے ہیں کہ سامنے والوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں، اتفاق واتحاد اور محبت واخوت نام کی کوئی چیز دور دور تک نظر نہیں آتی، بلکہ رعونت وکبریائی کا حال یہ ہے کہ کسی کو صفائی دینے تک کا موقع فراہم نہیں کیا جاتا اور کہتر ومہتر کفر وارتداد کے احکام صادر کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے میدان میں کود پڑتے ہیں۔

باتیں بہت ہیں؛ کیونکہ ہوا پرستوں کے نشانے پر پورا اسلامی تشخص ہے جس کو چھلنی کرنے کے لیے سب کچھ کیا جارہا ہے، دینیات واسلامیات اور مسلمہ عقائد ومعمولات کی

انوکھی تشریح اور اُن کی تطبیق وتنفیذ کی نرالی منطق نے دینِ حنیف کی اصل شکل کو بدل ڈالا ہے ،لیکن یہاں صرف چند تمہیدی اشاریات پر اکتفا کررہاہوں جن سے اِس کتاب کے مشمولات کا تعارف بھی ہوجائے گا۔

علمی اختلاف میں آدابِ اختلاف کی رعایت

☆ نو پیدا امور ومسائل اور اُن کے احکام کے استنباط اور وجوہِ استدلال میں اختلافِ رائے ہوسکتا ہے جو معیوب ہے نہ مضر، علمی اختلافات کو جماعتی موقف سے انحراف قرار دینا خطرناک قسم کا غلو اور زیادتی ہے، لیکن اِس اختلاف میں اصول وآدابِ اختلاف کی رعایت نہ کرنا اور اختلاف کرنے والوں کو سب وشتم کا نشانہ بنانا غیر علمی بلکہ غیر انسانی طریقہ ہے، اِس روش کے پسِ پردہ جو اسباب وعوامل کارفرما ہیں اُن کا تجزیہ نہ کرنا ہی بہتر ہے؛ کیونکہ یہ ساری حرکتیں وہ لوگ کرتے ہیں جن کے ناموں کے سابقے ولاحقے اگرچہ حسین وپرکشش ہیں، مگر علمی دنیا میں اُن کی اوقات ذرۂ ناچیز سے بھی کم تر ہے۔ اہلِ سنت وجماعت کا موقف یہ ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ ہر شخص کا قول ماخوذ ومتروک دونوں ہوسکتا ہے، لہذا کسی شخص کا یہ تصور قطعاً غلط ہے کہ فلاں عالم یا فلاں شخصیت کا ہر قول بہر حال قابلِ عمل و واجب التسلیم ہے اور اُس سے اختلاف کرنا ناقابلِ قبول ومردود ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مرفوعاً مروی ہے:

لَيْسَ أَحَدٌ إِلا يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيَدَعُ غَيْرَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم۔

(المعجم الكبير للطبرانی ۱۰/۳۳، رقم الحديث: ۱۱۷۷۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ ہر شخص کی کچھ باتیں لی جاتی ہیں اور کچھ چھوڑ دی جاتی ہیں۔

☆ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے شاگردِ جلیل امام مجاہد رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ أَحَدٌ بَعْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم إِلَّا يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيُتْرَكُ، إِلَّا النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم۔

(جزء القراءة للبخاری، ص: ۳۰ ۔ حلية الأولياء ۳/۳۰۰ ۔ المدخل الى السنن الكبرى

للبیهقی ۱/۱۰۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہر شخص کی بعض باتیں لی جاتی ہیں اور کچھ چھوڑ دی جاتی ہیں۔

☆ حضرت حکم بن عتیبہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

لیس أحد من خلق اللہ إلا یؤخذ من قوله و یترک إلا النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(جامع بیان العلم لابن عبدالبر ۲/۹۵)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اللہ کی مخلوق میں ہر ایک کی کچھ باتیں لی جاتی ہیں اور کچھ چھوڑ دی جاتی ہیں۔

☆ امام مالک بن انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

كُلُّ أَحَدٍ يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ، وَيُتْرَكُ، إِلاَّ صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(سیر أعلام النبلاء ۱۵/۹۵)

اِس روضۂ انور میں آرام فرمانے والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ہر شخص کی کچھ باتیں لی جاتی ہیں اور کچھ چھوڑ دی جاتی ہیں۔

☆ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

لیس أحد إلا و یؤخذ من رأیه و یترک ما خلا النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(مسائل أحمد بن حنبل لأبی داؤد السجستانی، ص: ۳٦۸)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ ہر ایک کی رائے سے کچھ لیا بھی جا سکتا ہے اور چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔

☆ فقیہِ اسلام، مجددِ اعظم، سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم الصلوۃ والثناء کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں، اور غیر معصوم سے کوئی نہ کوئی کلمہ غلط یا بیجا صادر ہونا کچھ نادر کالعدم نہیں، پھر سلف صالحین وائمہ دین سے آج تک اہلِ حق کا یہ معمول رہا ہے: (کل ماخوذ من قوله و مردود علیه الا صاحب هذا القبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس روضۂ پاک والے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ہر ایک کا قول لیا جا سکتا ہے اور اس پر

رد بھی کیا جا سکتا ہے۔ جس کی جو بات خلاف اہل حق و جمہور دیکھی وہ اسی پر چھوڑی اور اعتقاد وہی رکھا جو جماعت کا ہے کہ (**ید اللّٰہ علی الجماعۃ، اتبعو السواد الاعظم**) اللہ تعالیٰ کی حمایت جماعت کو حاصل ہے، سواد اعظم کی پیروی کرو۔ (فتاوی رضویہ ۱۵/ ٤٦٧، ٤٦٨)

کیا مذکورہ آثار و شواہد اِس بات کی واضح دلیل نہیں ہیں کہ کوئی عالم خواہ کتنی ہی علمی جلالت والا کیوں نہ ہو اُس کے اقوال و افعال اور اُس کی تحقیق و فکر شریعت میں حرفِ آخر نہیں ہے، اُس عالم کی عبقریت و عظمت مسلّم ہونے کے باوجود دوسرے عالم کو اختلاف کا پورا حق حاصل ہے، کسی نادان عقیدت منداور انجان فتنہ پسند کو یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے کہ تمہیں یا فلاں کو ایسی عظیم و عبقری شخصیت سے اختلاف کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اگر تم نے اختلافِ رائے کیا تو تم دین کے باغی اور مسلک کے دشمن ٹھہرو گے۔ درحقیقت جو لوگ کسی علمی شخصیت کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں وہ اُس شخصیت کے علمی محاسن اور تحقیقی مآثر سے انجان ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کے دشمن بھی ہوتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ اُس شخصیت کے افکار و نظریات پر نہ تو علم و تحقیق کی نظر پڑنے پائے، نہ دنیا اُن کے علمی کمالات اور فکری محاسن سے مستفید ہو سکے اور نہ اُن کی وسعت و آفاقیت اور گہرائی و گیرائی سے اہلِ فکر و نظر آشنا ہو سکیں، بلکہ وہ افکار و نظریات بوسیدگی و فرسودگی کا شکار ہو جائیں اور اُن کے ماننے والے جمود و تعطل کی زنجیروں میں جکڑے رہیں، تاکہ انہیں شطرنجی مہروں کی طرح استعمال کیا جاتا رہے اور عقیدت کے نام پر سجائی گئی منڈی میں اپنی صنعت پھلتی پھولتی رہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ ایک مظلوم عبقری ہیں

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اِس دور کی وہ مظلوم عبقری شخصیت ہیں جن پر اغیار نے تو اتہام و افترا کے مظالم توڑے ہی ہیں، اپنے کہے جانے والوں نے بھی کچھ کم ستم نہیں ڈھائے ہیں، اُن کا نام لے کر بہتوں نے اپنے وارے نیارے کیے، راتوں رات ہیرو بنے، قوم نے اُنہیں سر پر بٹھایا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ نہ جانے کیا سے کیا ہو گئے، مگر اِن کیا سے کیا ہو جانے والوں نے کیا کیا کیا، میں اِس کو بیان تو کر سکتا ہوں، لیکن سننا شاید سب کے

لیے آسان نہ ہو، اِس لیے یہ کہانی پھر سہی، ابھی اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز جیسے نابغۂ روزگار کو چند کوتاہ بینوں نے دنیا کے سامنے دقیانوسی خیالات اور رجعت پسندانہ نظریات کا حامل، حالاتِ زمانہ سے بے خبر اور روحِ دین سے بے گانہ خام خیال مولوی بنا کر پیش کیا، اِس پر سادہ لوحوں کی جانب سے جو داد و کھاد موصول ہوئی اُسی کو خیرِ کثیر اور اجرِ وافر سمجھ کر اِن نادانوں نے قبول کرلیا اور پھر اپنی اِس روش کو دین کا نام دے کر باضابطہ ایک نفع بخش کاروبار کی شکل دے ڈالی، لیکن اہلِ نظر اور اربابِ دانش پر اِس کا جو اثر مرتب ہوا اُس کی اِن نامرادوں کو مطلق پرواہ نہیں، امامِ اہلِ سنت کو امامِ اہلِ بدعت کہا جاتا رہا، مگر یہ کانوں میں روئی دے کر عیش کرتے رہے، بحث و تحقیق کے غوّاصِ اعظم کو فرسودہ خیال اور سطحی انسان ثابت کرنے کے لیے تحریکیں چلائی جاتی رہیں، لیکن اِن کی عشرت گاہوں میں کوئی کھلبلی نہیں ہوئی، علم و معرفت کے گوہرِ شاہ کار کو رجعت پسندانہ نظریات کا حامل قرار دیا گیا، مگر اِن بے گانگانِ فکر و نظر کے کانوں پر جوں تک رینگی، ہاں یہ کوتاہ بین اُس وقت ضرور عقابی نگاہ والے شکاری نظر آئے جب امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کو اپنا آئیڈیل و سرخیل تسلیم کرنے والے کسی عالم و محقق، شریعتِ اسلامیہ کے قوانین و قواعد اور علم الاختلاف کے اصول و آداب کی کامل رعایت کرنے والے فقیہ و مدقق نے امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحقیقات سے کوئی علمی اختلاف کیا، یا افکارِ رضا کو نقد و نظر کے معیار پر رکھ کر اُن کی ایسی توضیح و تشریح کی جو پہلے متعارف و مشتہر نہ تھی، یا اور کسی جہت سے خالص فروعی امور میں تعلیماتِ رضویہ کو سامنے رکھ کر مسائل و حوادث کے ایسے احکام بیان کیے جو امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے بیان کردہ احکام سے مختلف ہیں تو اِن تمام صورتوں میں اُس عالم و محقق کو گستاخ و بے ادب، جاہل و بے خبر اور باغی و مخالفِ مسلک قرار دینے کے لیے امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کا استحصال کرنے والے یہ نادان عقیدت مند ضرور ٹوٹ پڑے اور اپنے حلقۂ ارادت کو یہ باور کرانے میں لگ گئے کہ فلاں نے امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی معاذ اللہ تغلیط و تجہیل کردی اور اُس نے بدمذہبوں اور وہابیوں کی روش اختیار کرلی وما الی ذلک من الھفوات۔

فقیر قادری ایسے نادان عقیدت مندوں سے بڑے ادب کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ جو لوگ میرے امام کی تحقیقات سے علمی اختلاف رکھتے ہیں اُن کو سبّ وشتم کا نشانہ بنانے کے بجائے دلائل و براہین اور شواہد وثوابت کی روشنی میں معارفِ امام کی توضیح وتشریح کی جانی چاہیے تا کہ اہلِ فکر ونظر پر سیدی امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے مدارکِ عالیہ بکمالِ قوت واضح و روشن ہوجائیں اور اختلاف کرنے والوں کو اپنی نظریاتی وفکری غلطی کا احساس ہوجائے۔ کسی کو سبّ وشتم کرنا اور محض زورِ بیان ولفظی ہیر پھیر سے کسی کو زیر کرنے کی کوشش کرنا کوئی خوش آئند اقدام نہیں ہے، بلکہ فقیر کی نظر میں اِس اندھی سوچ اور خام خیالی کے پسِ پردہ جو عوامل ومحرکات کارفرما ہیں اُن پر تفصیلی گفتگو کرنا اگرچہ اضاعتِ وقت کے سوا کچھ نہیں ہے، تاہم اجمالی طور پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اِس روش کی روح وہ افراط وغلو اور تقصیر وتفریط ہے جس نے عقائد ومعمولات اور افکار ونظریات میں اپنی جڑوں کو اتنا مضبوط کرلیا ہے کہ اب اُس کے خلاف سوچنا بھی جرم سمجھا جاتا ہے۔ فقیر قادری نے پیشِ نظر اپنی اِس کتاب میں اِسی قسم کے افراط وغلو کی مختلف صورتوں کو بیان کر کے اعتدال وتوازن اور وسطیت واستقامت پر مبنی عقائد ومعمولات کے مختلف ابواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہم بحمدہ تعالی اصول سے فروع تک اہلِ سنت وجماعت کے اُس محکم ومرصوص اور ماثور ومنصوص طریقے پر گامزن ہیں جہاں تشدد وتعنت، تعصب وتعدی، افراط وغلو اور تقصیر وتفریط کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اگر اکابر علماء اور اعاظم مشائخ اپنے حلقۂ اثر وارادت میں اِس نکتہ کی کامل وضاحت فرمادیں کہ تقریر وتحریر اور سیرت وکردار کو افراط و غلو سے پاک رکھ کر دعوت وتبلیغ اور توجیہ وارشاد کا کام کرنا ضروری ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ بہت سے فتنے فنا ہوسکتے ہیں اور بے شماری فسادی جراثیم جو جماعت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اندرونِ خانہ پرورش پارہے ہیں وہ اپنی موت آپ مرسکتے ہیں۔

دین میں افراط وغلو کا اثر اتنا خطرناک ہوتا ہے کہ اُس سے نہ صرف دین کا حلیہ اور اصل شکل وصورت بدل کر رہ جاتی ہے، بلکہ ایسے بے شمار لوگوں کو منہ کھولنے کا موقع مل جاتا ہے جن کی ابھی مدتِ رضاعت بھی پوری نہیں ہوئی ہوتی ہے۔

احادیثِ مبارکہ میں تساہل و بے اعتنائی

دین میں افراط وتفریط کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ احادیثِ مصطفی جانِ رحمت ﷺ کے ساتھ جو اہتمام و اعتنا برتا جانا چاہیے اُس سے کئی ذمہ دار سمجھے جانے والے لوگ ایسی غفلت برتتے ہیں کہ جیسے علمِ حدیث کسی معمولی اور غیر اہم علم کا نام ہے۔

☆ مساجد کے ائمہ، درسگاہوں کے اساتذہ اور اسٹیجوں کے مقررین کی ایک تعداد نے احادیثِ مصطفی جانِ رحمت ﷺ کے ساتھ جو سلوک اپنا رکھا ہے کیا اُس کو دیکھ کر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ علم وتحقیق اور اعتدال وتوازن سے یہ لوگ عاری ہو چکے ہیں اور اندھی تقلید و غیر شرعی نقل و پیروی کر کے افراط وتفریط کی تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ موضوع و من گھڑت روایات کو اچھل اچھل کر بیان کیا جاتا ہے، اُن سے عقائد و احکام ثابت کیے جاتے ہیں اور قوم سے اچھی خاصی قیمت و اجرت وصول کی جاتی ہے، اِس طرز سے علمی دنیا میں اہلِ سنت کی جو جگ ہنسائی ہوتی ہے اُس کے اثرات چونکہ اِن پیشہ وروں کے نشاط کدوں اور خواب گاہوں تک نہیں پہنچتے، لہذا یہ دادِ عیش دیتے رہتے ہیں اور اپنے کرتوتوں پر بغیر ندامت و شرمندگی کے آنے والے دنوں کے ساتھ جری ہوتے چلے جاتے ہیں، اگر وقت رہتے ایسے لوگوں کی حرکات کا تدارک نہیں کیا گیا تو اربابِ علم و دانش کی نظر میں تو ہم بدنام ہوں گے ہی وہ روحانی برکات و سعادات بھی ہم سے رخصت ہو جائیں گی جو حقانیت و صداقت کا لازمہ ہیں۔

ہم نے ایک خطیب کو سنا وہ کہتا تھا:

قال أبو بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ : من أنفق درھما فی قراءۃ مولد النبی ﷺ کان رفیقی فی الجنۃ۔ وقال عمر رضی اللہ تعالی عنہ : من عظّم مولد النبی ﷺ فقد أحیا الاسلام۔ و قال عثمان رضی اللہ تعالی عنہ : من أنفق درھما علی قراءۃ مولد النبی ﷺ فکأنما شھد غزوۃ بدر و حنین۔ وقال علی رضی اللہ تعالی عنہ : من عظم مولد النبی ﷺ و کان سببا لقراءتہ لایخرج من

الدنیا الا بالایمان و یدخل الجنة بغیر حساب۔

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا ہے: جس نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنے میں ایک درہم خرچ کیا وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی نے فرمایا ہے: جس نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی تو بے شک اُس نے اسلام کو زندہ کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: جس نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھنے پر ایک درہم خرچ کیا تو گویا وہ غزوۂ بدر وحنین میں شریک ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: جس نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کی اور اُس کے پڑھنے کا سبب بنا وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ ہی جائے گا اور جنت میں بلا حساب داخل ہوگا۔

غور تو کیجیے خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالی عنہم پر کیسا افترا ہے، میں تو اِس روایت کو سن کر دنگ رہ گیا اور ایک طرح کا سکتہ طاری ہو گیا، خلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے مبارک ناموں سے ایسا خوفناک جھوٹ پہلی بار سنا تھا، دل نے تو سنتے ہی مضمون کی رکاکت اور معنی کی سخافت کی وجہ سے یہ یقین کرلیا کہ یہ کذب واختراع ہے، لیکن جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ خطرناک کھیل محض اتفاقی نہیں، بلکہ منظم ہے، کسی کذاب نے اولاً امام شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی شافعی رحمہ اللہ تعالی کے نام سے ایک کتاب گڑھی، جس کا نام ''النعمة الکبری علی العالم'' رکھا، اُس کے بعد یار لوگ اُس کی موضوع ومن گھڑت روایات اور مدسوس و باطل حکایات کو لے اڑے اور بے خوف وخطر مجالس ومحافل میں بیان کر کے تحسین وآفرین کے ساتھ ساتھ بھاری بھرکم لفافے، لمبے چوڑے نذرانے اور موٹے تازے محنتانے وصول کرنے لگے۔ فقیر قادری عرض کرتا ہے کہ مذکورہ روایات کا صدرِ اول ہی نہیں، بلکہ پوری اسلامی تاریخ میں کوئی موہوم نشان تک نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ سچ پوچھیے تو ''قراءة مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی اصطلاح بہت بعد میں وجود میں آئی ہے، خیر القرون اور ائمہ واتباعِ تابعین اور اُن کے بعد کافی زمانہ تک اِس کا کوئی وجود نہیں ہے، ہاں جب سے یہ اصطلاح رائج ہوئی اُسی وقت سے مسلمانوں نے اِس کو حسنِ نظر سے دیکھا اور اِس کو اپنا معمول بنالیا، مگر اِس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ اب اِس نام سے کذب و دروغ کو فروغ دے کر

خود کو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق بنالیا جائے ، یہی ہے وہ خطرناک افراط جس سے اپنی قوم کو بچانے کے لیے ہم نے یہ کتاب لکھی ہے۔

ایک صاحب رمضان شریف کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

من قضی صلوات من الفرائض فی آخر جمعة من رمضان کان ذلک جابرا لکل صلوة فائتة من عمره الی سبعین سنة۔

جو شخص رمضان کے آخری جمعہ کو پانچوں فرض نمازیں پڑھ لے گا اُس کی ستر سال تک قضا نمازوں کی تلافی ہو جائے گی۔

ذرا انصاف کے ساتھ بتائیے کہ اِس طرح کے بدترین جھوٹ اسلام کے نظامِ عبادات کو درہم برہم کرنے کی سازش نہیں ہیں تو پھر کیا ہیں، کیا کوئی عقلِ سلیم رکھنے والا اِس قسم کی ہفوات کو تسلیم کرسکتا ہے، اور کیا کوئی سادہ لوح اِس طرح کی خرافات سے گمراہ ہونے سے محفوظ رہ سکتا ہے؟ ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اِس کتاب میں کوشش کی ہے کہ امام الصادقین، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب جھوٹ کی نسبت سے لوگوں کو روکا جائے اور اُس کے خوفناک انجام سے ڈرایا جائے۔

محرم الحرام کا عظمت و برکت والا مہینہ آتے ہی مسلمانوں کے گھروں اور محلوں میں مجالس ومحافل کا اہتمام کیا جاتا ہے، جو یقیناً مبارک ومسعود عمل ہے، اِس کے فوائد و برکات سے انکار وہی کرسکتا ہے جو دین میں تفریط وتقصیر کے جرم کا مرتکب ہو، لیکن رحمت و برکت کے اِس موسمِ خیر میں ایسے لوگ بھی حشرات الارض کی طرح اسٹیجوں اور محفلوں میں درآتے ہیں جو افراط وغلو کا ارتکاب کرتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جانب جھوٹی روایات کی نسبت کرتے ہیں، اساطیری روایات، موضوع حکایات اور من گھڑت واقعات کے ذریعہ بھولے بھالے مسلمانوں کے جذبات واحساسات کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل موضوع و باطل روایت کو اہلِ سنت کے اسٹیج سے نہ جانے کتنی بار لوگوں نے سنا ہوگا، مگر ہمیں نہیں معلوم کہ کسی نے برسرِ منبر اِس کی تردید کی ہو اور بیان کرنے والے کو روک کر اُسے

کسی طرح کی تنبیہ کی ہو۔فقیر نے یہ روایت ایسی شخصیات سے بھی سنی ہے جن کوعوام اہلِ سنت اپنا مقتدا و پیشوا کہتے نہیں تھکتے۔

من صام یوم عاشوراء کتب الله له عبادة ستین سنة بصیامها وقیامها، ومن صام یوم عاشوراء أعطی ثواب عشرة آلاف ملک، ومن صام یوم عاشوراء أعطی ثواب ألف حاج ومعتمر، ومن صام یوم عاشوراء أعطی ثواب عشرة آلاف شهید، ومن صام یوم عاشوراء کتب الله له أجر سبع سموات، ومن أفطر عنده مؤمن فی یوم عاشوراء فکأنما أفطر عنده جمیع أمة محمد ﷺ، ومن أشبع جائعا فی یوم عاشوراء فکأنما أطعم جمیع فقراء أمة محمد ﷺ، وأشبع بطونهم، ومن مسح علی رأس یتیم رفعت له بکل شعرة علی رأسه فی الجنة درجة۔قال: فقال عمر: یا رسول الله! لقد فضلنا الله عزوجل بیوم عاشوراء؟ قال: نعم خلق الله عزوجل یوم عاشوراء والأررض کمثله، وخلق الجبال یوم عاشوراء والنجوم کمثله، وخلق القلم یوم عاشوراء واللوح کمثله، وخلق جبریل یوم عاشوراء وملائکته یوم عاشوراء، وخلق آدم یوم عاشوراء، وولد إبراهیم یوم عاشوراء، ونجاه الله من النار یوم عاشوراء، وفداه الله یوم عاشوراء، وأغرق فرعون یوم عاشوراء، ورفع إدریس یوم عاشوراء، وولد فی یوم عاشوراء، وتاب الله علی آدم فی یوم عاشوراء، وغفر ذنب داؤد فی یوم عاشوراء، وأعطی الله الملک لسلیمان یوم عاشوراء، وولد النبی ﷺ فی یوم عاشوراء، واستوی الرب عزوجل علی العرش یوم عاشوراء، ویوم القیامة یوم عاشوراء۔

جس نے عاشورا کے دن روزہ رکھا اللہ تعالیٰ اُس کے نامۂ اعمال میں ساٹھ سال کے روزوں اور قیام کی عبادت لکھ دے گا، جو عاشورا کے دن روزہ رکھے گا اُسے دس ہزار فرشتوں کی نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا، جو عاشورا کا روزہ رکھے گا اُسے ایک ہزار حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کا ثواب دیا جائے گا، جو عاشورا کا روزہ زرکھے گا اسے دس ہزار شہیدوں کا ثواب ملے گا، جو عاشورا کا روزہ رکھے گا اسے ساتوں آسمانوں کے برابر ثواب ملے گا،

عاشورا کے دن جس کے یہاں ایک مومن نے افطار کیا تو گویا پوری امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام نے اُس کے یہاں افطار کیا، عاشورا کے دن جس نے کسی بھوکے انسان کو کھانا کھلایا تو گویا اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے تمام فقرا کو پیٹ بھر کھانا کھلایا، جس نے ایک یتیم کے سر پر دستِ شفقت پھیرا تو اُس کے سر کے ہر بال کے بدلہ جنت میں ایک درجہ بلند کیا جائے گا۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالی نے ہمیں عاشورا کی اتنی فضلیت عطا فرمائی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، اللہ تعالی نے عاشورا کے دن کو پیدا فرمایا اور اُسی دن زمین کو بھی پیدا فرمایا، پہاڑوں کو پیدا فرمایا اور تاروں کو بھی، قلم کو پیدا فرمایا اور لوح کو بھی، جبریل علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور فرشتوں کو بھی، عاشورا کے دن آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ابراہیم علیہ السلام کو بھی، اِسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود سے نجات عطا فرمائی، اسی دن اسماعیل علیہ السلام کا جنت سے فدیہ نازل فرمایا، اسی دن فرعون کو غرق فرمایا، اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور اسی دن آسمان پر اٹھایا، اسی دن آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور اسی دن حضرت داؤد علیہ السلام کی لغزش معاف فرمائی، اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکومت عطا فرمائی، اسی دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش ہوئی، عاشورا ہی کے دن اللہ تعالی نے عرش پر استوا فرمایا اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

امام احمد بن حنبل، امام ابوحاتم، امام ابن حبان، امام عبدالرحمن بن جوزی، امام ابن عدی، علامہ ابنِ طاہر مقدسی، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ ابنِ عرّاق کنانی، علامہ علی قاری اور علامہ عبدالحی لکھنوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالی نے لکھا ہے کہ یہ روایت باطل و بے اصل اور موضوع ومکذوب ہے، اِس کی آفت حبیب بن ابوحبیب ہے جو احادیث وضع کرتا تھا۔

ہم نے اپنی اِس کتاب میں احادیثِ موضوعہ سے متعلق اگرچہ تفصیل سے تو نہیں لکھا ہے، لیکن اِس سلسلہ میں چند ضروری گذارشات ضرور پیش کر دی ہیں جن سے یہ بات واضح ہے کہ موضوع روایات اور باطل و بے اصل اخبار و آثار کی شریعتِ اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں ہے، احکام ومسائل اور مناقب وفضائل ہر باب میں موضوع و باطل روایات قطعاً غیر

معتبر اور نا قابلِ قبول ہیں، بلکہ موضوعات کو حدیث کہنا مجاز اور بطورِ حدیث اُن کی روایت ناجائز وحرام اور سخت گناہ ہے، ہاں علماءِ کرام تقریر وتحریر میں موضوع روایات اِس شرط کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں کہ عوام وخواص پر واضح کر دیں کہ یہ روایات باطل ومردود ہیں، اِن سے کوئی عقیدہ، یا حکمِ شریعت، یا کسی قسم کی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوسکتی، بلکہ اِن روایات سے اجتناب وگریز لازم ہے، یہ روایات بے شمار اغراضِ فاسدہ اور مقاصدِ باطلہ کے تحت گڑھی گئی ہیں، جن میں سے ایک غرض شعوری یا لاشعوری طور پر اسلام اور اُس کے پاکیزہ نظام کو بدنام کرنا بھی ہے۔

وہابی تاریخِ اسلام کا سب سے بڑا غلو پسند فرقہ ہے

قارئینِ کرام! جماعتی اور تحریکی سطح پر دین کا نام لے کر دین میں سب سے زیادہ افراط وتفریط وہابیوں اور نجدیوں نے کی ہے، وہابیوں نے اپنے نام سے لے کر عقائد ونظریات اور قول وعمل کی سطح تک دین میں جو افراط وتفریط داخل کر رکھی ہے اُس کی مثال پوری تاریخِ اسلام میں نہیں ملتی، یہ گروہ خود کو کبھی اہلِ حدیث کہتا ہے کبھی سلفی، کبھی محمدی کہتا ہے کبھی اثری، کبھی وہابی کہتا ہے کبھی نجدی، یعنی چڑھتے سورج اور بدلتی رُت کے ساتھ نِت نئے نام رکھنا اِس فرقے کا محبوب مشغلہ ہے، مذکورہ ناموں میں ''اہلِ حدیث'' نام سے یہ فرقہ کچھ زیادہ ہی اپنی وابستگی جتاتا ہے اور اِس سلسلہ میں خاصا افراط وغلو اختیار کرتا ہے، حالانکہ اسلامیات کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ اہلِ حدیث اہلِ علم کے اُس مخصوص طبقہ کا نام ہے جس نے احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی تحصیل ومعرفت، اُن کی طلب وحفظ، اسانید کی تحقیق وتدقیق، عللِ حدیث کی بحث وتمحیص اور احادیثِ مبارکہ ہی سے متعلق دیگر علوم وفنون کو اپنا مطمحِ نظر اور علمی شغف کا خصوصی محور بنالیا ہو، لیکن آج وہ لوگ جنہیں حدیث کا معنی ومفہوم بھی معلوم نہیں خود کو بڑے طمطراق اور فخر کے ساتھ اہلِ حدیث کہتے ہیں، بلکہ اپنی جماعت کے ہر صبی ومجنون، ایرے غیرے، جاہل وغافل، گنوار وناہنجار، فاسق وفاجر، کذاب ودجال اور ہر طرح کے بدعمل وبددین کو بھی اہلِ حدیث کہتے ہیں، یہ وہ

بدترین غلو ہے جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی ، اِس غلو نے تاریخِ اسلام کے ایک عظیم طبقہ کو بدنام و متہم بنادیا ہے، جس کا سہرا آج کل کے غیر مقلدین کے سر ہے جو علم سے نابلد ہونے کے باوجود خود کو اہلِ حدیث کہتے نہیں شرماتے۔

غیر مقلدین اہلِ حدیث بنِ ابلیس ہیں

سچ پوچھیے تو یہ فرقہ اِس معنی میں ہرگز اہلِ حدیث نہیں ہے کہ اِس کو علمِ حدیث سے کوئی ربط و علاقہ ہے اور یہ محدثینِ کرام کی جماعت کا لقب ہے ، بلکہ اِس فرقے کے عقائد و خیالات اور دجل وفریب پر مبنی خفیہ کارگذاریوں اور علانیہ سرگرمیوں کو دیکھ کر مجھے یہ خیال آتا ہے کہ اِس فرقے نے درحقیقت بہت کچھ سوچ سمجھ کر یہ نام اپنایا ہے؛ کیونکہ اِس نام کا ظاہر معنی تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور جس کو دکھا کر عوام کو جھانسہ اور فریب دیا جاتا ہے، لیکن اِس نام کا ایک معنی وہ ہے جو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی مندرجہ ذیل حدیث پر مبنی ہے جو اگرچہ ظاہر نہیں کیا جاتا ہے تاہم اِس جماعت کے حقائق وواقعات اور افکار ونظریات کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن حضرت ابوبکر ، حضرت عمر ، حضرت عثمان ، حضرت علی ، حضرت سلمان اور حضرت عمار بن یاسر جیسے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین رسولِ اکرم ﷺ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے ، رسول اللہ ﷺ بخار کی حالت میں باہر تشریف لائے ، موتیوں کی طرح پسینہ ٹپک رہا تھا، پیشانی اقدس کو پونچھ کر آپ نے تین بار ارشاد فرمایا:

لعن اللہ الملعون ۔ ثم أطرق ، فقال له علی رضی اللہ تعالی عنه : بأبی أنت و أمی، من لعنت آنفا ؟ فقال ﷺ : ابلیس الخبیث ، عدو اللہ أدخل ذنبه فی دبره ، فباض سبع بیضات ، فهم أولاده الموکلون ببنی آدم : أحدهم اسمه المدحش وکل بالعلماء ، یردهم الی الأهواء المختلفة ، والثانی اسمه حدیث ، و هو صاحب الصلوة ، فینسیهم الذکر ، ویعبثهم باللحظ ، ویطرح علیهم التثاؤب والنعاس ، حتی ینام أحدهم ، فیقال له : قد نمت ، فیقول : لم أنم ، فیدخل فی

الصلوة بغير وضوء، والذی نفس محمد بیدہ لیخرجن أحدھم من صلوته ماله شطرھا ولا ربعھا ولا عشرھا، ووزرھا أکثر من أجرھا۔ الحدیث۔

(الغنیة لطالبی طریق الحق، ص: ۱۳۸، ۱۳۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

اللہ تعالیٰ ملعون پر لعنت فرمائے، اُس کے بعد سرِ انور جھکالیا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ نے ابھی کس پر لعنت فرمائی ہے؟ ارشاد فرمایا خبیث ابلیس پر، اللہ کے دشمن نے اپنی دم اندر کر کے سات انڈے دیئے، جن سے پیدا ہونے والی اولاد کی ڈیوٹی بنی آدم پر لگادی گئی ہے، ایک بیٹے کا نام مدحش ہے، اِس کی ڈیوٹی علماء پر ہے جو انہیں مختلف خواہشات کی طرف پھیرتا رہتا ہے، اور دوسرے بیٹے کا نام حدیث ہے، اِس کی ڈیوٹی نماز پر ہے، یہ نمازیوں کو اللہ کا ذکر بھلا دیتا ہے، اُن کی نگاہ سے کھلواڑ کرتا ہے، اُن پر جماہی اور اونگھ مسلط کر دیتا ہے، یہاں تک کہ نمازی سو جاتا ہے، اگر اُس سے کہا جائے کہ تم سو گئے تھے، تو جواب دیتا ہے کہ میں نہیں سویا تھا، اب یہ اِسی حال میں بغیر وضو کے نماز میں داخل ہو جاتا ہے، اُس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے ایسا نمازی جب نماز سے باہر آتا ہے تو اُسے نصف نماز کا اجر ملتا ہے نہ چوتھائی کا اور نہ دسویں حصے کا، بلکہ اُس کا گناہ اُس کے ثواب سے زیادہ ہوتا ہے۔

اِس روایت کی روشنی میں ہمیں لگتا ہے کہ اِس فرقے نے اپنا نام ابلیس کے اِسی دوسرے بیٹے ''حدیث'' کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''اہلِ حدیث'' رکھا ہے، جس سے یہ فرقہ دو فائدے حاصل کرنا چاہتا ہے: نمبر ایک عوام کے ساتھ فریب کاری اور نمبر دو اپنے نظریاتی نسب کی پاسداری۔ لیکن اِس فرقہ کے عمائدین غالباً یہ بھول چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں داعیانِ حق، پاسبانِ دین اور سرفروشانِ اسلام کو ضرور بھیجتا ہے جو حق و باطل کے درمیان پوری جواں مردی سے امتیاز کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

ان شاء اللہ تعالیٰ غیر مقلدین کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کی نقاب کشائی و پردہ دری پر مشتمل بہت جلد ایک مبسوط اور دستاویزی کتاب سامنے آنے والی ہے، جسے علم و تحقیق کی دنیا میں غیر مقلدین کے رد و ابطال پر ایک شاہکار انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔

ایک غیر مقلد سے دل چسپ مکالمہ

سرِ دست یہاں اِس فرقے کے افراط وغلو کے کچھ نمونے ملاحظے فرمائیے اور اِن کے عمل بالحدیث کے دعوے کی حقیقت کی ہوا نکلتے دیکھیے:

غیر مقلدین کے ایک عالم سے گفتگو ہو رہی تھی، ہم نے کہا آپ خود کو اہلِ حدیث کہتے ہیں حالانکہ آپ نے آج تک کسی حدیث کی ایک سند کی بھی محدثانہ تحقیق نہیں کی ہے اور نہ یہ آپ کے بس کی بات ہے تو پھر خود کو اہلِ حدیث کیوں کہتے ہیں؟ کہنے لگے کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں، فقہ اور کسی امتی کی رائے اور قول کو نہیں مانتے ہیں، اِس لیے ہم اہلِ حدیث کہلاتے ہیں۔ ہم نے کہا پھر تو آپ کا نام نابالغ اور ادھورا ہے؛ کیونکہ آپ مانتے قرآن وحدیث دونوں کو ہیں، مگر نام اہلِ حدیث رکھتے ہیں، آپ کو اپنا پورا نام اہلِ قرآن و حدیث رکھنا چاہیے۔ یہ سن کر اُن کے حواس تقریباً گم ہو گئے، ہم نے اُن صاحب کو حوصلہ دیا اور پھر پوچھا اچھا بتائیے حدیث کس کو کہتے ہیں؟ یہ سوال سن کر چہرہ دمک اٹھا، گویا انہیں منہ مانگی خوراک حاصل ہو گئی، بے ساختہ بول اٹھے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول، فعل اور تقریر یعنی کسی نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے کوئی بات یا کوئی کام کیا، مگر آپ نے اُس کو ملاحظہ فرمانے کے باوجود انکار نہیں فرمایا، اس کو حدیث کہتے ہیں۔ ہم نے کہا یہ تعریف قرآنِ کریم کی کس آیت کا ترجمہ ہے؟ کہنے لگے کسی آیت کا نہیں۔ ہم نے کہا پھر کس حدیث کا ترجمہ ہے؟ بولے کسی کا بھی نہیں۔ ہم نے کہا جب یہ تعریف قرآن وحدیث دونوں میں سے کسی میں نہیں ہے تو پھر آپ نے اِسے کہاں سے امپورٹ کیا ہے؟ کہنے لگے محدثین نے اپنی بے شمار کتابوں میں بیان کیا ہے، آپ جس کتاب کو اٹھا کر دیکھ لیجیے ہر جگہ آپ کو یہی تعریف ملے گی، مگر مجھے اِس وقت یہ یاد نہیں کہ یہ تعریف سب سے پہلے کس نے بیان کی ہے۔ ہم نے کہا بہت خوب میاں جی! یہ تعریف جن محدثین نے بیان کی ہے وہ آپ کے نزدیک معاذ اللہ الٰہ ہیں یا پیغمبر یا امتی و عام بشر؟ بولے سارے محدثین امتی ہیں۔ ہم نے گرج دار لہجے میں کہا کہ دعوی اتنا بلند کہ ہم لوگ صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں اور دلیل اتنی ذلیل کہ حدیث

کی تعریف بھی کسی امتی کے یہاں سے چوری کرکے لاتے ہیں، کیا آپ اب بھی اپنے کواہلِ حدیث کہیں گے؟ یہ سن کر غیر مقلد صاحب کومے میں چلے گئے۔ ہم نے جناب کے کچھ سنبھلنے کے بعد کہا: اچھا یہ بتائیے کہ کیا تمام احادیث قابلِ عمل اور صحیح ہیں؟ بولے نہیں، کچھ احادیث صحیح ہیں، کچھ حسن ہیں، کچھ ضعیف ہیں اور کچھ موضوع ہیں۔ ہم نے کہا آپ ہمیں صرف ایک حدیث ایسی لکھوادیجیے جس کے بارے میں اللہ تعالی یا اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہو کہ یہ حدیث صحیح ہے، اور ایک حدیث ایسی تحریر کرادیں جس کے بارے میں فرمایا ہو کہ یہ حسن ہے، اور ایک حدیث ایسی نوٹ کرادیں جس کو ضعیف فرمایا ہو اور ایک حدیث ایسی درج کرادیں جس کو موضوع فرمایا ہو؟ یہ سن کر بولے کہ احادیث کو صحیح وحسن وغیرہ محدثین نے اپنے اصول وقواعد کے مطابق کہا ہے۔ ہم نے کہا آپ بار بار اپنا دعوی بھول جاتے ہیں کہ ہم صرف قرآن وحدیث کو مانتے ہیں، کسی امتی کی بات نہیں مانتے، مگر احادیث کو صحیح وحسن اور ضعیف وموضوع کہنے میں محدثین کے اقوال پر اتنا اعتماد کہ ایک انچ اِدھر سے اُدھر ہونا بھی اپنی فکری موت سمجھتے ہیں، آخر یہ محدثین بھی تو امتی ہیں، تو پھر آپ اہلِ حدیث کیوں کر ہوئے؟ اِس بار بھی جواب میں سکوتِ مرگ کے سوا کچھ نہ تھا۔

یہ کوئی افسانہ نہیں، بلکہ ایک معروف غیر مقلد عالم سے مجلسِ مناظرہ میں جو طویل گفتگو ہوئی تھی اُس کی ایک جھلک ہے، ہم یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ تو غیر مقلدین کے خود ساختہ نام کے بارے میں اُن کا گھناؤنا افراط وغلو ہے، اُن کے عقائد ومسائل کا حال بھی اِس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، بلکہ انھوں نے جہاں جہاں اور جس باب میں مومنین ومسلمین کے طریقے سے انحراف کیا ہے وہاں یا تو بدترین غلو کا ارتکاب کیا ہے یا پھر خطرناک تفریط کی روش اپنائی ہے۔

عقائد ومسائل میں غیر مقلدین کے غلو کے نمونے

غیر مقلدین کے افراط وغلو کو تفصیل سے بیان کرنے کے لیے ایک طویل دفتر درکار ہے یہاں تمثیل کے طور پر چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

☆مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کے بیٹے نواب نورالحسن خاں نے لکھا ہے:

ہر کہ چیزی از عورتش در نماز نمایاں شد، یا در جامۂ ناپاک نماز گذارد نمازش صحیح ست۔

(عرف الجادی، ص:۲۲، مطبع شاہجہانی، بھوپال)

نماز پڑھنے والے مرد یا عورت کا ستر یعنی شرمگاہ وغیرہ کھل جائے، یا یہ ناپاک کپڑے میں نماز پڑھیں تو اِن کی نماز درست ہے۔

مغربی اقوام نے مردوں اور عورتوں کو بازاروں میں ننگا کیا اور مغرب کے اشاروں پر رقص کرنے والے غیر مقلدین نے انہیں اپنی عبادت گاہوں میں ننگا اور ناپاک رہنے کا پروانہ عطا کردیا، ہم اِن اخلاق باختہ غیر مقلدین سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ حالتِ نماز میں اِس ننگے پن اور ناپاک لباس زیبِ تن کرنے پر قرآنِ کریم یا احادیثِ صحیحہ وحسنہ سے کوئی دلیل پیش کریں ورنہ اپنے مذہب کے اِس حیا سوز مسئلہ سے کھلے عام تحریری توبہ کریں۔

☆غیر مقلدین کے نزدیک مجبوری میں زنا جائز ہے، نواب نورالحسن نے لکھا ہے:

ہر کہ مکرہ شد بر زنا اورا از نا جائز ست، وحدّ غیر واجب۔ (عرف الجادی، ص:۲۱۵)

جسے زنا پر مجبور کیا جائے اُسے زنا کرنا جائز ہے اور اُس پر کوئی حد بھی واجب نہیں ہے۔

☆اجماعِ شرعی کی حجیت پر جمہور امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے، لیکن تمام مسلمانوں سے جدا غیر مقلدین کا نظریہ ہے کہ:

اجماع چیزے نیست۔ (عرف الجادی، ص:۳)

اجماع کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

☆غیر مقلدین کا عقیدہ ہے کہ متاخرین علماء عوام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے افضل ہیں۔ غیر مقلد مولوی وحیدالزماں حیدرآبادی نے لکھا ہے:

هذا لايستلزم أن لايكون فى القرون اللاحقة من هو أفضل من أرباب القرون السابقة، فان كثيرا من متأخرى علماء هذه الأمة كانوا أفضل من عوام الصحابة فى العلم والمعرفة ونشر السنة، وهذا مما لاينكره عاقل۔

(هدیۃ المھدی، ص: ۹۰، اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ)

صحابہ کے اخیار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ متاخرین متقدمین سے افضل نہیں ہو سکتے؛ کیونکہ اِس امت کے بہت سے متاخرین علماء عام صحابہ سے علم ومعرفت اور سنت کی نشر واشاعت میں افضل ہیں، اور یہ ایسی چیز ہے جس کا کوئی عقلمند انکار نہیں کرسکتا۔

☆ غیر مقلدین کا عقیدہ ہے کہ قربِ قیامت اہلِ ایمان کو ختم کرنے والی ہوا چل چکی اور تمام اہلِ ایمان ختم ہو چکے اور اب روئے زمین پر کوئی مسلمان باقی نہیں رہا، چنانچہ مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے:

اللہ ایسی باؤ (ہوا) بھیجے گا کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا، مرجاویں گے اور وہی لوگ رہ جائیں گے کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں۔ (یہ ایک حدیث کا ترجمہ ہے، اسماعیل دہلوی نے ترجمہ کے بعد ف لکھ کر آگے لکھا ہے) سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا، یعنی بھیج چکا اللہ ایسی باؤ (ہوا) جس سے وہ سب اچھے بندے جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان تھا مر گئے اور اب کوئی مسلمان باقی نہ رہا۔ (تقویۃ الایمان، ص: ٤٥)

اہلِ نظر تقویۃ الایمان کو مارکیٹ سے خریدیں اور اُس میں اسماعیل دہلوی کے مذکورہ تبصرے کو پڑھیں اور انصاف سے بتائیں کہ جب کوئی مسلمان باقی نہ رہا تو یہ غیر مقلدین بھی اپنے پیشوائے اعظم کے بقول کافر و مرتد ہوئے یا نہیں؟ اور خود اسماعیل دہلوی بھی اپنے بیان کی روشنی میں کافر ہوئے یا نہیں؟ کیونکہ جس وقت دہلوی صاحب مذکورہ تبصرہ تحریر کر رہے تھے اُس وقت وہ باؤ چل چکی تھی جو اہلِ ایمان کا ایمان لے اڑی تھی، تو ظاہر ہے دہلوی صاحب بھی ایمان سے بالکل کورے اور خالص کافر ہو چکے تھے۔

دیکھا ناظرینِ کرام آپ نے کہ انسان جب افراط وغلو پر اتر آتا ہے تو اُس کا انجام کتنا خطرناک ہوتا ہے۔

☆ غیر مقلدین کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ انبیاء ومرسلین، ملائکۂ مقربین اور تمام مخلوق اللہ کی شان کے آگے چمار سے بی زیادہ ذلیل وخوار ہے، چنانچہ مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔

(تقویۃ الایمان،ص:۱۹)

☆ اِس فرقہ کا ایک بدترین عقیدہ یہ بھی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاذ اللہ مر کر مٹی میں مل چکے ہیں، اسماعیل دہلوی کی اصل عبارت یہ ہے:

رسول خدا مر کر مٹی میں مل گئے۔ (تقویۃ الایمان،ص:۷۹)

☆ یہ فرقہ اللہ تعالی کے بارے میں جو غیر اسلامی عقائد وخیالات رکھتا ہے اُن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، البتہ ایک گندہ عقیدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی جھوٹ بھی بول سکتا ہے؛ کیونکہ اگر جھوٹ نہ بولے تو اُس کی قدرت گھٹ جائے گی اور بندوں کی قدرت بڑھ جائے گی، اور یہ محال ہے، اسی لیے مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے:

خدائے تعالی جھوٹ بول سکتا ہے۔ (رسالہ یکروزی،ص:۱۴۵)

☆ غیر مقلدین کو سب سے زیادہ بغض وعداوت محسنِ انسانیت، مصطفیٰ جانِ رحمت، سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اِسی لیے اِس فرقہ کی کتابوں میں جگہ جگہ ایسے خیالات ونظریات عام طور سے ملیں گے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض ایک بشر اور عام انسان ہیں۔ ذرا اِس فرقہ کا یہ گھناؤنا عقیدہ دیکھیے اور اِن کی گندی ذہنیت اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں سوقیانہ سوچ ملاحظہ کیجیے، اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے:

رسول اللہ کا خیال نماز میں لانا اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ (صراط مستقیم،ص:۹۷)

مذکورہ عقائد ومسائل محض ایک جھلک ہیں، اِس طرح کے عقائد ومسائل سے غیر مقلدین کی کتابیں بھری پڑی ہیں جن کی تفصیلات سیدی اعلی حضرت قدس سرہ اور دیگر علماءِ اہلِ سنت وجماعت کی بے شمار کتابوں سے بآسانی معلوم کی جاسکتی ہیں، فقیر نے بھی اِسی قسم کے عقائد ومسائل پر مشتمل اپنی کتاب ''مسائل ودلائل'' میں کافی چیزوں کو جمع کر دیا ہے۔

یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ بات بات پر دوسروں سے حدیثِ صحیح، وہ بھی صحاح ستہ، اور وہ بھی صحیحین بخاری ومسلم سے احادیث کا مطالبہ کرنے والے مذکورہ عقائد ومسائل کو آج تک کتاب وسنت سے ثابت نہ کر سکے، بلکہ ایسی کوئی ضعیف سے ضعیف تر روایت بھی

پیش کرنے سے قاصر ہیں جس سے ثابت ہو کہ یہ عقائد و مسائل کبھی بھی تاریخِ اسلام میں مسلمان کہلانے والی کسی قوم کے نزدیک معمول و مقبول رہے ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ یہ عقائد و نظریات اور احکام و مسائل غیر مقلدین کی جانب سے دین میں برتتے گئے بدترین غلو و تشدد اور مجرمانہ تقصیر و تفریط کا نتیجہ ہیں۔

زیرِ نظر کتاب سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ غیر مقلدین کے یہاں افراط و غلو باقی تمام مذاہب و مکاتب سے کہیں زیادہ پایا جاتا ہے، پوری مسلم دنیا کو شرک و بدعت اور کفر و ارتداد کی تاریکیوں میں ڈھکیلنے کے لیے اِس فرقہ نے ایک منظم سازش کے تحت قلم و کتاب، قتل و قتال، فتنہ و فساد، حرب و ضرب، دہشت گردی و خونریزی اور دسیسہ کاری و ریشہ دوانی کی تحریکیں چلا رکھی ہیں، جو مختلف ملکوں اور مختلف علاقوں میں نئے نئے ناموں اور بھانت بھانت کے عنوانوں سے مصروفِ عمل ہیں۔

کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے، میں اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، یہ فیصلہ تو ہمارے محترم قارئین ہی فرمائیں گے، اگر کوئی حسن و خوبی ہو تو یہ ربِّ کریم کا فضل اور اُس کے حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا صدقہ ہے، اور ہر طرح کی غلطی و کوتاہی صرف اور صرف میری کم علمی و نادانی کا نتیجہ ہے۔ میں اپنے ربِّ کریم کی بارگاہ میں ہر غلطی سے تائب ہوتا ہوں اور اپنے نفس کے شر سے اللہ تعالی کی پناہ مانگتا ہوں۔

فقیر قادری اخیر میں اپنے اُن تمام مخلصین و محبین کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے اِس کتاب کی تالیف میں میرا تعاون فرمایا، خصوصاً عزیز اسعد حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب نظامی زیدت معالیہم بانی و مہتمم گلشنِ فاطمہ نیوریا حسین پور، جنہوں نے مجھ کوتاہ حوصلہ اور کم ہمت انسان کی ہر قدم پر معاونت فرمائی اور میرے حوصلوں کو شکست و ریخت سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا، اللہ تعالی عزیز موصوف کو جزاءِ خیر عطا فرمائے۔

یہ اِس دور کا عجیب المیہ ہے کہ اسباب و وسائل کے بڑے حصے پر ایسے لوگوں کا تسلط ہے جن کے پاس کرنے کے لیے عیش و عشرت، آرام و راحت، ریاء و تفاخر اور بنامِ دین مکر و فریب کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، میں تو کچھ بھی نہیں، جماعتِ اہلِ سنت کے وہ مقتدر علماء و

مشائخ جن کے علمی و دینی کارناموں کا دائرہ بے پناہ وسیع اور سراپا فیض و برکت ہے اور جن کی گراں قدر و بیش بہا خدمات دین کے فروغ کے ساتھ ساتھ ملک و ملت کی فلاح اور آدمیت و انسانیت کی تعمیر میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں اُن کے جلیل القدر کارناموں اور مآثر و مفاخر کو عوام و خواص کے سامنے لانے کے لیے جس طرح کام ہونا چاہیے تھا بالعموم اسباب و وسائل کی کمی کی وجہ سے ویسا کام نہیں ہوسکا، اور وہ لوگ جو باطنی طور پر دین کے لیے زہرِ ہلاہل ہیں اور در پردہ ملک دشمن سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اُن کے عشرت کدے خوب چمک رہے ہیں اور اُن کی ریشہ دوانیوں کا کاروبار بھی خوب پھل پھول رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اصحابِ ثروت کو عقلِ سلیم عطا فرمائے۔

فقیر کے پاس اشاعتی کاموں کے لیے اسباب و وسائل ہیں اور نہ اصحابِ ثروت و دینی حمیّت رکھنے والے مخیّرینِ اہلِ سنت تک رسائی ہے، بلکہ اِس سج دھج بھری دنیا میں جہاں عموماً کام کی قدر چمک دمک کے ساتھ ہوتی ہے فقیر کے پاس دکھانے یا بتانے کو اِس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آج اہلِ سنت و جماعت کے عقائد و معمولات اور امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے پاکیزہ افکار و نظریات پر جس طرح اوچھے اور رکیک حملے کیے جارہے ہیں اُس کی جہاں دیگر وجوہات ہیں وہاں ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اخلاص و رضاءِ الٰہی کے لیے خالص علمی و تحقیقی بنیادوں پر کام کی کافی حد تک کمی پائی جاتی ہے، کوئی اپنے نام و منصب کے لیے کام کرنے کو ترجیح دیتا ہے، کوئی اپنے ادارے اور تحریک کو شہرت دینے کے لیے تقریر و تحریر میں دلچسپی لیتا ہے، کسی کو اپنی ذات کی فکر ہے اور کسی کو اپنے مضبوط معاش کی خواہش ہے، ہم کسی فرد یا جماعت کا نام تو نہیں لے سکتے کہ شرعاً ہمیں اِس کا حق حاصل نہیں، لہٰذا ہمیں بدگمانی کا الزام نہ دیا جائے، البتہ آثار و قرائن اور احوال و انداز سے جو بات ظاہر ہے اُس کا ایک دم انکار کرنا بھی کوئی آسان بات نہیں ہے۔ خواہشات کے ہجوم میں فقیر قادری کی بھی ایک خواہش ہے کہ اے کاش چند بیدار مغز فرزندانِ اسلام اور شیدائیانِ امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کا ساتھ نصیب ہوجائے تاکہ بدمذہبوں اور گمراہوں کو ایک بار پھر قلمِ رضا کی خاراشگافی دکھا کر اپنی کمین گاہوں میں واپس جانے پر مجبور کیا جاسکے۔

فقیر چونکہ جو کچھ تحریری و تصنیفی کام کرتا ہے وہ انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں کرتا ہے، اِس لیے طباعت واشاعت میں وہ حسن وکشش اور دلکشی ودیدہ زیبی نہیں ہوسکتی جو بڑوں کے کاموں میں ہوتی ہے، اپنا حال تو یہ ہے کہ جو کچھ لکھتا ہوں اُس کی تصحیح اور پروف ریڈنگ کے لیے بھی علماءِ کرام اور طلباءِ مدارسِ اسلامیہ کی خدمت کرنے کی اپنے اندر سکت نہیں پاتا ہوں، مجبوراً تصحیح وغیرہ کا کام بھی خود ہی کرنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے اور بہت سے تحریری کام متاثر ہوتے ہیں، البتہ میرے نورِ نظر عزیزم مولوی محمد رضوان دانش قادری سلمہ اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً مسودات کو دیکھ لیتے ہیں اور جہاں تک ہو پاتا ہے کتابت واملاء کی اغلاط کی تصحیح کردیتے ہیں، لیکن فقیر جس معیار کی تصحیح چاہتا ہے اُس کا حق تو پھر بھی ادا نہیں ہو پاتا، **ولعل اللّٰہ تعالی یوفق من عبادہ من یشاء لذلک وماذلک علیہ سبحانہ وتعالی بعزیز۔ وأستغفر اللّٰہ تعالی من کل ذنب و أتوب الیہ، وصلی اللّٰہ تعالی وسلّم علی النبی الأمی وآلہ وصحبہ وحزبہ وبارک وسلم علیہ وعلی کل من ھو محبوب و مرضی لدیہ۔ وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العالمین۔**

العبد الفقیر الی ربہ القدیر

ابوالحسّان محمد اشتیاق القادری

جوکھن پور، بریلی شریف

۱۱/ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی أفضل الأنبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین۔أمابعد:

دین میں افراط وغلو

افراط اورغلو کا لغوی معنی حدِّ اعتدال سے تجاوز کرنا ہے۔یعنی کسی چیز کواس کے منصب و مرتبہ سے بڑھا دینا اوراس کی متعیّنہ مقدار وقائم کردہ حد سے باہر کردینا غلو کہلاتا ہے۔مثلاً سلطان کے محل کی تعریف کرتے کرتے اس کو''بیت المقدس''قراردے دینا،علمِ دین سے بے گانہ شخص کی فلسفیانہ موشگافیوں کو دیکھ کر اسے''غزالی دوراں'' کا لقب دے ڈالنا اور کسی عام انصاف پسند شخص کو''فاروقِ اعظم'' کہہ کر بلانا وغیرہ افراط وغلو کے دائرہ میں آتا ہے۔

افراط وغلو کے لغوی معنی میں اگر حدِّ شرعی سے تجاوز کی قید کا لحاظ کرلیا جائے تو یہی اِس لفظ کا اصطلاحی معنی بھی ہے۔

امام ابومحمد عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی رحمہ اللہ تعالی حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

الغلو: فراق الحق۔

(التفسیر لابن أبی حاتم الرازی ۴/۱۱۲۲،الرقم: ۶۳۰۴، المکتبۃ العصریۃ، صیدا)

حق چھوڑ دینے کا نام غلو ہے۔

علامہ زین الدین محمد عبدالرؤوف مناوی رحمہ اللہ تعالی (م ۱۰۳۱ھ) لکھتے ہیں:

(إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ) عام فی جمیع أنواع الغلو فی الاعتقادات والأعمال۔والغلو مجاوزۃ الحد بأن یزاد فی مدح الشئ أو ذمّہ علی ما یستحق ونحو ذلک۔والنصاری أکثر غلوّا فی الاعتقاد والعمل من سائر الطوائف۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۳/۱۶۲، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

حدیث شریف (تم دین میں غلو سے بچو) عقائد واعمال دونوں میں ہرقسم کے غلو کو

شامل ہے۔غلو حد سے تجاوز کرنے کا نام ہے، جیسے کسی کی تعریف یا مذمّت میں قرار واقعی حد سے آگے بڑھ جانا غلو ہے۔عقائد و اعمال میں سب سے زیادہ غلو نصاری کرتے ہیں۔

اسلام کا پورا نظام اعتدال و میانہ روی کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے، افراط وتفریط، تشدد و غلو اور تکلف و تصنع کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔عقائد و نظریات، عبادات و معمولات، اخلاق و عادات اور تعلقات و معاملات کے ہر شعبہ میں انتہا پسندی، زیادتی، بے اعتدالی اور حد سے تجاوز کرنے کو معیوب و ممنوع قرار دیا گیا ہے۔زندگی و بندگی کا جو شعبہ افراط وتفریط اور تشدد و غلو کا شکار ہوتا ہے اس کی حقیقت و ہیئت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے اور اُس کی صورت و حالت، شکل و شناخت، کمیّت و کیفیت اور روح و اصل میں ایسی عجیب و غریب تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں کہ اسم و رسم کے سوا سب کچھ رخصت ہو چکا ہوتا ہے، ظاہر میں نظر آنے والا خوبصورت و پرکشش عنوان اپنے ہزار بانکپن و طرح داری کے باوجود جس پس منظر کی ترجمانی کرتا ہے وہ انتہائی پیچیدہ اور دقت طلب بن جاتا ہے، جہاں محاسن و معائب اور خیر و شر میں امتیاز دشوار ہو جاتا ہے اور افراط و غلو سے نا آشنا انسان کے لیے تو صورتِ حال مزید سنگین ہو جاتی ہے اور اُس کے سامنے مسائل کا پہاڑ کھڑا ہو جاتا ہے۔

افراط و غلو کا سب سے خطرناک و منفی اثر عقائد و نظریات میں دیکھنے کو ملتا ہے، جہاں اُس کے نتیجہ میں انسان کبھی تثلیث کی تاریکی میں گم ہو جاتا ہے، کبھی حلول و اتحاد کے دلدل میں پھنس جاتا ہے، کبھی رفض و خروج کی آلودگیوں میں جا پھنستا ہے، کبھی الحاد و زندیقیت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی بدعات و منکرات کی وادیوں میں بھٹکنے لگتا ہے، بلکہ انسانی اور اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ ہر بداعتقادی، فکری کج روی اور نظریاتی بے رہروی کے پسِ پردہ جہاں دیگر عوامل و محرکات رہے ہیں وہاں تشدد و غلو نمایاں سبب رہا ہے، اسی لیئے قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں افراط و تعدّی اور غلو و انتہا پسندی سے اجتناب و گریز کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور ہر کام میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرنے پر بار بار زور دیا گیا ہے۔

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ دین میں جس طرح افراط و غلو، تعدّی و تشدّد، تکلّف و تصنّع اور تعمّق و تنطّع (گہرائی میں جانا اور بال

کی کھال نکالنا) ممنوع وناجائز ہے اسی طرح تفریط وتقصیر، کسی چیز کو اس کی حد اور حیثیت سے گرادینا، اس کا مقام ومرتبہ گھٹادینا اور اس میں ایسی کمی اور کوتاہی کرنا جس سے اس کی توہین وتذلیل لازم آتی ہو، غلط اور شرعی تقاضوں کے خلاف ہے، انجام ومآل کے اعتبار سے دونوں پہلو اسلامی تعلیمات کے منافی اور کتاب وسنت کے معتدل ومتوسط اور مستقیم ومتوازن منہج سے متصادم ہیں۔

غلو کے سلسلہ میں قرآنی تعلیمات

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۔ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ } (سورۃ المائدۃ، آیات:۸۷، ۸۸)

اے ایمان والو! اللہ تعالی نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لیئے حلال کی ہیں ان کو حرام مت قرار دو، اور حد سے آگے مت بڑھو، بے اللہ تعالی حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اور اللہ تعالی کی عطا کردہ حلال پاکیزہ روزی میں سے کھاؤ اور اللہ تعالی سے ڈرو جس پر تمہارا ایمان ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں:

أن رجلا أتى النبى صلى الله عليه وآله وسلم فقال: يا رسول الله! إنى إذا أصبت اللحم انتشرت للنساء وأخذتنى شهوتى فحرّمت علىّ اللحم، فأنزل الله: {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۔ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا }.

(جامع الترمذی ۵/ ۲۵۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔
والمعجم الکبیر للطبرانی ۱۰/ ۴۴، رقم الحدیث: ۱۱۸۱۲، دار الحرمین، القاهرة۔
وجامع البیان لابن جریر الطبری ۸/ ۶۱۳، رقم الحدیث: ۱۲۴۰۳، دار هجر، مصر۔ و

التفسیر لابن أبی حاتم الرازی ۱۱۸۶/۴، رقم الحدیث: ۶۶۸۷)

ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ! میں جب گوشت کھاتا ہوں تو نفسانی شہوت کا غلبہ ہوجاتا ہے؛ لہذا میں نے اپنے اوپر گوشت حرام کرلیا ہے، جس پر یہ آیات نازل ہوئیں: (اے ایمان والو! اللہ تعالی نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لیئے حلال کی ہیں ان کو حرام مت قراردو، اورحد سے آگے مت بڑھو، بے شک اللہ تعالی حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اور (اور اللہ تعالی کی عطاکردہ حلال پاکیزہ روزی میں سے کھاؤ)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

جاء ثلاثة رهط إلى بيوت أزواج النبى صلى الله عليه وآله وسلم يسألون عن عبادة النبى صلى الله عليه وآله وسلم، فلما أُخبِروا كأنهم تَقالّوها، فقالوا: وأين نحن من النبى صلى الله عليه وآله وسلم، قد غُفِر له ماتقدم من ذنبه وماتأخر، قال أحدهم: أما أنا فإنى أصلى الليل أبدا۔ وقال آخر: أنا أصوم الدهر ولا أفطر۔ وقال آخر: أنا أعتزل النساء فلا أتزوج أبدا۔ فجاء رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال: أنتم الذين قلتم كذا وكذا، أَمَا والله إنى لأخشاكم لله، وأتقاكم له، لكنى أصوم، وأفطر، وأصلى، وأرقُد، وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتى فليس منّى۔

(صحيح البخارى ۳/ ۳۵۴، رقم الحديث: ۵۰۶۳، دار الشعب القاهرة۔ و صحيح مسلم ۱۲۹/۴، رقم الحديث: ۳۴۶۹، دار الجيل، بيروت۔ و السنن للنسائى ۶ / ۶۰، رقم الحديث: ۳۲۱۷، المطبوعات الاسلامية، بيروت)

تین حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے گھر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کے بارے میں معلوم کیا، جب انھیں بتایا گیا تو گویا انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کو کم سمجھا اور کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہماری کیا حیثیت، انہیں اگلے پچھلے معاملات پر مغفرت وبخشش کی ضمانت فراہم کردی گئی ہے، ان میں سے ایک صاحب نے کہا: میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا، ایک نے کہا: میں ہمیشہ بلاناغہ روزے رکھا

کروں گا اور ایک نے کہا: میں عورتوں سے دور رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ اُس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا ہے، سنو! اللہ کی قسم میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ تعالی سے ڈرنے والا اور اس کا تقوی اختیار کرنے والا ہوں، اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور نیند بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔

یہ تین صحابۂ کرام کون تھے اِن کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

هم بن مسعود وأبو هريرة وعثمان بن مظعون ، وسيأتى مفرقا ما يشير إلى ذلك۔ وقيل هم سعد بن أبى وقاص وعثمان بن مظعون وعلى بن أبى طالب وفى مصنف عبد الرزاق من طريق سعيد بن المسيب أن منهم عليا وعبد الله بن عمرو بن العاصى۔ (هدى السارى ١/٣٢٠، دار المعرفة، بيروت)

یہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالی عنہم تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالی عنہم تھے۔ مصنف عبدالرزاق میں حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالی عنہ کے طریق سے مرسلاً مروی ہے کہ ان تین حضرات میں حضرت عثمان بن مظعون کے علاوہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصی رضی اللہ تعالی عنہم تھے۔

اس آیت کے نزول کے بارے میں امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قال المفسرون: جلس رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يوما فذكّر الناس، ووصف القيامة ، ولم يزدهم على التخويف، فرقّ الناس وبكوا، فاجتمع عشرة من الصحابة فى بيت عثمان بن مظعون الجمحى، وهم أبو بكر الصديق، وعلى بن أبى طالب، وعبد الله ابن مسعود، وعبد الله بن عمر، وأبو ذر الغفارى، وسالم مولى أبى

حذيفة، والمقداد بن الاسود، وسلمان الفارسی، ومعقل بن مضر، واتفقوا علی أن يصوموا النهار، ويقوموا الليل، ولا يناموا علی الفرش، ولا يأكلوا اللحم ولا الودک ويترهّبوا، ويجبوا المذاكير، فبلغ ذلک رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم، فجمعهم فقال: ألم أنبأ أنكم اتفقتم علی كذا وكذا؟ فقالوا: بلی يا رسول الله، وما أردنا إلا الخير، فقال: إنی لم أومر بذلک إن لأنفسكم عليكم حقا، فصوموا وأفطروا، وقوموا وناموا، فإنی أقوم وأنام، وأصوم وأفطر، وآكل اللحم والدسم، ومن رغب عن سنتی فليس منی، ثم خرج إلی الناس وخطبهم فقال: ما بال أقوام حرّموا النساء، والطعام، والطيب، والنوم، وشهوات الدنيا، أما إنی لست آمركم أن تكونوا قسّيسين ولا رهبانا، فإنه ليس فی دينی ترک اللحم والنساء ولا اتخاذ الصوامع، وإن سياحة أمتی الصوم، ورهبانيّتها الجهاد، واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا، وحجّوا واعتمروا، وأقيموا الصلاة، وآتوا الزكاة، وصوموا رمضان، فإنما هلک من كان قبلكم بالتشديد، شدّدوا علی أنفسهم فشدّد الله عليهم، فأولئک بقاياهم فی الديارات والصوامع، فأنزل الله تعالی هذه الآية۔ (أسباب النزول، ص: ۱۵۳، عالم الكتب، بيروت)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن مجلس فرمائی اور لوگوں کو وعظ فرمایا، قیامت کے حالات بیان فرمائے اور ان کو آخرت کا خوف دلایا۔ لوگ آب دیدہ ہو گئے اور رونے لگے، اس کے بعد دس صحابۂ کرام حضرت عثمان بن مظعون جمحی رضی اللہ تعالی عنہ کے گھر جمع ہوئے، جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی مرتضی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوذر غفاری، حضرت سالم مولی ابوحذیفہ، حضرت مقداد بن اسود، حضرت سلمان فارسی اور حضرت معقل بن مضر رضی اللہ تعالی عنہم شامل تھے، اِن حضرات نے دن کو روزہ رکھنے، رات کو قیام کرنے، بستروں پر نہ سونے، گوشت اور چربی نہ کھانے، رہبانیت اختیار کرنے اور آلۂ شہوت ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے سب کو جمع کر کے فرمایا: کیا یہ خبر صحیح ہے کہ آپ

حضرات نے فلاں فلاں فیصلہ کیا ہے؟ سب نے عرض کیا جی یارسول اللہ! اِس سے ہمارا مقصد نیکی ہی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے اِس بات کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تمہارے نفسوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے، لہذا روزہ بھی رکھو اور ناغہ بھی کرو، رات کو قیام بھی کرو اور آرام بھی کرو، کیونکہ میں قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور گوشت اور چربی بھی کھاتا ہوں، اور جو میری سیرت وسنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں۔ اُس کے بعد باہر تشریف لاکر آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے کہ اُنہوں نے عورتوں، غذاؤں، پاکیزہ چیزوں، نینداور دنیا کی (جائز) خواہشات کو (خود پر) حرام کرلیا ہے، سنو! میں تمہیں پادری اور راہب بننے کا حکم نہیں دیتا، کیونکہ میرے دین میں نہ گوشت اور عورتوں کو چھوڑنے کا حکم ہے اور نہ راہبوں کی طرح خانقاہیں بنانے کا، بے شک میری امت کی سیاحت روزہ اور رہبانیت جہاد ہے، اللہ کی عبادت کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، حج وعمرہ کرو، نماز قائم کرو، زکوۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو، تم سے پہلے کے لوگ خود پر تشدّد کی وجہ سے ہلاک ہوئے، جب اُنہوں نے خود پر سختیاں کیں تو اللہ تعالی نے بھی اُن پر سختی فرمائی، یہ کٹیوں اور خانقاہوں میں اُنہیں سختی کرنے والوں کے باقیات وآثار پائے جاتے ہیں۔ اِس پر اللہ تعالی نے اِس آیت کو نازل فرمایا۔

آیتِ کریمہ کا مفہوم بالکل واضح ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالی نے حلال وطیّب فرمادیا اُس کو حرام قرار دینے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اگر کوئی حلال و پاکیزہ چیز کسی وجہ سے آپ کے لیئے مضر اور نقصان دہ ہے اور آپ اس کے نقصانات سے پریشان ہیں تو اُس کا استعمال ترک کردیجیے، شریعت نے آخر کب اِس بات کا پابند بنایا ہے کہ آپ کو بہر حال اپنے دسترخوان کی شان دوبالا کرنے کے لیئے کباب وقورمہ اور بریانی ومرغ مسلّم کا انتظام کرنا ہی ہوگا اور بہر صورت اُن کو لقمۂ تر بنانا ہی ہوگا، خواہ اُس کی وجہ سے آپ کی حالت جو بھی بنے۔ اسلام نے حلال وطیب کی شرط کے ساتھ اپنی پسند و ناپسند کے ماکولات ومشروبات کا انتخاب کرنے کی ہر شخص کو کھلی چھوٹ اور آزادی عطا فرمائی ہے، لیکن یہ اختیار کسی کو بالکل

نہیں دیا ہے کہ اپنی کسی مجبوری و پریشانی کی وجہ سے اللہ تعالی کی حلال کردہ چیز کو اپنے اوپر حرام کرلے، اگر کوئی شخص ایسا کرتا ہے تو یہ حد سے تجاوز اور دین میں غلو ہے جسے اللہ تعالی ہرگز پسند نہیں فرماتا ہے اور ایسا شخص سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سیرت سے منحرف اور پاکیزہ طریقہ کا مخالف ہے، خواہ وہ اپنے اِس عمل اور روش کو کوئی بھی خوبصورت نام دے، لیکن جب یہ طریقہ کتاب وسنت کی تعلیمات کے خلاف ہے تو اُس میں بھلائی اور خیر کا کوئی پہلو ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ وہ سرتاسر گمراہی و ہلاکت کا راستہ ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ تعالی (م ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

وهذا بيان من الله تعالى، ذكره للذين حرموا على أنفسهم النساء، والنوم، واللحم، من أصحاب النبي صلى الله عليه وآله وسلم تشبها منهم بالقسيسين والرهبان، فأنزل الله فيهم على نبيه صلى الله عليه وآله وسلم كتابه ينها هم عن ذلك ، فقال: { يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ } فنهاهم بذلك عن تحريم ما أحل الله لهم من الطيبات ـ ثم قال: ولا تعتدوا أيضا فى حدودى، فتُحلّوا ما حرّمتُ عليكم؛ فإن ذلك لكم غير جائز كما غير جائز لكم تحريم ما حلّلت، وإنى لا أحب المعتدين.(جامع البيان ۸/۶۵۵)

وہ صحابہ جنہوں نے پادریوں اور راہبوں سے مشابہت کی وجہ سے خود پر شادی، نینداور گوشت کو حرام کرلیا تھا، اللہ تعالی نے اُن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی: (اے ایمان والو! اللہ تعالی نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لیئے حلال کی ہیں ان کو حرام مت قراردو)، لہذا آپ نے اُنہیں اللہ تعالی کی حلال کردہ پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دینے سے روک دیا، پھر ارشاد فرمایا: میری حدود سے بھی تجاوز مت کرو کہ میں نے جسے حرام کیا ہے اس کو حلال قرار دینے لگو؛ کیونکہ یہ اُسی طرح ناجائز ہے جیسے میری حلال کی ہوئی چیز کو حرام کرنا ناجائز ہے، اور میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہوں۔

قارئینِ کرام! صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے خود کو دین و اشاعتِ دین کے لیے وقف کردیا تھا، جب اِن پیکرِ اخلاص نفوسِ قدسیہ کو غلو سے روک دیا گیا تو کوئی اور کیا؟

فقیری و درویشی کے نام پر دین میں غلو

فقر و درویشی اور ریاضت و مجاہدے کے نام پر بھی دین میں غلو کی بے شمار صورتیں داخل کردی گئی ہیں اور المیہ یہ ہے کہ بہت سے نادان اُن کو ولایت و معرفت کی اہم منزل شمار کرتے ہیں اور اُن علماءِ کرام کو طعن و تشنیع اور لعنت و ملامت کا ہدف بناتے ہیں جو جھوٹی ولایت اور مصنوعی درویشی کا سکہ جمانے اور چلانے کے لیے تجرد و رہبانیت کی گھڑی ہوئی نت نئی صورتوں کا ردو انکار فرماتے ہیں۔

امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ تعالی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

قال علماؤنا رحمة الله تعالى عليهم: في هذه الآية وما شابهها، والأحاديث الواردة في معناها رد على غلاة المتزهّدين، وعلى أهل البطالة من المتصوفين؛ إذ كل فريق منهم قد عدل عن طريقه، وحاد عن تحقيقه؛ قال الطبري: لا يجوز لأحد من المسلمين تحريم شيء مما أحل الله لعباده المؤمنين على نفسه من طيبات المطاعم والملابس والمناكح إذا خاف على نفسه بإحلال ذلك بها بعض العنت والمشقة؛ ولذلك ردّ النبي ﷺ التبتل على ابن مظعون، فثبت أنه لا فضل في ترك شيء مما أحلّه الله لعباده، وأن الفضل والبرّ إنما هو في فعل ما ندب عباده إليه، وعمل به رسول الله ﷺ، وسنّه لأمته، واتبعه على منهاجه الأئمّة الراشدون، إذ كان خير الهدى هدى نبيّنا محمّد ﷺ، فإذا كان كذلك تبيّن خطأ من آثر لباس الشعر والصوف على لباس القطن والكتان إذا قدر على لباس ذلك من حلّه، وآثر أكل الخشن من الطعام وترك اللحم وغيره حذرا من عارض الحاجة إلى النساء۔ قال الطبري: فإن ظن ظان أن الخير في غير الذي قلنا؛ لما في لباس الخشن وأكله من المشقة على النفس وصرف ما فضل بينهما من القيمة إلى أهل الحاجة فقد ظن خطأ؛ وذلك أن الأولى بالإنسان صلاح نفسه وعونه لها على طاعة ربها، ولا شيء أضر للجسم من المطاعم

الرديئة لأنها مفسدة لعقله ومضعفة لأدواته التي جعلها الله سببا إلى طاعته۔

وقد جاء رجل إلى الحسن البصری، فقال: إن لی جارا لا يأكل الفالوذج، فقال: ولم؟ قال: يقول: لا يؤدّی شكره، فقال الحسن: أفيشرب الماء البارد؟ فقال: نعم، فقال: إن جارک جاهل، فإن نعمة الله عليه فی الماء البارد أكثر من نعمته عليه فی الفالوذج۔

قال ابن العربی: قال علماؤنا: هذا إذا كان الدين قواما، ولم يكن المال حراما، فأما إذا فسد الدين عند الناس وعم الحرام فالتبتل أفضل، وترک اللذات أولی، وإذا وجد الحلال فحال النبی صلی الله علیه وآله وسلم افضل وأعلی۔

قال المهلب: إنما نهی صلی الله علیه وآله وسلم عن التبتل والترهب من أجل أنه مكاثر بأمته الأمم يوم القيامة، وأنه فی الدنيا مقاتل بهم طوائف الكفار، وفی آخر الزمان يقاتلون الدجال، فأراد النبی صلی الله علیه وآله وسلم أن يكثر النسل۔

(الجامع لأحكام القرآن ٦/٢٦٢، دار عالم الکتب، الرياض)

ہمارے علماءِ کرام رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں: اس قسم کی آیات اور ان کی ہم معنی احادیث میں غلو پسند زاہدوں اور ناکارہ متصوفہ کا رد ہے؛ اس لیئے کہ یہ دونوں فریق راہِ راست سے الگ اور اس کی تحقیق سے منحرف ہیں۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنی ذاتی تکلیف اور نجی پریشانی کے اندیشہ سے خود پر ان پاکیزہ ماکولات، عمدہ ملبوسات اور بہتر رشتوں کو حرام کرلے جنہیں اللہ تعالی نے مسلمانوں کے لیئے حلال فرمایا ہے؛ کیونکہ اِسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن مظعون کی رہبانیت کو مردود قرار دیا تھا، اِس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیئے جن چیزوں کو حلال فرمایا ہے اُن کے ترک کرنے میں کوئی فضیلت و بھلائی نہیں ہے، بلکہ فضیلت و نیکی اُس کام میں ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیئے مندوب فرمایا، جس پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل فرما کر اپنی امت کے لیئے سنت قرار دیا اور جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ائمۂ راشدین نے اختیار فرمایا ہے، اس لیئے کہ

سب سے بہتر سیرت ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ جو لوگ جائز طور پر کاٹن اور سوت کا لباس پہن سکتے ہیں ان کا بال اور اون کا لباس پہننا (جب کہ بال اور اون کا لباس گھٹیا اور حقیر سمجھا تا ہو) اور عورتوں کی قربت سے بچنے کے لیئے بدمزہ کھانے کو ترجیح دینا اور گوشت کھانا ترک کردینا غلط ہے۔ امام طبری فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ بھلائی کا راستہ معمولی غذا اور بے قدر و قیمت لباس میں ہے؛ کیونکہ اِس سے نفس کو مشقت بھی ہوگی اور اور لباس و غذا سے جو رقم بچے گی وہ ضرورت مندوں پر خرچ بھی کی جاسکے گی، تو اُس کی یہ سوچ غلط ہے؛ کیونکہ انسان کے لیئے افضل یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عبادت کے لیے خود کی دیکھ بھال کرے اور اِس کے لیے اپنی ذات کو مدد بہم پہنچائے، اِس لیے کہ جسم کے لیئے خراب غذا سب سے زیادہ مضر ہے، اِس سے عقل میں فساد اور اعضاء میں کمزوری پیدا ہوتی ہے، جب کہ اللہ تعالی نے اِنہیں چیزوں کو اپنی طاعت وقربت کا سبب و ذریعہ بنایا ہے۔

ایک شخص نے امام حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہ کی خدمت میں آکر بیان کیا کہ میرا پڑوسی فالودہ نہیں کھاتا ہے، آپ نے فرمایا: کیوں؟ اُس نے کہا کہ اُس کا خیال ہے کہ وہ اُس کا شکر ادا نہیں کرسکے گا، آپ نے فرمایا: کیا وہ ٹھنڈا پانی پیتا ہے؟ اُس نے کہا: جی ہاں پیتا ہے، امام حسن بصری نے فرمایا: تمہارا پڑوسی جاہل ہے؛ کیونکہ ٹھنڈے پانی کی نعمت فالودہ کی نعمت سے کہیں زیادہ اور اہم ہے۔

قاضی ابوبکر ابن عربی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں کہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ کشادگی و فراخی کے ساتھ زندگی گذارنا اُسی وقت بہتر ہے جب کہ دین مضبوط اور مال حلال ہو، لیکن اگر لوگوں کے دینی حالات میں بگاڑ پیدا ہوچکا ہو اور حرام کمائی عام ہوچکی ہو تو عبادت کے لیئے یکسوئی اور لذتوں سے کنارہ کشی ہی افضل ہے، اور حلال روزی میسر آجائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک طریقہ کی اتباع اعلی و اولی ہے۔

حضرت مہلّب رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رہبانیت و گوشہ نشینی سے منع فرمایا ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ نسل کی کثرت ہوتا کہ وہ دنیا

میں کفاراور آخری زمانہ میں دجال سے جہاد کے لیئے ذریعہ بن سکیں اور قیامت کے دن دوسری امتوں کے مقابلہ اپنی امت کی کثرت سے خوش ہوں۔

بہرحال اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ عبادت وتقوی اور زہدوورع وغیرہ کے نام پر اللہ تعالی کی حلال کردہ کسی بھی چیز کو اپنے اوپر حرام کرلینا دین میں غلواور اللہ تعالی کی قائم کردہ حد سے تجاوز ہے، جومعصیت وسخت گناہ ہے، چاہے اُس کا تعلق ماکولات ومشروبات سے ہو، یاملبوسات ومرغوبات سے، یادوسری جائزتمناؤں اورخواہشات سے۔

اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں ایسے لوگوں کوظالم فرمایا ہے جواُس کی قائم کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں، ارشادفرماتا ہے:

{تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ} (سورة البقرة، آية: ۲۲۹)

یہ اللہ تعالی کی حدود ہیں تو اِن سے آگے نہ بڑھو، اور جو اللہ تعالی کی حدود سے آگے بڑھے تو وہی ظالم ہیں۔

اللہ تعالی اپنی قائم کردہ تمام حدود سے باہر نکل جانے والوں کودائمی جہنم اور رسوا کن عذاب کی وعید سناتے ہوئے ارشادفرماتا ہے:

{وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَه يُدْخِلْهُ نَارًا خٰلِدًا فِيْهَا وَلَه عَذَابٌ مُّهِيْنٌ} (سورة النساء، آية: ۱۴)

اور جو اللہ تعالی اوراس کے رسول کی نافرمانی کرے گااوراُس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ تعالی اس کوجہنم میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اوراُس کے لیئے ذلت کا عذاب ہے۔

یہود ونصاریٰ کا دین میں غلو

انسان کے اندر یہ ایک عام کمزوری پائی جاتی ہے کہ جن چیزوں کے ساتھ اُس کا تعلق محض عقلی ہی نہیں، بلکہ جذباتی بھی ہوتا ہے، اُن کے معاملے میں وہ بسا اوقات غیرمتوازن

اور غیر معتدل ہو جاتا ہے۔ آدمی اپنی بیوی بچوں سے محبت کرتا ہے تو صرف محبت ہی نہیں کرتا، بلکہ بسا اوقات اُس محبت میں وہ ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ عداوت بھی کرنے لگتا ہے، یہاں تک کہ اُس اندھے پن میں اُس کو اللہ تعالی کے حقوق کا بھی کچھ ہوش نہیں رہ جاتا۔ اگر اُسے اپنے قبیلہ یا قوم یا ملک سے محبت ہے تو اُن کی عصبیت اُس پر بسا اوقات اتنی غالب آ جاتی ہے کہ وہ اُن کے لیے پوری انسانیت کا دشمن بن جاتا ہے۔ حد یہ ہے کہ اُن کی حمایت میں خود اللہ تعالی سے بھی لڑنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ یہی چیز مذہب کے دائرہ میں آ کر اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ مذہب کے ساتھ اولاً تو عام لوگوں کا تعلق، عقلی کم اور جذباتی زیادہ ہوتا ہے، اور اگر عقلی ہوتا بھی ہے تو بھی اِس معاملے میں انسان کے جذبات اتنے شدید ہوتے ہیں کہ عقل کے لیے اُن کو ضبط میں رکھنا آسان کام نہیں ہوتا، یہ جام وسنداں کی بازی کھیلنا ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہے۔ چنانچہ اِس دائرہ کے اندر ایسا بہت ہوتا ہے کہ آدمی کو جس حد پر آ کر رک جانا چاہیے وہاں آ کر وہ اپنی نادانی کی وجہ سے نہیں رکتا، بلکہ اُس حد کو لانگ کر آگے نکل جانا چاہتا ہے۔ اگر ایک شخص اُس کا مرشد ہے تو وہ اُس کو مرشد ہی کے درجہ پر نہیں رکھے گا، بلکہ شریعت سے غفلت اور علمِ دین سے جہالت کے سبب اُس کی خواہش یہ ہوگی کہ وہ کسی طرح اُس کو رسالت کے مرتبہ پر فائز کر دے۔ اِسی طرح جس ذات کو اللہ تعالی نے رسالت ونبوت کے عظیم منصب وشرف سے سرفراز فرمایا ہے تو شیطان کی کوشش ہوگی کہ یہ اپنے جوشِ عقیدت میں اُس ذاتِ عالی کو اللہ تعالی کی صفات میں بھی کچھ نہ کچھ شریک کر دے، یا دعویٰ توحید رکھنے والے اور خود کو کامل مسلمان سمجھنے والے کی خواہش ہوگی کہ اِس عظیم منصب کو خاطر میں نہ لا کر نبوت ورسالت کی حامل مقدس ومحترم شخصیات کو عام انسان کی صف میں لا کر کھڑا کر دے اور اُن کے کمالات و اعزازات، امتیازات وخصوصیات اور فضائل ومکارم کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے میں شب و روز لگا رہے اور اِس کے لیے سب کچھ کر گذرے۔

اگر اُس سے کسی کام کا مطالبہ پاؤ سیر کیا گیا ہے تو وہ چاہے گا کہ اُس کو بڑھا کر سیر بھر کر دے۔ اِس غلو پسندی نے دین میں بدعاتِ سیئہ اور محدثاتِ شنیعہ کی بنیاد ڈالی اور اِسی کے

سبب سے یہود ونصاریٰ نے اپنے راہبوں اور عالموں کو "أرباباً من دون الله" (اللہ کے علاوہ پالنہار و پروردگار) کا درجہ دیا۔

عقائد ونظریات اور افعال واعمال میں جن اقوام نے سب سے زیادہ افراط وتفریط اورغلو وتقصیر کی ہے وہ یہود ونصاری ہیں، اللہ تعالی نصاری کے غلو کو یوں بیان فرماتا ہے:

{يَآأَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُه أَلْقٰهَآ إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ إِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وّٰحِدٌ سُبْحٰنَهٗ أَنْ يَّكُوْنَ لَه وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰه وَكِيْلًا} (سورة النساء، آية: ١٧١)

اے اہلِ کتاب (نصاری) اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گذرجاؤ اور اللہ تعالی پر حق کے سوا کچھ نہ کہو، مسیح عیسی بن مریم تو صرف اللہ تعالی کے رسول اور اس کا کلمہ ہیں جسے مریم تک پہنچایا اور اُس کے پاس کی روح ہیں، تو ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسولوں پر اور تین نہ کہو، اِس سے باز رہو کہ تمہارے لیئے بہتری ہے، اللہ تو ایک ہی معبود ہے، وہ اِس سے پاک ہے کہ اُس کی اولاد ہو، اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا۔

جمہور مفسرینِ کرام کے نزدیک یہ آیت نصاری کے حق میں نازل ہوئی ہے، تاہم ایک روایت یہ بھی ہے کہ اِس آیت میں یہود ونصاری دونوں کے غلو کو بیان فرمایا گیا ہے، جیسا کہ امام ابوبکر احمد بن علی جصاص رازی حنفی رحمہ اللہ تعالی (م ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

قوله تعالى {يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ} روى عن الحسن أنه خطاب لليهود والنصارى؛ لأن النصارى غلت في المسيح، فجاوزوا به منزلة الأنبياء حتى اتخذوه إلها، واليهود غلت فيه فجعلوه لغير رشدة، فغلا الفريقان جميعا في أمره، والغلو في الدين: هو مجاوزة حد الحق فيه۔

وروى عن ابن عباس أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم سأله أن يناوله حصياتٍ لرمي الجمار،

قال فناو لته إياها مثل حصا الخذف، فجعل يقلبهن بيده ويقول بمثلهن بمثلهن، إياكم والغلو فی الدين فإنما هلک من قبلکم بالغلو فی دينهم۔ ولذلک قيل: دين اللّٰہ بين المقصِّر والغالی۔

(أحکام القرآن ۳/۲۸۱، ۲۸۲، دار احياء التراث العربی، بيروت)

امام حسن سے مروی ہے کہ اِس آیت میں یہود ونصاری دونوں سے خطاب ہے، اِس لیئے کہ نصاری نے حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا اور اُن کو انبیاء کے مرتبہ سے بڑھا کر معبود کا درجہ دے دیا، اور یہود نے اُن کے بارے میں تفریط سے کام لیا اور اُن کو ولدالزنا قرار دے دیا، لہذا حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں دونوں نے غلو کیا۔ اور غلو حق کی حدود سے تجاوز کرنے کا نام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمیِ جمار کے لیے مجھ سے کنکریاں طلب فرمائیں، میں نے ٹھیکری کی طرح کنکریاں چن کر آپ کو دے دیں، آپ اُنہیں اپنے ہاتھ میں الٹ پلٹ کرتے اور ارشاد فرماتے: اِسی طرح کی کنکریاں ہونا چاہیے، اِسی طرح کی کنکریاں ہونا چاہیے، تم دین میں زیادتی کرنے سے بچو؛ کیونکہ تم سے پہلے کے لوگ اپنے دین میں زیادتی کی وجہ سے ہلاک ہوگئے۔ اِسی لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی کا دین افراط وتفریط اور غلو وتقصیر کے درمیان ہے۔

اور یہود ونصاری دونوں کے غلو کو اللہ تعالی نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾

(سورۃ المائدۃ، آیۃ:۷۷)

آپ فرما دیجیے اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے ہی گمراہ ہوچکے ہیں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کرچکے ہیں اور خود سیدھے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

علامہ علاؤالدین علی بن محمد بغدادی معروف بخازن رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قوله عز وجل { قُلْ يا أَهْلَ الْكِتابِ لا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ } الغلوّ : مجاوزة الحدّ، وذلک أن الحق بين طرفي الإفراط والتفريط، فمجاوزة الحدّ والتقصير مذمومان في الدين۔ { غَيْرَ الْحَقِّ } يعني: لا تغلوا في دينكم غلوا باطلا غير الحق، وذلک أنهم خالفوا الحق في دينهم ثم غلوا في الإصرار عليه وكلا الفريقين من اليهود والنصارى غلوا في عيسى عليه السلام، أما غلوّ اليهود فالتقصير في حقه حتى نسبوه إلى غير رشدة، وأما غلوّ النصارى فمجاوزة الحد في حقه حتى جعلوه إلههم وكلا الغلوين مذموم۔

(لباب التأويل ۲/۶۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

اللہ تعالی نے فرمایا: (اے اہلِ کتاب! دین میں زیادتی نہ کرو) غلو کا معنی حد سے تجاوز کرنا ہے، اور حق افراط وتفریط کے درمیان ہے، لہذا حد سے زیادتی کرنا یا حد سے کمی کرنا دین کے اندر دونوں مذموم ہیں، (ناحق) یعنی دین میں باطل اور ناحق زیادتی نہ کرو؛ اہلِ کتاب نے اپنے دین میں حق کی خلاف ورزی کی پھر اُس پر اصرار کے ساتھ غلو کیا اور یہود ونصاری دونوں فریق حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں افراط وتفریط کا شکار ہوگئے، یہود کا غلو یہ ہے کہ اُنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں تقصیر وتفریط کرتے ہوئے اُنہیں ولد الزنا قرار دیا، اور نصاری کا غلو یہ ہے کہ اُنہوں نے حد سے تجاوز کرتے ہوئے اُنہیں معبود کا درجہ دیا، بہر حال دونوں نے غلو کیا اور غلو کی دونوں قسمیں مذموم ہیں۔

استشراق ومستشرقین

مستشرقین کا تعلق زیادہ تر مغرب سے ہے اور اُن کا مذہبی پس منظر نصرانیت ویہودیت ہے۔ یہ دونوں اپنے آپ کو خدا کی چہیتی اور پسندیدہ قومیں قرار دیتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ نجات کے لیے بس یہودی یا نصرانی ہوجانا ہی کافی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد، یہ دونوں اقوام اپنی آسمانی کتابوں میں بیان کی گئی پیش گوئیوں کی روشنی میں آخری زمانے میں آنے والے نبی کی منتظر تھیں۔ لیکن اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کی

دعا کو جس طرح شرفِ قبول بخشا وہ یہود و نصاری کے لیے یقیناً غیر متوقع تھا، وہ سمجھتے تھے کہ آخری پیغمبر کی تشریف آوری بھی انہیں کے کسی قبیلہ میں ہوگی ، لیکن اُن کی امیدوں کے برعکس یہ اعزاز و شرف سیدنا اسماعیل علیہ الصلوۃ والسلام کی نسلِ طاہر کو حاصل ہوا، جس سے یہودیت و نصرانیت تلملا کر رہ گئی اور حسد و عناد کے دوآتشے میں جل اٹھی۔ اللہ تعالی نے اپنے علم ازلی میں یہود و نصاریٰ کے ظلم وطغیان، تمرد و سرکشی، انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ غلط روی و مجرمانہ سلوک، کتاب اللہ میں تحریف و تبدیل اور احکامِ خدا کے ساتھ تمسخر و استہزا کی وجہ اور اصلاح و ہدایت کی ساری کوششوں کی ناکامی کے بعد کچھ اور ہی فیصلہ کر لیا تھا۔ اُس نے نبوت و رسالت کے عظیم منصب کو بنی اسرائیل سے واپس لے کر بنو اسماعیل کے ایک صادق و امین اور صالح ترین فردِ فرید سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دیا۔ اِس پر یہود، باوجود اِس کے کہ ساری نشانیوں سمیت آپ کو نبی کی حیثیت سے پہچان گئے تھے، آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے اور اِس سلسلے میں تمام اخلاقی حدود کو پامال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تفصیل سے ان اقوام پر اپنے انعامات اور ان کی بدکرداری اور نافرمانی کا ذکر کیا ہے۔

یہ دونوں اقوام آغازِ اسلام سے لے کر اب تک ہمیشہ اسلام کی مخالفت اور اسلامی تعلیمات کو شکوک و شبہات سے دھندلا کرنے کی انتھک کوششیں اور سازشیں رچتی رہی ہیں، اپنی کتابوں میں تحریف کر کے ہر اُس آیت کو ختم کرنے کے درپے رہی ہیں جو کسی بھی صورت میں اسلام اور رسولِ اسلام سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں تھی اور اسلام کے افکار و نظریات میں تحریف کرنے ، غلط عقائد کو پھیلانے اور اسلام کے آفاقی پیغام کو غلط ثابت کرنے کی دھن میں زر، زن، زمین کو داؤ پر لگا کر مکر و فریب، کذب و دروغ اور غدر و دجل کے ہتھکنڈے استعمال کرتی رہی ہیں۔

استشراق گو کہ نومولود لفظ ہے، تاہم اِس کے جراثیم بہت پرانے ہیں، بلکہ یوں کہہ لیا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا کہ اِس تحریک کا خام مواد اُسی وقت سے یہودیت و نصرانیت کی بھٹی میں تیار کیا جانے لگا تھا جب مکۂ مکرمہ میں خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا

اعلان فرمایا تھا، بعد میں اِنہیں کل پرزوں کو یکجا کر کے نام نہاد دانشوروں نے اِسے ایک تحریک یا مستقل مکتبِ فکر کا نام دے دیا، جس کا مقصد مسلمانوں کے علوم وفنون حاصل کر کے اُن پر بالادستی حاصل کرنا، اسلامی عقائد ونظریات اور معمولات ومسلّمات پر اعتراضات کرنا، اہلِ اسلام کے نظامِ عبادات، نظامِ اقتصادیات ومعاشیات، نظامِ عدل و قضا اور نظامِ اخلاقیات کو شکوک وشبہات کا شکار بنانا اور صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں ملنے والی ذلت آمیز اور بدترین شکست کا انتقام لینا ہے، اِس مقصد کے لیے اُنہوں نے قرآنِ کریم، احادیثِ مبارکہ، سیرتِ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، تاریخِ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق دیگر علوم وفنون کو اپنا خاص ہدف بنایا اور مکر وفکر، ضرب وحرب، دجل و دروغ اور سازش ومنصوبہ بندی کے ان گنت حربے استعمال کیے۔

مسلم معاشرہ پر استشراق کے منفی اثرات

مستشرقین کی شبانہ روز سازشوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج مسلم معاشرے میں فکری آوارگی، تہذیبی ارتداد، دینی زوال، علمی انحطاط، اسلاف بیزاری اور سیاست و اقتصاد کے مادہ پرستانہ رجحانات تیزی کے ساتھ پھیل رہے ہیں، ہر اسلامی ملک کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کا حال یہ ہے کہ ایمان واعتقاد کا سرا ہاتھ سے چھوٹنے کو ہے، وہ اخلاقی بندشوں کو توڑ کر پھینک دینے کے قریب ہے، شک والحاد کا ایک طوفان ہے جو اُن کے دل و دماغ میں ہلچل پیدا کر رہا ہے اور غیبی حقائق پر اعتماد مسلسل متزلزل ہوتا جا رہا ہے۔

استشراق نے افراط وغلو اور تقصیر وتفریط کی بے شمار صورتوں کو جنم دے کر مسلمانوں کو باہم دست وگریباں ہونے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ ہم نے اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے ایسی بہت سی چیزوں کو دین سمجھ کر قبول کر لیا ہے جو دراصل دین کے لیے کسی زہرِ ہلاہل سے کم نہیں ہیں، اگر ہم محسنِ انسانیت، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرتِ طاہرہ کو اپنی زندگی کے لیے حقیقی معنی میں عملی طور پر اسوہ بنالیں تو استشراق کی ہزار دل فریبیوں کے باوجود اُس کے ممکنہ ضرر رساں اثرات سے بچا جا سکتا ہے؛ کیونکہ جس پاکیزہ ہستی نے کفرستانِ ارضی کو نعمتِ

ایمان اور دولتِ اسلام سے نوازا، جس کی تشریف ارزانی سے چمنستانِ دہر میں روح پرور بہار آ گئی، جس کی آمد کے تذکار سے ایوانِ کسریٰ ہی نہیں، بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم اور اوجِ چین کے قصرہائے فلک بوس شکست و ریخت کا شکار ہو گئے، کفر کے آتشکدے سرد پڑ گئے، صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، مجوسیت کا شیرازہ بکھر گیا، نصرانیت کے برگ و بار خزاں رسید ہو گئے، یہودیت کا طلسم ٹوٹ پھوٹ کی نذر ہو گیا اور ہر باطل زیرِ جامہ لرزہ براندام ہو گیا صرف اور صرف اُسی ذاتِ عالی کی محفوظ و مامون سیرتِ پاک کا سنجیدہ مطالعہ اور اُس کے تابندہ نقوش ہر محاذ پر انسانیت و بشریت کی کامل رہنمائی اور پائیدار کامیابی کی ضمانت فراہم کر سکتے ہیں۔

غلو صرف ناحق اور باطل ہوتا ہے

ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر زمخشری (م ۵۳۸ھ) نے لکھا ہے:

الغلو فی الدین غلوّ ان: غلوّ حق، وهو أن یفحص عن حقائقه ویفتش عن أباعد معانیه، ویجتهد فی تحصیل حججه کما یفعل المتکلمون من أهل العدل والتوحید۔ وغلوّ باطل، وهو أن یتجاوز الحق ویتخطاه بالإعراض عن الأدلة واتباع الشبه، کما یفعل أهل الأهواء والبدع۔

(الکشّاف ۱/۶۶۶، دار الکتاب العربی، بیروت)

دین میں غلو کی دو قسمیں ہیں: غلوِّ حق اور غلوِّ باطل۔ حقائق کی تلاش وجستجو، حق کے دقیق مفاہیم ومطالب کی تفتیش اور اُس کے دلائل و براہین میں کوشش و کاوش کرنا، جیسا کہ اہلِ عدل وتوحید (معتزلہ) متکلمین کرتے ہیں، غلو حق ہے۔ اور حق سے تجاوز وتعدّی، دلائل سے اعراض و کنارہ کشی اور شبہات کی تقلید و پیروی کرنا، جیسا کہ ہوا پرست اور اہلِ بدعت (اہلِ سنت وجماعت) کرتے ہیں، غلو باطل ہے۔

غلو کی یہ تقسیم زمخشری کی فلسفیانہ موشگافی اور عقل واستدلال میں غلو اور زیادتی کی کھلی دلیل ہے، جو یقیناً باطل ومردود ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا کہ غلو حق کی حدود سے تجاوز کرنے اور باہر نکل جانے کا نام ہے، اور یہ بات مسلّمات کے قبیل سے ہے کہ **اذا تجاوز الشئ حدّہ دخل ضدہ** یعنی جب کوئی چیز اپنی حد سے تجاوز کرتی ہے تو اس کی ضد میں داخل ہوجاتی ہے۔ زمخشری کی یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ اظہارِ حق کے لیے حقائق کی بحث وجستجو، دلائل و براہین قائم کرنے میں جد و جہد اور گہرائی و گیرائی سے کام لیا جاتا ہے، لیکن اِس کو ’’غلوحق‘‘ کا نام دینا بالکل غلط اور بے معنی ہے، بلکہ اِس کا نام تحقیق واجتہاد ہے۔ زمخشری کی یہ تقسیم بالکل اِسی طرح ہے جیسے کوئی کہے کہ ظلم کا معنی **وضع الشئ فی غیر محلّہ** (کسی چیز کو غیر محل میں رکھ دینا) ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: ظلمِ حق اور ظلمِ باطل۔

اسی لیے علامہ نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری رحمہ اللہ تعالی (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لما کان الغلو مجاوزۃ الحد ,و کل شیء جاوز حدّہ شابہ ضدّہ ۔ فکیف یتصوّر غلو حق۔ (تفسیر غرائب القرآن ۲/ ۶۲۴، دار الکتب العلمیۃ)

جب غلو حد سے تجاوز کرنے کا نام ہے، اور ہر چیز اپنی حد سے تجاوز کرتی ہے تو ضد کے مشابہ ہوجاتی ہے، تو پھر غلو حق کیسے ہوسکتا ہے۔

تعجب ہے کہ امام فخر الدین محمد بن عمر رازی رحمہ اللہ تعالی (م ۶۰۴ھ) جیسی شخصیت اور دیگر کئی مفسرین نے بھی زمخشری کی تقلید میں غلو کی مذکورہ دونوں قسموں کو تسلیم کیا ہے اور اپنی تفاسیر میں بغیر ردّ و انکار کرکے اس کو بیان کیا ہے۔ بہر حال یہ بات بخوبی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ افراط وغلو خواہ کسی شکل میں ہو وہ بہر حال نا قابلِ قبول و مردود اور ناحق و باطل ہوتا ہے، اور یہ خیال کرنا کہ غلو کبھی حق اور کبھی باطل ہوتا ہے یقیناً غلط ولغو ہے۔

غلو کے سلسلہ میں احادیثِ مبارکہ

اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی امت کو دین کے ہر شعبہ میں افراط وغلو سے منع فرمایا اور ہمیشہ اس بات کی تعلیم وتلقین فرمائی کہ اسلام اعتدال وتوازن اور نرمی و آسانی کے حسین و زرین اصول پر قائم دین ہے، یہاں ہر شعبہ میں رحمت و رافت اور وسطیّت ومیانہ روی کو

ترجیح دی گئی ہے اور تشدّد و تکلف اور افراط و تفریط کو ہلاکت خیز جرائم کی فہرست میں رکھا گیا ہے۔ اِس سلسلہ کی کچھ احادیث تو پہلے بیان ہوچکیں، مزید چند احادیثِ مبارکہ ذیل میں پیش کی جارہی ہیں جن سے یہ بات بخوبی ظاہر ہے کہ اسلام کے محکم و مستحکم اصول وقوانین اپنی وسعت و جامعیّت اور گہرائی و گیرائی کے باوجودہ کتنے سادہ و فطری اور کیسے دلکش و دلنشیں اور طبیعت و روح سے ہم آہنگ ہیں:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں:

قال لی رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: غداة العقبة وهو علی راحلته: هات القط لی، فلقطتُّ له حصیاتٍ هن حصی الخذف، فلما وضعتهن فی یده قال: بأمثال هؤلاء، وإیاکم والغلو فی الدین فإنما أهلک من کان قبلکم الغلو فی الدین۔

(السنن للنسائی ۲۶۸/۵، رقم الحدیث: ۳۰۵۷، المطبوعات الاسلامیة۔ والسنن لابن ماجة ۱۰۰۸/۲، رقم الحدیث: ۳۰۲۹، دارالفکر، بیروت۔ ومسند أحمد بن حنبل ۲۱۵/۱، رقم الحدیث: ۱۸۵۱، مؤسّسة قرطبة، القاهرة۔ وصحیح ابن خزیمة ۲۷۴/۴، رقم الحدیث: ۲۸۶۷، المکتب الاسلامی، بیروت۔ وصحیح ابن حبان ۱۸۳/۹، رقم الحدیث: ۳۸۷۱، مؤسّسة الرسالة، بیروت۔ و مسند أبی یعلی ۳۱۶/۴، رقم الحدیث: ۲۴۲۷، دارالمأمون للتراث، دمشق۔ و السنن الکبری للبیهقی ۱۲۷/۵، رقم الحدیث: ۹۸۰۶، دائرة المعارف النظامیّة، حیدرآباد۔ والمستدرک علی الصحیحین للحاکم ۶۳۷/۱، رقم الحدیث: ۱۷۱۱، دارالکتب العلمیّة۔ والمعجم الکبیر للطبرانی ۳۰۱/۱۰، رقم الحدیث: ۱۲۵۷۹، دارالکتب العلمیة)

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مجھ سے عقبہ کی صبح جب آپ اپنی سواری پر تھے ارشاد فرمایا: میرے لیے کنکریاں چن کر لاؤ، میں نے ٹھیکری نما کنکریاں چن دیں، جب میں نے انہیں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دستِ مبارک میں رکھا تو ارشاد فرمایا: اسی طرح (کی کنکریاں ہونا چاہیے)، تم دین میں غلو کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے کے لوگوں کو دین میں زیادتی ہی نے ہلاک و برباد کر دیا۔

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ اِس حدیث شریف کی شرح میں فرماتے ہیں:

(إياكم والغلو في الدين) أى التشديد فيه ومجاوزة الحد والبحث عن غوامض الأشياء، والكشف عن عللها، وغوامض متعبداتها (فإنما هلك من كان قبلكم) من الأمم (بالغلو في الدين) والسعيد من اتعظ بغيره۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۱۶۲/۳)

دین میں غلو کرنے سے بچنے کا معنی یہ ہے کہ دین میں بے جا سختی کرنے، حد سے گذرنے، چیزوں کی گرائیوں میں اترنے، ان کے اسباب وعلل کی تلاش کرنے اور شرعیات وعبادات کی باریکیوں کا پتہ لگانے سے بچو؛ کیونکہ تم سے پہلی امتیں دین میں زیادتی کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئی ہیں، اور سعادت مند انسان وہ ہے جو دوسروں کے حالات سے عبرت حاصل کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الدين يسر، ولن يشادّ الدين أحد الاّ غلبه، فسددوا وقاربوا وأبشروا، واستعينوا بالغُدوة والروحة وشئ من الدُّلَجة۔

(البخاری ۲۹/۱، رقم الحدیث: ۳۹، والسنن للنسائی ۱۲۱/۸، رقم الحدیث: ۵۰۳۴، وصحیح ابن حبان ۶۳/۲، رقم الحدیث: ۳۵۱)

بے شک دین آسان ہے، جو بھی دین میں سختی کرے گا دین اُس پر غالب آجائے گا، سیدھی راہ چلو، میانہ روی اختیار کرو اور خوشخبری سناؤ اور صبح وشام اور رات کے کچھ آخری حصہ میں سفر کر کے مدد حاصل کرو۔

اِس حدیث کی شرح میں امام ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

لا يتعمق أحد في الأعمال الدينيه ويترك الرفق الا عجز وانقطع فيغلب۔

(فتح الباری ۱۷۵/۱، دار طیبۃ، الریاض)

کوئی شخص نرمی و آسانی چھوڑ کر دینی اعمال کی گہرائیوں میں نہ جائے ورنہ وہ تھک ہار کر مغلوب ہو جائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ ﷺ: ہلک المتنطِّعونَ، قالھا ثلاثا۔

(صحیح مسلم ۸/۵۸، رقم الحدیث: ۶۹۵۵، دار الجیل، بیروت۔ والسنن لأبی داؤد ۴/۳۳۰، رقم الحدیث: ۴۶۱۰۔ و، مسند أحمد بن حنبل ۱/۳۸۶، رقم الحدیث: ۳۶۵۵۔ و مسند أبی یعلی ۸/۴۲۲، رقم الحدیث: ۵۰۰۴۔ والمعجم الکبیر ۹/۱۹، رقم الحدیث: ۱۰۲۱۷۔ ومسند البزار ۵/۲۶۴، رقم الحدیث: ۱۸۷۸، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غلو کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ یہ تین بار فرمایا۔

امام ابو الفضل قاضی عیاض بن موسی یحصبی مالکی رحمہ اللہ تعالی (م ۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

ھم المتعمّقون الغالون، ومعنی ھلاکھم: یرید فی الآخرۃ۔

(اکمال المعلم شرح صحیح مسلم ۸/۱۶۴، دار الوفاء، المنصورۃ)

متنطّعین سے مراد گہرائی میں جانے والے غلو پسند لوگ ہیں، اور ہلاکت سے مراد ان کی آخرت کی بربادی ہے۔

امام ابو حفص احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی رحمہ اللہ تعالی (م ۶۵۶ھ) فرماتے ہیں:

ھم المتعمّقون فی الکلام، الغالون فیہ، ویعنی بھم: الغالین فی التأویل، العادلین عن ظواھر الشرع بغیر دلیل، کالباطنیۃ، وغلاۃ الشیعۃ۔ وھلاکھم بأن صُرِفوا عن الحق فی الدنیا، وبأن یعذَّبوا فی الآخرۃ۔ والتکرار: تاکیذ وتفخیئم بعظیم ھلاکھم۔ (المفھم شرح صحیح مسلم ۶/۷۰۰، دار الکلم الطیّب، بیروت)

متنطّعین کا معنی بات کی گہرائی میں جانے والے غلو پسند لوگ ہیں، اور یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو تاویلات میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور بغیر دلیل کے شریعت کے ظاہر احکام سے انحراف کرتے ہیں، جیسے باطنیہ اور غلو پسند رافضی۔ اُن کی ہلاکت یہ ہے کہ دنیا میں

اُنہیں راہِ حق سے برگشتہ کردیا گیا اور آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔ تکرار کا مفاد اُن کی زبردست ہلاکت کو پرزور طور پر بیان کرنا ہے۔

امام محی السنہ، ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ تعالی (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

المتعمقون الغالون المجاوزون الحدود فی أقوالهم و أفعالهم۔

(المنهاج شرح مسلم ۱۶/ ۲۲۰، المطبعة المصرية، الأزهر الشريف)

متنطّعین سے مراد وہ باریک بین غلو پسند لوگ ہیں جو اپنے اقوال وافعال میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

أی المتعمّقون المتقعّرون فی الکلام، الذین یرمون بجودة سبیکة سبیَ قلوبِ الناس۔ أو أراد الغالین فی عبادتهم بحیث تخرج عن قوانین الشرع۔ قال الغزالی: أولئک قوم شدّدوا علی أنفسهم فشدّد الله علیهم۔

(التیسیر شرح الجامع الصغیر ۲/ ۹۲۸، مکتبة الامام الشافعی، الریاض)

متنطّعین سے مراد بات کی گہرائی اور تہہ میں اترنے والے وہ لوگ ہیں جو بات کی عمدہ بناوٹ سے لوگوں کے دلوں کا شکار کرتے ہیں۔ یا وہ غلو پسند لوگ مراد ہیں جو عبادت میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور شریعت کے اصول وقوانین سے باہر نکل جاتے ہیں۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے (عبادات وریاضات میں) خود پر سختی کی تو اللہ تعالی نے ان پر سختی فرمادی۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالی امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالی سے نقل فرماتے ہیں:

قال بعض الأئمة: التحقیق أن البحث عما لا یوجد فیه نص قسمان: أحدهما أن یبحث عن دخوله فی دلالة النص علی اختلاف وجوهها فهذا مطلوب لا مکروه، بل ربما کان فرضاً علی من تعین علیه۔ الثانی أن یدقق النظر فی وجوه الفروق فیفرق بین متماثلین بفرق لا أثر له فی الشرع مع وجود وصف الجمع أو بالعکس بأن یجمع بین مفترقین بوصف طردی مثلاً، فهذا الذی ذمّه

السلف، وعليه ينطبق خبر (هلک المتنطعون) فرأوا أن فيه تضييع الزمان بما لا طائل تحته، ومثله الإكثار من التفريع على مسألة لا أصل لها في كتاب ولا سنة ولا إجماع، وهي نادرة الوقوع، فيصرف فيها زمناً كان يصرفه في غيرها أولى، سيما إن لزم منه إغفال التوسع في بيان ما يكثر وقوعه، وأشدّ منه البحث عن أمور معيّنة ورد الشرع بالإيمان بها مع ترک كيفيّتها، ومنها ما لا يكون له شاهد في عالم الحس، كالسؤال عن الساعة، والروح، ومدة هذه الأمة إلى أمثال ذلک مما لا يعرف إلا بالنقل الصرف وأكثر ذلک لم يثبت فيه شيء فيجب الإيمان به بغير بحث۔ وقال بعضهم: مثال التنطع إكثار السؤال حتى يفضي بالمسؤول إلى الجواب بالمنع بعد أن يفتي بالإذن، كأن يسأل عن السلع التي في الأسواق: هل يكره شراؤها ممن بيده قبل البحث عن مصيرها إليه؟ فيجاب بالجواز، فإن عاد فقال: أخشى أن يكون من نهب أو غصب ويكون ذلک الزمن وقع فيه شيء من ذلک في الجملة، فيجاب بأنه إن ثبت شيء من ذلک حرم، وإن تردد كره، أو كان خلاف الأولى۔ ولو سكت السائل عن هذا التنطع لم يزد المفتي على جوابه بالجواز۔ قال ابن حجر: فمن سد باب المسائل حتى فاته معرفة كثير من الأحكام التي يكثر وقوعها قلّ فهمه وعلمه، ومن توسّع في تفريع المسائل وتوليدها، سيما فيما يقلّ وقوعها أو يندر فإنه يذمّ فعله۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ٦/٣٥٥، دار المعرفة، بیروت)

بعض ائمہ فرماتے ہیں تحقیق یہ ہے کہ جن احکام و مسائل میں کوئی نص موجود نہ ہو ان کی دو قسمیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ نص کی دلالت اور اُس کی مختلف اقسام و وجوہ میں غور کر کے اُس مسئلہ کو کسی نص کے تحت داخل کرنے کے لیے بحث و تحقیق کرنا، یہ طریقہ نہ صرف کراہت سے پاک اور شرعاً مطلوب ہے بلکہ بسا اوقات اُس کے اہل حضرات پر فرض ہو جاتا ہے کہ اِس طریقہ کو اختیار کریں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فروق و امتیازات کی وجوہ میں تدقیقِ نظر اور باریک بینی سے کام لینا اور متماثلین (ایک جیسی دو چیزوں) کے درمیان

وصفِ جمع کے باوجود ایسا فرق و امتیاز پیدا کرنا جس کا شریعت میں کوئی اثر نہ ہو، یا مفترقین (دو مختلف چیزوں) کو وصفِ منع کے باوجود کسی وصفِ عام کے ذریعہ متحد و جمع کرنا، اِسی صورت کی اسلافِ کرام نے مذمت بیان فرمائی ہے اور اِسی پر یہ حدیث صادق آتی ہے کہ (غلو کرنے والے ہلاک ہو گئے)، لہذا اسلاف نے فرمایا ہے کہ اِس میں وقت صرف کرنا بے فائدہ ہے۔ اور اِسی دوسری قسم میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ ایسا مسئلہ جس کی کتاب و سنت اور اجماع میں کوئی اصل نہ ہو اور وہ نادر الوقوع بھی ہو، ایسے مسئلہ کی تفریعات کی کثرت اور اُن میں وقت صرف کرنے سے کسی اور کام میں مصروف ہو جانا بہتر ہے، خصوصاً اُس وقت جب کہ یہ طریقہ کثیر الوقوع مسائل میں وسعت و کشادگی اختیار کرنے سے غفلت کا سبب بنے، اور اِس سے بھی سخت حکم ایسے متعین امور میں کھود کرید کرنے کا ہے جن پر کیفیت و حالت جانے بغیر شریعت کی جانب سے ایمان رکھنے کا حکم ہے، اِسی طرح ایسے امور کی چھان بین کرنا جن کی محسوسات میں کوئی مثال نہ ہو، مثلاً یہ سوال کرنا کہ قیامت کب آئے گی، روح کی حقیقت کیا ہے، اِس امت کی مدت کتنی ہے، اِسی طرح وہ تمام باتیں جو محض (شریعت کی) نقل سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ اور اِس قسم کی اکثر باتوں میں (شریعت کی طرف سے) کچھ ثابت نہیں ہے؛ لہذا بغیر چھان بین کے اُن پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور بعض اہلِ علم نے فرمایا ہے کہ تنطّع (غلو کرنے) سے ایسے سوالات کی کثرت مراد ہے کہ مفتی جواز کا جواب دینے کے بعد عدمِ جواز کا جواب دینے پر مجبور ہو جائے، جیسے کوئی شخص یہ سوال کرے کہ بازار سے کوئی سامان انجام کی تحقیق کیے بغیر کسی شخص سے خریدنا کیسا ہے؟ جواب میں کہا جائے گا کہ جائز ہے۔ اب وہ سائل پلٹ کے پوچھے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ سامان لوٹ یا غصب کا ہو سکتا ہے، اور اُن دنوں اِس طرح کی واردات وقوع پذیر بھی ہو چکی ہوں، تو اب جواب میں کہا جائے گا کہ اگر اُن میں سے کوئی بات ثابت ہو تو اُس کا خریدنا حرام ہے، اور تردد ہو تو خریدنا مکروہ، یا خلافِ اولی ہے۔ اگر سائل نے بال کی کھال نہ نکالی ہوتی تو مفتی صرف جواز کا حکم بیان کرتا۔ علامہ ابنِ حجر فرماتے ہیں: جس نے سوالات کا دروازہ بند کر دیا یہاں تک کہ کثیر الوقوع احکام کی معرفت سے محروم رہ گیا ایسا شخص ناسمجھ اور کم علم ہے،

اور جس نے مسائل کی تفریع اور شق در شق نکالنے میں وسعت سے کام لیا، خصوصاً وہ مسائل جن کا وقوع کم یا نادر ہوتا ہے تو اُس کا یہ فعل مذموم ہے۔

قطع نظر اِس سے کہ علامہ ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالی کی بیان کردہ تفصیلات سے جزوی اختلاف کی گنجائش موجود ہے، بلکہ فقیر قادری کو کئی باتوں سے صریح اختلاف بھی ہے، تاہم یہ بات اپنی جگہ بالکل حق اور سچ ہے کہ امورِ دینیہ اور احکامِ شرعیہ میں بے جا دخل اندازی اور نااہلوں کی بے معنی نکتہ آفرینی اور دقیقہ سنجی نے دین کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اُس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ عالم کہلانے والے کئی حضرات وہ ہیں جنہیں علومِ دینیہ کے مطالعہ کے شغف و شوق کے بجائے اپنی اصطلاح کے آسان دین کی عادت پڑ چکی ہے اور علماءِ ربانیین کی سیرت و تعلیمات کو مشعلِ راہ بنانے کے بجائے اُن کے نام پر سوداگری کا خون منہ کو لگ چکا ہے۔ سیدی اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کی تمام تصنیفات تو ہمارے پیشِ نظر نہیں ہیں، لیکن اُن کا مجموعۂ فتاوی جو بجا طور فقہِ اسلامی اور فقہِ حنفی کا عظیم انسائیکلو پیڈیا ہے، اگر اُسی کو اخلاص و عرق ریزی کے ساتھ موجودہ نسل کے علماء اپنے مطالعہ کی میز پر مناسب جگہ دے دیں تو ان شاء اللہ تعالی افراط و تعدّی اور غلو و تقصیر پر مبنی بہت سی فکری آویزشوں سے نجات مل سکتی ہے اور مسلکی شیرازہ بکھرنے سے بچ سکتا ہے، جس کے انتشار کا تماشہ دیکھنے کے لیے اپنے کہلانے والے بھی کئی لوگ منتظر بیٹھے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن هذا الدين متين فأوغلوا فيه برفق۔

(مسند أحمد بن حنبل ۳/۱۹۸، رقم الحديث: ۱۳۰۷۴۔ ومجمع الزوائد ۱/۷۰، رقم الحديث: ۲۱۶، دار الفكر، بيروت۔ وقال فيه الهيثمي: رجاله موثقون الا أن خلف بن مهران لم يدرك أنسا)

یہ دین بہت مضبوط ہے لہذا اِس کی گہرائی میں نرمی سے اترو۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا:

إن هذا الدين متين، فأوغل فيه برفق، ولا تبغِّض إلى نفسک عبادة الله؛ فإن المنبتّ لا أرضا قطع ولا ظهرا أبقى۔

(السنن الكبرى للبيهقي ۳/۱۸، رقم الحديث: ۴۹۳۱۔ و معجم ابن الأعرابي ۴/۳۴۳، رقم الحديث: ۱۸۳۵۔ ومسند الشهاب القضاعي ۲/۱۸۴، رقم الحديث: ۱۱۴۷۔ قال البيهقي فيه: هكذا رواه أبو عقيل، وقد قيل عن محمد بن سوقة عن محمد بن المنكدر عن عائشة، وقيل عنه عن محمد بن المنكدر عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم مرسلا، وقيل عنه غير ذلک، وروى عن عبد الله بن عمرو عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم)۔

اور یہی حدیث حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن هذا الدين متين، فأوغل فيه برفق، ولا تبغض إلى نفسک عبادة ربک، فإن المنبت لا سفرا قطع، ولا ظهرا أبقى، فاعمل عمل امرئ يظن أن لن يموت أبدا، واحذر حذرا تخشى أن تموت غدا۔

(السنن الكبرى للبيهقي، رقم الحديث: ۴۹۳۲)

بے شک یہ دین مضبوط ہے اِس کی باریکیوں میں نرمی کے ساتھ جاؤ اور اللہ تعالی کی عبادت کو اپنے نفس کے لیے ناپسندیدہ نہ بناؤ، کیونکہ حد سے آگے نکل جانے والا قافلہ سے بچھڑ جاتا ہے اور منزل پر پہنچنے سے محروم رہ جاتا ہے، لہذا ایسے شخص کی طرح عمل کرو جو سوچتا ہے کہ اُسے کبھی موت نہیں آئے گی، اور اُس شخص کی طرح خوف زدہ رہو جو ڈرتا ہے کہ کل ہی مر جائے گا۔

الفاظ ومتن کے معمولی اختلاف کے ساتھ یہ حدیث حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت علی مرتضی اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہم سے بھی مروی ہے۔ **وقال الدار قطني: ليس فيها حديث ثابت۔ وقال السخاوي: وهو عند أحمد من حديث أنس رفعه لكن ليس فيه جملة الترجمة وهو على اختصاره أجود مما قبله۔**

اس کی شرح میں امام حافظ شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمن سخاوی رحمہ اللہ تعالی (م ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں:

(المنبتّ) من البتّ، وهو القطع، يريد أنه بقى فى طريقه عاجزا عن مقصده لم يقض وطره وقد أعطب ظهره۔ والوغول الدخول فى الشيء، فكأنه قال: إن هذا الدين مع كونه سهلا يسيرا صلب شديد فبالغوا فيه فى العبادة، لكن اجعلوا تلك المبالغة مع رفق؛ فإن الذى يبالغ فيه بغير رفق ويتكلف من العبادة فوق طاقته يوشك أن يَملَّ حتى ينقطع عن الواجبات، فيكون مثله مثل الذى يعسف الركاب ويحملها من السير على ما لا تطيق رجاء الإسراع فينطبق ظهره فلا هو قطع الأرض التى أراد، ولا هو أبقى ظهره سالما ينتفع به بعد ذلك۔

(المقاصد الحسنة، ص: ۳۹۱، ۳۹۲، رقم الحديث: ۱۴۰۳، دار الكتب العلمية)

''منبتّ'' بتّ سے ماخوذ ہے جو کاٹنے کے معنی میں ہے۔ حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ دین کی باریکیوں میں افراط وغلو کے ساتھ داخل ہونے والا اپنے مقصد سے محروم رہ جاتا ہے، اُس کا کوئی کام بھی پورا نہیں ہوتا اور اپنی کمر بھی توڑ بیٹھتا ہے۔ ''وُغول'' کا معنی داخل ہونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دین نرم وآسان ہونے کے باوجود سخت مضبوط ہے تو عبادت میں خوب کوشش کرو لیکن یہ کوشش نرمی کے ساتھ ہونا چاہیے؛ کیونکہ جو لوگ بغیر نرمی وآسانی کے عبادت میں کوشاں رہتے ہیں اور اپنی طاقت سے زیادہ تکلّف کے ساتھ عبادت کرتے ہیں وہ بسا اوقات اکتاہٹ کا شکار ہو کر فرائض وواجبات بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں اور اُن کی حالت اُس شخص کی طرح ہو جاتی ہے جو سواری کے اونٹ سے اُس کی طاقت سے زیادہ کام لیتا ہے اور منزل پر جلد پہنچنے کے لیے اُس کو قدرت سے زیادہ چلاتا ہے، جس کی وجہ سے اُس کی پشت جھک جاتی ہے اب وہ نہ تو منزلِ مقصود تک پہنچ پاتا ہے اور نہ اُس کی پشت آئندہ کسی کام کے لائق رہ پاتی ہے۔

حضرت عبید اللہ بن محمد بن عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

ما أمر الله تعالى عباده بأمر إلا وللشيطان فيه نزعتان: فإما إلى غلو، وإما إلى

تقصیر، فبأیھما ظفر قنع۔

(العزلة للخطابی ۱/۲۵۵، الرقم: ۲۳۴، المطبعة السلفیة، القاھرة)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو بھی احکام دیئے ہیں اُن میں شیطان کے دو رجحان رہتے ہیں: یا تو غلو پہ ابھارنا، یا تقصیر پر آمادہ کرنا، جس میں کامیابی مل جائے اُسی پر بخوشی قناعت کر لیتا ہے۔

حضرت عبد الرحمن بن شِبل انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

اقْرَءُوا الْقُرْآنَ، وَلَا تَغْلُوا فِيهِ، وَلَا تَجْفُوا عَنْهُ، وَلَا تَأْكُلُوا بِهِ، وَلَا تَسْتَكْثِرُوا بِهِ۔

(مسند أحمد بن حنبل ۲۴/۲۸۸، رقم الحدیث: ۱۵۵۲۹، مؤسسة الرسالة، بیروت ۔ ومسند البزّار ۳/۲۵۳، رقم الحدیث: ۱۰۴۴، مکتبة العلوم والحکم۔ والمعجم الأوسط للطبرانی ۸/۳۴۴، رقم الحدیث: ۸۸۲۳، دار الحرمین، القاھرة۔ و شرح معانی الآثار للطحاوی ۳/۱۸، رقم الحدیث: ۴۲۹۶، عالم الکتب، بیروت۔ و مسند أبی یعلی ۳/۸۸، رقم الحدیث: ۱۵۱۸، دار المامون للتراث، بیروت۔ و مصنف عبد الرزاق ۱۰/۳۸۷، رقم الحدیث: ۱۹۴۴۴، المکتب الاسلامی، بیروت۔ ومصنف ابن أبی شیبة ۲/۴۰۰، رقم الحدیث: ۷۸۲۵، دار القبلة، مکة المکرمة۔ والسنن الکبری للبیھقی ۲/۱۷، رقم الحدیث: ۲۳۶۲، دائرة المعارف النظامیة، حیدرآباد۔ و شعب الایمان ۴/۱۹۴، رقم الحدیث: ۲۳۸۳، مکتبة الرشد، الریاض)

قرآن کی تلاوت کرو اور اُس میں حد سے تجاوز نہ کرو، نہ اُس کی تلاوت سے بھاگو، اور نہ اُس کو کھانے کا ذریعہ بناؤ اور نہ کثرتِ مال کا۔

اِس کی شرح میں علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قوله: لا تغلوا من الغلو بالغین المعجمة وھو التشدد والمجاوزة عن الحد۔ قوله: ولا تجفوا أی تعاھدوه ولا تبعدوا عن تلاوته وھو من الجفاء وھو البعد عن الشیء۔ قوله: ولا تأکلوا به أی بمقابلة القرآن، أراد لا تجعلوا له عوضا من سحت الدنیا۔ (عمدة القاری ۲۱/۳۹۳، دار الکتب العلمیة)

غلو تشدّد اور حد سے تجاوز کو کہتے ہیں، اور جفا کا معنی ہے کسی چیز سے دور ہونا، مطلب یہ ہوا کہ قرآنِ کریم میں حد سے تجاوز نہ کرو (نہ حروف وکلمات کی ادائیگی میں اور نہ معنی ومفہوم میں)، اُس کی تلاوت کا پورا خیال رکھو، اُس سے روگردانی نہ کرو اور نہ دنیا کے مال ودولت کو قرآنِ مجید کا بدلہ ٹھہرا کر اُسے کھانے پینے کا ذریعہ بناؤ۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں:

(ولا تجفوا عنه) أی لا تبعدوا عن تلاوته (ولا تغلوا فيه) تجاوزوا حده من حيث لفظه أو معناه بأن تتأولوه بباطل، أو المراد لا تبذلوا جهدكم فی قراءته وتتركوا غيره من العبادات، فالجفاء عنه التقصير، والغلو التعمق فيه، وكلاهما شنيع، وقد أمر الله بالتوسط فی الأمور فقال: {لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا}۔ (ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به) أی لا تجعلوه سببا للإكثار من الدنيا۔

(فيض القدير ۸۳/۲، تحت رقم الحديث: ۱۳۳۸، دار الكتب العلمية)

قرآنِ کریم کی تلاوت سے دوری اختیار مت کرو اور باطل ومردود تاویلات کے ذریعہ اُس کے لفظ ومعنی میں حد سے آگے نہ بڑھو اور نہ دوسری ضروری عبادات کو ترک کر کے اُس کی تلاوت میں لگے رہو۔ الغرض قرآن کے سلسلہ میں تفریط وکوتاہی اور غلو وزیادتی دونوں سے بچو؛ کیونکہ یہ دونوں خصلتیں مذموم ہیں، جب کہ اللہ تعالی نے تمام کاموں میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد فرماتا ہے: (نہ ضرورت سے زیادہ خرچ کریں اور نہ ضرورت سے کم) اور قرآنِ کریم کو دنیوی مال ودولت بڑھانے کا بھی ذریعہ نہ بناؤ۔

مذکورہ تمام احادیثِ مبارکہ میں امتِ مسلمہ کو اِس بات کی واضح تعلیم دی گئی ہے کہ دین کے کسی شعبہ میں حد سے تجاوز کرنا یا حد سے کمی کرنا غلط اور ممنوع ہے، کیونکہ اُس کے نتائج انتہائی تباہ کن اور سخت نقصان دہ ہوتے ہیں، گذشتہ امتوں کی تباہی وبربادی کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ اُنہوں نے عبادت وقربت اور مجاہدہ وریاضت کے نام پر دین میں زیادتی وغلو کی بے شمار صورتیں داخل کر رکھی تھیں، اِسی لیے محسنِ انسانیت، رحمۃ للعالمین، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا کہ یہ دین آسان ومضبوط ہے، اِس میں نرمی کے ساتھ داخل

ہو کر اِس کے تقاضوں پر عمل کرو۔

اور تمام تر اسلامی تعلیمات کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اسلام دینِ فطرت اور انسان کی طبیعت سے ہم آہنگ ہے، اِس کی تعلیمات ہر طرح کی پیچیدگی اور گھماؤ پھراؤ سے پاک ہیں، اِس کا نظامِ علم وعمل انتہائی روشن وشفاف ہے، لہذا خود پر تشدد وسختی کرنے سے گریز کرنا ہی فطرت کا تقاضا اور معقولیت کے عین مطابق ہے اور دین میں افراط وغلو کرنا اور بے جا سختیوں، بے معنی چیرہ دستیوں اور خود پر تشدد وستم کو دین کا حصہ بنا دینا عقل وانصاف اور فطرت وطبیعت کے نمایاں اصول وقوانین کی صریح خلاف ورزی ہے۔

افراط وتفریط کی بہتات اور اُس کے اسباب

افراط وغلو اور تفریط وتقصیر کی بہت سی صورتیں اور مختلف شکلیں ہیں، عقائد وخیالات، عبادات وقربات، احکام ومسائل، تعلقات ومعاملات اور اخلاق وعادات وغیرہ میں سے شاید کوئی ایسا شعبہ ہو جہاں ہوا پرست اور بدعت پسند افراد نے شیطان ونفس کے فریب ومکر میں مبتلا ہو کر حد سے زیادتی یا حد سے کمی نہ کی ہو۔ستم بالائے ستم یہ ہے کہ دین میں زیادتی یا کوتاہی کا یہ کھیل دین کے نام پر کھیلا گیا ہے، جس کا خوفناک نتیجہ اور المناک اثر یہ ہے کہ حقیقت سے نا آشنا سادہ لوح افراد نے اُن زیادتیوں یا کوتاہیوں کو دین اور خاص حکمِ شریعت سمجھ کر قبول کر رکھا ہے اور اُن سے تعلق ووابستگی کا حال یہ ہے کہ اب اگر کوئی شخص قرآن وسنت کی پاکیزہ وپرنور تعلیمات کو اُن کی اصل شکل وصورت میں پیش کرنے کی جرأت وجسارت کرتا ہے تو کئی حلقوں سے اُس پر جرم وبغاوت کا الزام عائد کیا جاتا ہے، فتنہ وانتشار برپا کرنے والا بتا کر اُس کے خلاف زبان درازی کی جاتی ہے اور الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی بات کے مطابق مفسدین مصلحین پر، مجرمین بے گناہوں پر اور باطل نواز حق پسندوں پر تہذیب وشرافت کو بالائے طاق رکھ کر بہتانات وافتراءات اور اتہامات والزامات کی یورش وبارش کرنے میں لگ جاتے ہیں۔اسلامی تاریخ کے تناظر میں افراط وتفریط کی اِس بھیانک بیماری کے اسباب وعوامل کی گہرائی سے تلاش وجستجو کی جائے اور اُن پر شرح وبسط

کے ساتھ لکھا جائے تو ایک مبسوط کتاب تیار ہوسکتی ہے، یہاں ہمارا مقصود اُن تمام تاریخی اسباب وعوامل کا احاطہ کرنا نہیں ہے جو بلا شبہ تاریخ کا ایک سیاہ باب، مکروہ گوشہ اور انتہائی بدنما داغ ہیں، بلکہ محض چند اسباب وعوامل کو اجمالی طور پر بیان کرکے اپنے قارئین وناظرین کو اِس پہلو پر فکر ونظر کی دعوت دینا ہے کہ عصبیت وجانبداری کی سطح سے اوپر اٹھ کر دل میں محاسبۂ آخرت کا خوف پیدا کیجیے اور اسلامی تعلیمات وشرعی اصول وقوانین میں افراط وتفریط کی بیماری کا جو علاج بتایا گیا ہے اُس کو اختیار فرما کر اپنی دینی واسلامی زندگی کو صحت مند و درست بنا لیجیے اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خود کو طاقتور مومن بنانے کے لیے کوشاں ہوجایئے؛ کیونکہ خیر وعافیت اور صحت وسلامتی کا راستہ صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منور تعلیمات میں مضمر ہے، طریقۂ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹ کر بھلائی کی کوئی راہ ہو ہی نہیں سکتی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

الْمُؤْمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ وَأَحَبُّ إِلَی اللہِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِیفِ، وَفِی کُلٍّ خَیْرٌ، احْرِصْ عَلَی مَا یَنْفَعُکَ، وَاسْتَعِنْ بِاللہِ، وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَکَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّی فَعَلْتُ کَانَ کَذَا وَکَذَا، وَلٰکِنْ قُلْ قَدَرُ اللہِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ؛ فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ۔

(صحیح مسلم ٨/ ٥٦، رقم الحدیث: ٢٩٤٥۔ والسنن لابن ماجة ١/ ٥٧، رقم الحدیث: ٧٩۔ ومسند أحمد بن حنبل ٢/٣٦٦، رقم الحدیث: ٨٧٧٧۔ وصحیح ابن حبان ١٣/ ٢٨، رقم الحدیث: ٥٧٢١۔ ومسند البزار ١٥/٣٠٩، رقم الحدیث: ٨٨٣٥۔ والسنن الکبری للنسائی ٩/ ٢٣١، رقم الحدیث: ١٠٣٨٤۔ ومسند أبی یعلی ١١/ ١٢٤، رقم الحدیث: ٦٢٥١۔ والسنن الکبری للبیهقی ١٠/ ٨٩، رقم الحدیث: ٢٠٤٢٨۔ وشرح مشکل الآثار ١/ ٢٣٦، رقم الحدیث: ٢٥٩۔ ومسند الحمیدی ٣/٣٤٤، رقم الحدیث: ١١٦٥، دار الکتب العلمیة۔ کلهم یروون عن سیدنا أبی هریرة رضی اللہ تعالی عنه)

اللہ تعالی کے نزدیک طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر اور زیادہ محبوب ہے، اور ہر ایک میں بہتری ہے، جو چیز تمہیں فائدہ دے اُس کے خواہش مند رہو، اللہ تعالی کی مدد چاہو

اور عاجز ہو کر نہ بیٹھو، اگر کوئی مصیبت پہنچے تو یوں نہ کہو کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو ایسا ایسا ہو جاتا، بلکہ یہ کہو کہ یہ اللہ کی تقدیر ہے اُس نے جو چاہا کر دیا؛ کیونکہ لفظِ ''اگر'' شیطان کے کام کے لیے دروازہ کھول دیتا ہے۔

افراط وتفریط کے چند نمایاں اسباب

(۱) علومِ دینیہ سے ناواقفیت ومحرومی اور خواہشِ نفس کی اتباع وپیروی۔

دین میں غلو کا ایک اہم سبب علمِ دین سے غفلت اور خواہشاتِ نفس کی پیروی ہے۔ انسان کے اندر یہ بھی ایک کمزوری ہے کہ بسا اوقات وہ ایک نظریہ یا ایک رویہ اختیار تو اِس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ اُس کی خواہشاتِ نفس کے مطابق ہوتا ہے، اُس سے اُس کے کسی مخفی منصوبے کی تکمیل ہو رہی ہوتی ہے، اُس سے کسی ایسے شخص کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے جس کی خوشنودی اُسے اپنی دنیوی اغراض ومفادات کے نقطۂ نظر سے مطلوب ہوتی ہے، اُس سے اُس کے وہ ارمان پورے ہوتے ہیں جو نفس کی اکساہٹ سے اُس کے اندر ہر وقت گدگدیاں پیدا کر رہے ہوتے ہیں، لیکن وہ اتنی جرأت و ہمت نہیں رکھتا کہ اُن چیزوں کی تکمیل کے لیے وہ صاف صاف نفس پرستی اور دنیا پرستی کے نام سے میدان میں اترے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اپنی اِس دنیا داری اور نفس پرستی کے لیے دین داری کی کوئی آڑ بھی تلاش کر لے تاکہ رند کا رند بھی رہے اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جانے پائے، اِس خواہش کے تحت وہ مختلف قسم کے نظریات بناتا ہے اور اُن کو مذہب کے اندر داخل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر اِس کوشش میں وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اُن سے اپنی خواہشوں کے بند دروازوں کے کھولنے میں کلید کا کام لیتا ہے۔ خواہشاتِ نفس کے تحت فتویٰ لکھتا ہے اور اُس کو کتاب و سنت کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ بعض سفلی جذبات کی تسکین کے لیے بہت سے کام کرتا ہے اور اُن کو معرفتِ الٰہی اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ بتاتا ہے۔

یہود نے جب چاہا کہ اپنی نفس پرستیوں کے لیے کوئی شرعی سندِ جواز پیدا کی جائے تو انہوں نے یہ نظریہ بنایا کہ ہم چونکہ حضرت ابراہیم وحضرت اسحاق علیہما الصلوۃ والسلام کی

اولاد اور خدا کے محبوب اور چہیتے ہیں، اِس وجہ سے ہم خواہ کچھ بھی کرگذریں، ہمارے لیے دائمی عذابِ دوزخ نہیں ہوسکتا؛ اول تو ہم دوزخ میں ڈالے ہی نہیں جائیں گے اور اگر ڈالے بھی گئے تو چند دنوں سے زیادہ کے لیے نہیں۔ چنانچہ قرآنِ کریم اُن کے اس خواہش پرستانہ واحمقانہ نظریئے کو بیان فرما کر اُس کا رد فرماتا ہے:

{وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ}

(سورۃ البقرۃ، آیۃ: ٨٠)

اور بولے ہمیں تو آگ نہ چھوئے گی مگر چند دن، آپ فرما دیجیے کیا اللہ سے تم نے کوئی عہد لے رکھا ہے، جب تو اللہ ہرگز اپنا عہد خلاف نہ کرے گا یا اللہ پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

اپنے اِس نظریئے کو، جو محض نفس پرستی کی تحریک سے پیدا ہوا تھا، اُنہوں نے اپنے دین میں داخل کردیا، تو ظاہر ہے کہ اُن کی ساری شریعت اُن کی خواہشوں کے سانچے میں ڈھل گئی، اُس کے اندر جو حقوق اور جو درجے اور مرتبے اُن کے لیے بیان ہوئے تھے اُن کا تو وہ اپنے آپ کو پورا پورا موروثی حق دار سمجھتے تھے، لیکن جو ذمہ داریاں اور احکام اُس میں بیان ہوئے تھے، اُن کی سرے سے اُن کو کوئی پرواہ ہی نہیں رہ گئی تھی، وہ اپنے مذکورہ نظریہ کی بدولت جزاء وسزا، قبر وحشر اور حساب ودوزخ کی فکر سے بالکل فارغ البال ہوگئے تھے۔

اسلام کے دعویداروں میں غلو کی مصیبت وبیماری سب سے زیادہ باطنیہ کے یہاں پائی جاتی ہے، انہوں نے شریعت کی تمام قیود سے اپنے آپ کو آزاد کرلینے اور خواہشاتِ نفس کو پوری پوری چھوٹ دینے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ شریعت کی تمام اصطلاحات کا مفہوم ہی یکسر بدل کے رکھ دیا، اُن کی تعریف کے لحاظ سے نہ نبی نبی رہا، نہ قرآن قرآن اور نہ روزہ روزہ رہا اور نہ نماز نماز، ہر چیز کے ظاہر وباطن کو اُنہوں نے اِس طرح مسخ کردیا کہ شریعت کا پورا حلیہ ہی بگڑ کے رہ گیا۔ مثلاً نبی اُس ذات کا نام ہے جس پر قوتِ قدسیہ کا فیضان جاری ہو، معاد سے مراد ہر چیز کا اپنی حقیقت کی طرف لوٹ آنا ہے، جنابت سے مراد افشائے راز ہے،

غسل سے مراد تجدیدِ عہد ہے، زنا سے مراد علمِ باطن کے نطفہ کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا ہے جو عہد میں شریک نہ ہو، طہارت سے مراد مذہبِ باطنیہ کے سوا ہر مذہب سے برأت ہے، صلوٰۃ سے مراد امامِ وقت کی طرف دعوت اور زکوٰۃ سے مراد ذی صلاحیت لوگوں میں علم کی اشاعت ہے۔ فرقۂ اسمٰعیلیہ ، بابیوں اور بہائیوں کا سارا نظام اِسی طرح کے عجائب وغرائب پر کھڑا ہے۔ شیعوں کے ہاں متعہ اور اِس طرح کی بعض دوسری چیزیں اِسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔ قادیانیوں نے بھی باطنیہ سے بہت کچھ لیا ہے۔ اور پوری اسلامی تاریخ میں افراط وغلو اور تقصیر وتفریط کو جس قوم نے دین کے اندر تھوک کے حساب سے داخل کیا وہ دیوبندی ، نجدی اور وہابی ہیں ، جنہوں نے اسلامی عقائد میں بعض جگہ افراط اور بعض جگہ تفریط کے ایسے باطل ومردود نظریات داخل کرر کھے ہیں جو کتاب وسنت سے صریحاً متصادم اور پوری امتِ مسلمہ کے مسلّمہ عقائد سے یکسر معارض ہیں۔

اِس زمانہ میں باطنیہ کے حقیقی وارث منکرینِ حدیث ہیں، جنہوں نے سنت کا انکار کرنے کے بعد تمام شرعی اصطلاحات ، روزہ ، نماز ، حج ، قربانی ، جنت ، دوزخ اور آخرت وغیرہ کی جو تاویلیں کرنی شروع کی ہیں، اُن سے صاف واضح ہوتا ہے کہ منکرینِ حدیث کے اغراض ومقاصد اور باطنیہ کے اغراض ومقاصد، اِن کے نظریات وعقائد اور باطنیہ کے نظریات وعقائد، اِن کی بے جا تاویلیں اور باطنیہ کی باطل تاویلیں دونوں کو آمنے سامنے رکھ لیجیے تو یہ حقیقت آپ پر بالکل عیاں ہو جائے گی کہ یہ دونوں ایک ہی باپ دادا کی اولاد اور ایک ہی ''شجرۃ الزقوم'' کے برگ وبار ہیں۔

سچ یہ ہے کہ جس قوم یا معاشرہ میں علمِ دین سے ناواقفیت عام ہو جاتی ہے وہاں خواہش پرست و بدعت پسند افراد کو دین میں افراط وغلو اور تفریط و تقصیر کا سنہرا موقع اور کھلا میدان ہاتھ آجاتا ہے ، یہ لوگ قرآنِ کریم کے ارشادات کی من چاہی تفسیر کرتے ہیں ،ضعیف و موضوع اور باطل و مردود روایات سے عقائد و احکام ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور دور از کار تاویلات کا سہارا لے کر بدعاتِ سیئہ کو دینی امور قرار دینے میں پوری توانائی صرف کر دیتے ہیں، بلکہ اُن میں سے کئی ایک قرآنِ حکیم میں لفظی ومعنوی تحریف کے مرتکب

ہوکر سادہ لوحوں کے ایمان وعقیدہ کے لیے زبردست خطرہ بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالی نے خواہشِ نفس کی پیروی کرنے والوں کی قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر پرزور مذمت بیان فرمائی ہے، ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے:

{وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰيهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللهِ اِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ} (سورۃ القصص، آیۃ: ٥٠)

اور اُس سے بڑھ کر گمراہ کون جو اللہ تعالی کی ہدایت کے بغیر اپنی خواہشِ نفس کی پیروی کرے، بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(٢) علمِ دین کو غیر شرعی اہداف اور دنیوی اغراض ومقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ بنالینا۔

جب علمِ دین کا مقصود رضاءِ الٰہی نہ ہو تو دین میں زیادتی یا کمی کرنا نفس کے لیے آسان ہوجاتا ہے اور اس کا مطمحِ نظر کسبِ مال، جھوٹی عزت وشہرت اور تکبر ونخوت بن کر رہ جاتا ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من طلب العلم ليماری به السفهاء، أو ليباهی به العلماء، أو ليصرف وجوه الناس إليه فهو فی النار۔

(السنن لابن ماجة ١/٩٣، رقم الحديث: ٢٥٣، عن سيدنا عبدالله بن عمر رضی الله تعالى عنهما۔ ومسند البزار ١٣/٤٨٧، رقم الحديث: ٧٢٩٥۔ ومعرفة الصحابة لأبی نُعَيم ٢/٤٢٧، رقم الحديث: ٧٧٨، عن سيدنا أنس بن مالك رضی الله تعالى عنه، ولفظه:

(من طلب العلم ليماری به السفهاء أو يكاثر به العلماء، أو يصرف به وجوه الناس إليه، فليتبو أمقعده من النار)

(والسنن للترمذی ٥/٣٢، رقم الحديث: ٢٦٥٤، دار احياء التراث العربی، عن كعب بن مالك رضی الله تعالى عنه، ولفظه:

(من طلب العلم ليجاری به العلماء أو ليماری به السفهاء أو يصرف به وجوه الناس إليه أدخله الله النار۔)

جس نے علمِ دین اِس لیے حاصل کیا تا کہ بے وقوفوں پر بڑائی جتائے، یا علماء کے درمیان

فخر ومباہات کرے، یا لوگوں کی توجہات اپنی طرف مبذول کرے ایسا شخص جہنم میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من تعلم علما مما یبتغی به وجه الله عز وجل لا یتعلمه إلا لیصیب به عرضا من الدنیا لم یجد عرف الجنة یوم القیامة۔

(السنن لأبی داؤد ۲/۳۶۱، رقم الحدیث: ۳۶۶۴۔ والسنن لابن ماجة ۱/۹۲، رقم الحدیث: ۲۵۲۔ و مسند أحمد بن حنبل ۲/۳۳۸، رقم الحدیث: ۸۴۳۸۔ وصحیح ابن حبان ۱/۲۷۹، رقم الحدیث: رقم الحدیث: ۷۸۔ و مسند أبی یعلی ۱۱/۲۶۰، رقم الحدیث: ۶۳۷۳۔ والمستدرک للحاکم ۱/۱۶۰، رقم الحدیث: ۲۸۸۔ و مصنف ابن أبی شیبة ۸/۵۴۳، رقم الحدیث: ۲۶۶۵۱)

جس نے ایسا علم جس سے اللہ تعالی کی رضا وخوشنودی حاصل کی جاتی ہے صرف اِس لیے حاصل کیا کہ اُس سے دنیا کا مال حاصل کرے وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔

(۳) عصبیت وجانبداری پر مبنی رجحانات وخیالات کا فروغ۔

(۴) علماءِ ربانیین ومخلصین کی صحبت سے اجتناب وگریز۔

(۵) اسلامی و مذہبی شخصیات وعبقریات کے ساتھ تعلق وعقیدت میں شرعی حدود کی رعایت و پاسداری نہ کرنا۔

انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام معصوم ہیں، تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم عادل وثقہ ہیں اور ائمۂ اربعہ کی علمی عظمت وقابلِ تقلید حیثیت پر امتِ مسلمہ کا اجماع قائم ہو چکا ہے اور اِسی طرح وہ تمام افراد وشخصیات جن کے بارے میں شریعتِ اسلامیہ نے تعلق وعقیدت کی جو حدود بیان فرمائی ہیں اُن میں کوتاہی کرنا یا زیادتی کرنا سنگین جرم اور سخت گناہ ہے، بلکہ کئی مقدس ومحترم شخصیات کی شان میں افراط وتفریط کفر وارتداد کی خطرناک دلدل میں بھی جھونک سکتا ہے۔ بدقسمتی سے کچھ لوگ شخصیات کے بارے میں قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ کی واضح تعلیمات کا لحاظ و پاس نہ رکھنے کی وجہ سے افراط وغلو یا توہین وتقصیر کا شکار ہو کر ایسے عقائد وخیالات کی بندشوں میں جکڑ چکے ہیں جن کا شرعاً کوئی ثبوت ووجود نہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

كُنتُ أُقْرِئُ رِجَالًا مِنَ الْمُهَاجِرِينَ مِنهُمْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ، فَبَيْنَمَا أَنَا فِي مَنْزِلِهِ بِمِنًى وَهُوَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِي آخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا إِذْ رَجَعَ إِلَيَّ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ: لَوْ رَأَيْتَ رَجُلًا أَتَى أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ الْيَوْمَ فَقَالَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! هَلْ لَكَ فِي فُلَانٍ، يَقُولُ لَوْ قَدْ مَاتَ عُمَرُ لَقَدْ بَايَعْتُ فُلَانًا، فَوَاللّٰهِ مَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ إِلَّا فَلْتَةً فَتَمَّتْ، فَغَضِبَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ: إِنِّي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَقَائِمٌ الْعَشِيَّةَ فِي النَّاسِ فَمُحَذِّرُهُمْ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَغْصِبُوهُمْ أُمُورَهُمْ۔ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! لَا تَفْعَلْ؛ فَإِنَّ الْمَوْسِمَ يَجْمَعُ رَعَاعَ النَّاسِ وَغَوْغَاءَهُمْ فَإِنَّهُمْ هُمُ الَّذِينَ يَغْلِبُونَ عَلَى قُرْبِكَ حِينَ تَقُومُ فِي النَّاسِ، وَأَنَا أَخْشَى أَنْ تَقُومَ فَتَقُولَ مَقَالَةً يُطَيِّرُهَا عَنْكَ كُلُّ مُطَيِّرٍ، وَأَنْ لَا يَعُوهَا وَأَنْ لَا يَضَعُوهَا عَلَى مَوَاضِعِهَا، فَأَمْهِلْ حَتَّى تَقْدَمَ الْمَدِينَةَ؛ فَإِنَّهَا دَارُ الْهِجْرَةِ وَالسُّنَّةِ، فَتَخْلُصَ بِأَهْلِ الْفِقْهِ وَأَشْرَافِ النَّاسِ، فَتَقُولَ مَا قُلْتَ مُتَمَكِّنًا، فَيَعِي أَهْلُ الْعِلْمِ مَقَالَتَكَ وَيَضَعُونَهَا عَلَى مَوَاضِعِهَا۔ فَقَالَ عُمَرُ: أَمَا وَاللّٰهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَأَقُومَنَّ بِذَلِكَ أَوَّلَ مَقَامٍ أَقُومُهُ بِالْمَدِينَةِ۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فِي عُقْبِ ذِي الْحَجَّةِ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ عَجَّلْتُ الرَّوَاحَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ، حَتَّى أَجِدَ سَعِيدَ بْنَ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ جَالِسًا إِلَى رُكْنِ الْمِنْبَرِ، فَجَلَسْتُ حَوْلَهُ تَمَسُّ رُكْبَتِي رُكْبَتَهُ، فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ خَرَجَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُ مُقْبِلًا قُلْتُ لِسَعِيدِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ: لَيَقُولَنَّ الْعَشِيَّةَ مَقَالَةً لَمْ يَقُلْهَا مُنْذُ اسْتُخْلِفَ۔ فَأَنْكَرَ عَلَيَّ وَقَالَ: مَا عَسَيْتَ أَنْ يَقُولَ مَا لَمْ يَقُلْ قَبْلَهُ۔ فَجَلَسَ عُمَرُ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَلَمَّا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُونَ قَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي قَائِلٌ لَكُمْ مَقَالَةً قَدْ قُدِّرَ لِي أَنْ أَقُولَهَا، لَا أَدْرِي لَعَلَّهَا بَيْنَ يَدَيْ أَجَلِي فَمَنْ عَقَلَهَا وَوَعَاهَا فَلْيُحَدِّثْ بِهَا حَيْثُ انْتَهَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ، وَمَنْ خَشِيَ أَنْ لَا يَعْقِلَهَا فَلَا أُحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَكْذِبَ عَلَيَّ، إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، فَكَانَ مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ آيَةُ الرَّجْمِ،

فَقَرَأْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا ، رَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ ، فَأَخْشَى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ : وَاللّٰهِ مَا نَجِدُ آيَةَ الرَّجْمِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ ، فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللّٰهُ ۔ وَالرَّجْمُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الِاعْتِرَافُ ۔ ثُمَّ إِنَّا كُنَّا نَقْرَأُ فِيمَا نَقْرَأُ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ : أَنْ لَا تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ فَإِنَّهُ كُفْرٌ بِكُمْ أَنْ تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ أَوْ إِنَّ كُفْرًا بِكُمْ أَنْ تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ أَلَا ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قَالَ : لَا تُطْرُونِي كَمَا أُطْرِيَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ، وَقُولُوا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ ۔ ثُمَّ إِنَّهُ بَلَغَنِي أَنَّ قَائِلًا مِنْكُمْ يَقُولُ : وَاللّٰهِ لَوْ قَدْ مَاتَ عُمَرُ بَايَعْتُ فُلَانًا ، فَلَا يَغْتَرَّنَّ امْرُؤٌ أَنْ يَقُولَ : إِنَّمَا كَانَتْ بَيْعَةُ أَبِي بَكْرٍ فَلْتَةً وَتَمَّتْ ، أَلَا وَإِنَّهَا قَدْ كَانَتْ كَذَلِكَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ وَقَى شَرَّهَا ، وَلَيْسَ مِنْكُمْ مَنْ تُقْطَعُ الْأَعْنَاقُ إِلَيْهِ مِثْلُ أَبِي بَكْرٍ ، مَنْ بَايَعَ رَجُلًا عَنْ غَيْرِ مَشُورَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَلَا يُبَايَعُ هُوَ وَلَا الَّذِي بَايَعَهُ تَغِرَّةً أَنْ يُقْتَلَا ، وَإِنَّهُ قَدْ كَانَ مِنْ خَبَرِنَا حِينَ تَوَفَّى اللّٰهُ نَبِيَّهُ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم أَنَّ الْأَنْصَارَ خَالَفُونَا ، وَاجْتَمَعُوا بِأَسْرِهِمْ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ ، وَخَالَفَ عَنَّا عَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ وَمَنْ مَعَهُمَا ، وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُونَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ : يَا أَبَا بَكْرٍ انْطَلِقْ بِنَا إِلَى إِخْوَانِنَا هَؤُلَاءِ مِنَ الْأَنْصَارِ ۔ فَانْطَلَقْنَا نُرِيدُهُمْ ، فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنْهُمْ لَقِيَنَا مِنْهُمْ رَجُلَانِ صَالِحَانِ ، فَذَكَرَا مَا تَمَالَأَ عَلَيْهِ الْقَوْمُ ، فَقَالَا : أَيْنَ تُرِيدُونَ يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ ؟ فَقُلْنَا : نُرِيدُ إِخْوَانَنَا هَؤُلَاءِ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَقَالَا : لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَقْرَبُوهُمْ ، اقْضُوا أَمْرَكُمْ ، فَقُلْتُ : وَاللّٰهِ لَنَأْتِيَنَّهُمْ ، فَانْطَلَقْنَا حَتَّى أَتَيْنَاهُمْ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ ، فَإِذَا رَجُلٌ مُزَمَّلٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ ، فَقُلْتُ : مَنْ هَذَا ؟ فَقَالُوا : هٰذَا سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ ، فَقُلْتُ : مَا لَهُ ؟ قَالُوا : يُوعَكُ ، فَلَمَّا جَلَسْنَا قَلِيلًا تَشَهَّدَ خَطِيبُهُمْ فَأَثْنَى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ، ثُمَّ قَالَ : أَمَّا بَعْدُ فَنَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ وَكَتِيبَةُ الْإِسْلَامِ ، وَأَنْتُمْ مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِينَ ! رَهْطٌ ، وَقَدْ دَفَّتْ دَافَّةٌ مِنْ قَوْمِكُمْ ، فَإِذَا هُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يَخْتَزِلُونَا مِنْ أَصْلِنَا وَأَنْ يَحْضُنُونَا مِنَ الْأَمْرِ ، فَلَمَّا سَكَتَ أَرَدْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ وَكُنْتُ قَدْ زَوَّرْتُ مَقَالَةً أَعْجَبَتْنِي أُرِيدُ أَنْ أُقَدِّمَهَا بَيْنَ يَدَيْ أَبِي بَكْرٍ ، وَكُنْتُ أُدَارِي مِنْهُ بَعْضَ الْحَدِّ ،

فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَتَكَلَّمَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ : عَلَى رِسْلِكَ ، فَكَرِهْتُ أَنْ أُغْضِبَهُ ، فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَكَانَ هُوَ أَحْلَمَ مِنِّي وَأَوْقَرَ ، وَاللهِ مَا تَرَكَ مِنْ كَلِمَةٍ أَعْجَبَتْنِي فِي تَزْوِيرِي إِلَّا قَالَ فِي بَدِيهَتِهِ مِثْلَهَا أَوْ أَفْضَلَ مِنْهَا ، حَتَّى سَكَتَ ـ فَقَالَ : مَا ذَكَرْتُمْ فِيكُمْ مِنْ خَيْرٍ فَأَنْتُمْ لَهُ أَهْلٌ ، وَلَنْ يُعْرَفَ هَذَا الْأَمْرُ إِلَّا لِهَذَا الْحَيِّ مِنْ قُرَيْشٍ ، هُمْ أَوْسَطُ الْعَرَبِ نَسَبًا وَدَارًا ، وَقَدْ رَضِيتُ لَكُمْ أَحَدَ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ فَبَايِعُوا أَيَّهُمَا شِئْتُمْ ، فَأَخَذَ بِيَدِي وَبِيَدِ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ ، وَهُوَ جَالِسٌ بَيْنَنَا فَلَمْ أَكْرَهْ مِمَّا قَالَ غَيْرَهَا ، كَانَ وَاللهِ أَنْ أُقَدَّمَ فَتُضْرَبَ عُنُقِي لَا يُقَرِّبُنِي ذَلِكَ مِنْ إِثْمٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَأَمَّرَ عَلَى قَوْمٍ فِيهِمْ أَبُو بَكْرٍ ، اللَّهُمَّ إِلَّا أَنْ تُسَوِّلَ إِلَيَّ نَفْسِي عِنْدَ الْمَوْتِ شَيْئًا لَا أَجِدُهُ الْآنَ ، فَقَالَ قَائِلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ : أَنَا جُذَيْلُهَا الْمُحَكَّكُ وَعُذَيْقُهَا الْمُرَجَّبُ ، مِنَّا أَمِيرٌ ، وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ! فَكَثُرَ اللَّغَطُ ، وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ حَتَّى فَرِقْتُ مِنَ الِاخْتِلَافِ ، فَقُلْتُ : ابْسُطْ يَدَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ ! فَبَسَطَ يَدَهُ فَبَايَعْتُهُ وَبَايَعَهُ الْمُهَاجِرُونَ ثُمَّ بَايَعَتْهُ الْأَنْصَارُ ، وَنَزَوْنَا عَلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ ، فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ : قَتَلْتُمْ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ ، فَقُلْتُ : قَتَلَ اللهُ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ ، قَالَ عُمَرُ : وَإِنَّا وَاللهِ مَا وَجَدْنَا فِيمَا حَضَرْنَا مِنْ أَمْرٍ أَقْوَى مِنْ مُبَايَعَةِ أَبِي بَكْرٍ ، خَشِينَا إِنْ فَارَقْنَا الْقَوْمَ وَلَمْ تَكُنْ بَيْعَةٌ أَنْ يُبَايِعُوا رَجُلًا مِنْهُمْ بَعْدَنَا ، فَإِمَّا بَايَعْنَاهُمْ عَلَى مَا لَا نَرْضَى ، وَإِمَّا نُخَالِفُهُمْ فَيَكُونُ فَسَادٌ ، فَمَنْ بَايَعَ رَجُلًا عَلَى غَيْرِ مَشُورَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَلَا يُتَابَعُ هُوَ وَلَا الَّذِي بَايَعَهُ تَغِرَّةً أَنْ يُقْتَلَا ـ (صحيح البخاری ۸/۲۰۸ ، رقم الحدیث : ۶۸۳۰)

میں کچھ مہاجرین کو قرآن شریف کا درس دیتا تھا، ان میں عبدالرحمن بن عوف بھی شامل تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے آخری حج کے دوران میں منی میں اُن کے خیمہ میں تھا اور وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس تھے، حضرت عبدالرحمن نے واپس آکر مجھ سے کہا: حیرت ہے آج ایک شخص امیر المؤمنین کے پاس آکر کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! اُس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو کہتا ہے کہ اگر عمر انتقال کر گئے تو میں فلاں کی بیعت کرلوں گا، کیونکہ اللہ کی قسم حضرت ابوبکر کی بیعت اچانک ہی تھی جو پوری ہوئی؟ یہ سن

کر فاروقِ اعظم کو جلال آ گیا، پھر فرمایا: ان شاء اللہ تعالی میں شام کو لوگوں سے خطاب کروں گا اور اُن لوگوں کو تنبیہ کروں گا جو مسلمانوں کے حقوق غصب کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمن بیان کرتے ہیں میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! ایسا نہ کریں؛ کیونکہ موسمِ حج میں کمترین و مفسدین سبھی جمع ہوتے ہیں، آپ کے خطاب کے وقت یہی لوگ زبردستی آپ کے قریب ہو جائیں گے، مجھے اندیشہ ہے کہ دورانِ خطاب آپ کی کہی ہوئی بات کو لوگ بے سمجھے لے اڑیں گے اور اُس کو غلط رنگ دے دیں گے، آپ مدینۂ منورہ واپسی تک ٹھہر جائیں، مدینہ دارِ ہجرت وسنت ہے، وہاں کے سمجھدار و معززین سے مل کر اُن کے سامنے اپنی بات مضبوطی سے رکھیں، اہلِ علم آپ کی بات کو سمجھیں گے اور اُس کو صحیح معنی پر محمول بھی کریں گے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: ٹھیک ہے اللہ کی قسم ان شاء اللہ تعالی مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے خطاب ہی کروں گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں: ہم ذوالحجہ کے اخیر میں مدینہ شریف آئے، اب جوں ہی جمعہ کا دن آیا میں سورج ڈھلتے ہی جلدی سے مسجد شریف پہنچ گیا، وہاں میں نے حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کو منبر کے کونے کے پاس بیٹھا ہوا پایا، میں اپنا زانو اُن کے زانو سے ملا کر بیٹھ گیا، کچھ ہی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ تشریف لے آئے، میں نے اُنہیں سامنے سے آتا ہوا دیکھ کر حضرت سعید بن زید سے کہا آج شام کو حضرت عمر ایسا بیان دیں گے جو خلیفہ بنائے جانے کے بعد سے اب تک نہیں دیا ہے، اُنہوں نے میری بات پر ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے امید نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسی بات کہیں گے جو اب سے پہلے نہیں کہی ہے، حضرت عمر منبر پر بیٹھے اور جب مؤذن حضرات خاموش ہو گئے تو کھڑے ہو کر اللہ تعالی کی شان کے لائق حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: حمد و ثنا کے بعد! میں تم سے ایسی بات کہنے جا رہا ہوں جس کا کہنا میرے لیے مقدر کر دیا گیا ہے، مجھے نہیں معلوم، شاید یہ بات میری موت کے سامنے ہے، لہذا جو شخص اِس کو سمجھ کر محفوظ کر لے تو جہاں بھی جائے اُس کو بیان کرے اور جسے خدشہ ہو کہ اُس نے بات کو سمجھا نہیں ہے تو میں کسی کو اپنے اوپر جھوٹ باندھنے کی اجازت نہیں دے سکتا، بے شک اللہ تعالی نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اُن

پر قرآنِ کریم نازل فرمایا، اللہ تعالی نے جو احکام نازل فرمائے ہیں آیتِ رجم بھی اُن کا ایک حصہ ہے جسے ہم نے پڑھا بھی ہے اور اُس کو سمجھ کر محفوظ بھی کیا ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر طویل زمانہ گذرنے کے بعد کچھ لوگ کہنے لگیں کہ واللہ رجم کی آیت ہمیں کتاب اللہ میں نہیں ملتی تو اللہ تعالی کے نازل کردہ فریضہ کے ترک کے سبب وہ گمراہ ہو جائیں گے، حالانکہ کتاب اللہ میں ایسے شخص کو رجم کرنا ثابت ہے جو محصَن (وہ آزاد عاقل بالغ مرد و عورت جو نکاحِ صحیح کے بعد وطی کر چکے ہوں) ہونے کے باوجود زنا کرے اور ثبوت فراہم ہو چکا ہو، یا حمل قرار پا چکا ہو، یا اقرار پا لیا گیا ہو۔ ہم کتاب اللہ کی تلاوت کے دوران یہ بھی تلاوت کرتے تھے کہ اپنے باپ دادا کے نسب سے اعراض مت کرو؛ کیونکہ باپ دادا کے نسب سے اعراض کرنا کفرانِ نعمت ہے۔ سنو! پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا کہ عیسی بن مریم کی تعریف میں کیا گیا، ہاں یہ کہو کہ اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ پھر مجھے خبر ملی ہے کہ کوئی شخص کہتا ہے کہ واللہ! اگر عمر مر جائیں تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا اور کوئی شخص اِس بات سے ہرگز دھوکہ نہ کھا جائے کہ حضرت ابوبکر کی بیعت اچانک تھی اور وہ پوری ہوئی۔ سنیے! وہ بیعت یقیناً ایسی ہی تھی، لیکن اللہ تعالی نے اُس کے شر سے محفوظ رکھا، اور تم میں ایسا کوئی نہیں جو حضرت ابوبکر جیسی فضیلتوں کا حامل ہو، جو شخص مسلمانوں سے مشاورت کیے بغیر کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لے تو اُس بیعت کرنے والے اور اُس کی پیروی کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا جائے اِس اندیشہ سے کہ کہیں دونوں قتل نہ کر دیئے جائیں۔ اور یہ بات طے ہے کہ جس وقت اللہ تعالی نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھایا اُس وقت حضرت ابوبکر ہم میں سب سے بہتر تھے، انصار نے ہماری مخالفت کی اور وہ سب کے سب سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور علی و زبیر اور اُن کے ساتھی بھی ہمارے ساتھ نہیں آئے اور مہاجرین حضرت ابوبکر کے گھر جمع ہو گئے، میں نے حضرت ابوبکر سے کہا: ابوبکر! چلیے ہم اِن انصاری بھائیوں کے یہاں چلتے ہیں، ہم لوگ چل دیئے، جب اُن حضرات کے قریب پہنچے تو اُن کے دو نیک مردوں سے ہماری ملاقات ہوئی جنہوں نے بتایا کہ پوری قوم

کس پر متفق ہو چکی ہے، اُن دونوں حضرات نے پوچھا اے مہاجرین! کہاں کا ارادہ ہے؟ ہم نے کہا ہم اِن برادرانِ انصار کے یہاں جارہے ہیں، انہوں نے کہا: اُن کے پاس نہ جاؤ، بلکہ اپنا فیصلہ خود کرو، میں نے کہا واللہ! ہم ضرور جائیں گے، اُس کے بعد ہم سقیفۂ بنی ساعدہ میں آئے، دیکھا کہ ایک صاحب کمبل اوڑھے درمیان میں موجود ہیں، میں نے کہا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ سعد بن عبادہ ہیں، میں نے کہا اِنہیں کیا ہوا ہے؟ لوگوں نے بتایا اِنہیں بخار ہے، ہمیں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ انصار کے ایک خطیب نے خطبۂ شہادت پڑھا اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی جس کا وہ مستحق ہے، اُس کے بعد انہوں نے کہا اما بعد! ہم اللہ تعالیٰ کے انصار اور اسلام کے سپاہی ہیں اور اے مہاجرین! تم گنے چنے افراد ہو، تم چند لوگ اپنی قوم سے جدا ہو کر ہمارے پاس آئے ہو اور چاہتے ہو کہ ہمیں جڑ سے اکھاڑ پھینکو اور حکومت پر قبضہ جمالو۔ جب وہ خاموش ہو گئے تو میں نے بولنا چاہا اور میں نے اپنی پسند کا ایک مضمون ٹھیک سے تیار کر رکھا تھا جسے حضرت ابوبکر کے سامنے پیش کر کے اُن کے غصہ وغیرہ کو فرو کرنا چاہتا تھا، لیکن حضرت ابوبکر نے کہا خاموش بیٹھے رہو، میں نے حضرت ابوبکر کو ناراض کرنا اچھا نہیں سمجھا، اب حضرت ابوبکر نے بولنا شروع کیا، وہ مجھ سے زیادہ حلیم و باوقار تھے، واللہ! انہوں نے اپنی فی البدیہہ گفتگو میں میری پسند کی سوچی ہوئی گفتگو کی ایک بات بھی نہیں چھوڑی، اُسی جیسی یا اُس سے بہتر باتیں بیان کر کے خاموش ہو گئے۔ حضرت ابوبکر نے یہ فرمایا: اے انصار تم نے اپنے جو فضائل بیان کیے تم اُس کے مستحق ہو، اور خلافت قبیلۂ قریش کے علاوہ کسی اور کے لیے سوچی بھی نہیں جاسکتی، قریش ہی پورے عرب میں نسب و گھر کے اعتبار سے سب سے افضل ہیں، میں تمہارے لیے اِس بات پر راضی ہوں کہ اِن دونوں حضرات میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو، اُنہوں نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑا جب کہ حضرت ابوبکر ہمارے درمیان بیٹھے تھے، حضرت ابوبکر کی یہی بات مجھے پسند نہیں آئی، واللہ! مجھے یہ بات زیادہ پسند تھی کہ مجھے آگے کر کے بغیر کسی جرم کے میری گردن ماردی جاتی بہ نسبت اِس کے کہ میں ایسی قوم کا امیر بنوں جن میں ابوبکر ہوں مگر یہ کہ موت کے وقت میرے لیے نفس اِس چیز کو آراستہ کر دے جس کا ابھی مجھے کوئی احساس نہیں

(تو الگ بات ہے)۔انصار کے ایک صاحب بولے میں صائب الرائے تجربہ کار اور معتبر و معتمد ہوں، اے مہاجرین! ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے ہو، اِس پر خوب شور ہونے لگا اور آوازیں کافی بلند ہوگئیں، یہاں تک کہ مجھے باہم ٹکراؤ کا اندیشہ ہونے لگا، یہ دیکھ کر میں نے کہا اے ابوبکر! اپنا ہاتھ بڑھایئے، اُنہوں نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا تو میں نے اُن سے بیعت کی، مہاجرین نے بیعت کی پھر انصار نے اُن سے بیعت کر لی اور ہم سعد بن عبادہ پر بھاری پڑ گئے، اُن میں سے ایک صاحب نے کہا تم نے سعد بن عبادہ کو مار ڈالا، میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے سعد بن عبادہ کو مار ڈالا، حضرت عمر نے کہا واللہ! ہمارے نزدیک اُس وقت سب سے اہم چیز حضرت ابوبکر کی بیعت تھی، ہمیں اندیشہ تھا کہ اگر ہم قوم کو بغیر بیعت کے چھوڑ دیں تو کہیں یہ لوگ ہمارے بعد اُنہیں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، اب یا تو ہم اپنی پسند کے خلاف اُن کی بیعت کریں، یا پھر اُن کی مخالفت کریں جس سے فساد برپا ہو، مسلمانوں کی باہمی مشاورت کے بغیر جو شخص کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لے تو نہ تو اُس بیعت کرنے والے کی اتباع کی جائے اور نہ اُس کے متبعین کی، اِس اندیشہ سے کہ کہیں دونوں قتل نہ کر دیئے جائیں۔

محترم قارئین! فاروقِ اعظم امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی تاریخ کے ایک عظیم باب کی جو بصیرت افروز منظر کشی فرمائی ہے اِس میں اصحابِ فکر و نظر اور اربابِ اقتدار و اختیار کے لیے بے شمار رہنما اصول اور عبرت حاصل کرنے کے لیے بیش قیمت نوادرات موجود ہیں، ارشاد کا ہر جملہ اور ہر پیرایہ اسلامی تعلیمات اور فارقِ حق و باطل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مومنانہ فراست کا شاہکار ہے اور ساتھ ہی اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اسلام افراط و غلو کی کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دیتا، جیسا کہ رسولِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی زبانِ وحی ترجمان سے ارشاد فرمایا: (میری تعریف میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں کیا)۔ مطلب یہ ہے کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں غلو و زیادتی کر کے اُن کو اللہ کا بیٹا اور الوہیت میں شریک ٹھہرایا اور تثلیث کے قائل ہو کر اپنے ایمان کو برباد کر لیا، تم بھی میری تعریف میں ایسے

مبالغات اورزیادتیوں سے بچو، میرے فضائل وکمالات اوراوصاف ومحاسن دیکھ کر مجھے اللہ کی ذات یااس کی صفات میں شریک نہ ٹھہرانا، میں اپنے تمام فضائل وفواضل، خصائل و شمائل، محامد ومحاسن، مکارم ومناقب، مدارج ومراتب اوراوصاف وکمالات کے باوجوداللہ کا بندہ اوراُس کارسول ہوں، میری ہرفضیلت وخوبی اللہ تعالی کی عطا، اُس کافضل، اُس کاانعام اوراُس کی بخشش ہے، لہذااگرکسی نے میری تعریف وتوصیف میں اُسی طرح کی مبالغہ آرائی کی اوررسالت ونبوت کی حدود سے باہرنکال کرالوہیت ومعبودیت کی حدمیں داخل کردیاتو یقیناًانجام کے اعتبارسے اُس کاحال نصاری کے حال سے مختلف نہ ہوگا۔

قارئینِ کرام! اِس کایہ مطلب بھی نہیں کہ اشرف الخلق، افضل الانبیاء، سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ بےشمارولازوال کمالات واختیارات اوران گنت وجاویدمعجزات وتصرفات جورب قدیرنے پوری کائنات میں صرف اورصرف اپنے حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوعطافرمائے ہیں اُن کے ذکروبیان میں کوتاہی ومداہنت اورتقصیروخیانت کی جائے، جیساکہ وہابی و دیوبندی اوراُن جیسے دوسرے تمام باطل وگمراہ فرقے کرتے ہیں۔ مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عرش نشان میں کوتاہی وتقصیریاتقلیل وتخفیف بدنصیبی ونامرادی کے ساتھ ساتھ ارتدادو بےایمانی اوراہلِ جہنم کی کھلی نشانی ہے، مومنِ کامل اورمصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبِّ صادق کی امتیازی شان تویہ ہوتی ہے کہ وہ یہودونصاری کی طرح اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عالی بیان کرنے میں افراط وتفریط اورغلووتقصیرسے کام نہیں لیتابلکہ سیدناامام شرف الدین ابوعبداللہ محمدبن سعیدبوصیری رحمہ اللہ تعالی کی زبان میں بابانگِ دہل اعلان کرتاہے کہ:

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَفِيْ خُلُقٍ
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ

وَكُلُّهُم مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ أَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ

وَوَاقِفُوْنَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمُ
مِنْ نُقْطَةِ الْعِلْمِ أَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

فَهُوَ الَّــذِیْ تَمَّ مَعْنَــاهُ وَصُوْرَتُهُ
ثُمَّ اصْطَفَـاهُ حَبِیْباً بَارِئُ النَّسَمِ
مُنَزَّهٌ عَـنْ شَـرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِـنِهٖ
فَجَـوْهَرُ الْحُسْـنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِـمِ
دَعْ مَــا ادَّعَتْهُ النَّصَارىٰ فِیْ نَبِیِّهِـمِ
وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحاً فِیْهِ وَاحْتَکِـمِ
وَانسُبْ إِلٰی ذَاتِهِ مَا شِـئْتَ مِنْ شَـرَفٍ
وَانسُبْ إِلٰی قَدْرِهِ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَـمِ
فَــإِنَّ فَضْلَ رَسُــوْلِ اللّٰهِ لَیْـسَ لَهٗ
حَـدٌّ فَیُعْـرِبَ عَنْـهُ نَـاطِقٌ بِفَمِ
لَمْ یَمْتَحِنَّــا بِمَـا تَعیَــا الْعُقُوْلُ بِـهٖ
حِرْصَـاً عَلَیْنَـا فَلَمْ نَرْتَـبْ وَلَمْ نَهِمِ
أَعْیٰـی الْوَرىٰ فَهْمُ مَعْنَــاهُ فَلَیْسَ یُرَی
فِی الْقُرْبِ وَالْبُعـدِ فِیْهِ غَـیْرُ مُنفَحِمِ
کَـالشَّـمْسِ تَظْهَرُ لِلْعَیْنَیْنِ مِنْ بُــعُدٍ
صَغِیْرَةً وَتُکِـلُّ الطَّـرْفَ مِنْ أَمَـمِ
وَکَیْفَ یُـدْرِکُ فِی الدُّنْیَــا حَقِیْقَتَهُ
قَــوْمٌ نِیَــامٌ تَسَلَّوا عَنْهُ بِـالْحُلُمِ
فَمَبْلَغُ الْعِـلْمِ فِیْهِ أَنَّــهٗ بَشَــرٌ
وَأَنَّــهٗ خَیْرُ خَلْـقِ اللّٰهِ کُــلِّهِمِ
(البردۃللبوصیری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدائش و عادت میں انبیاءِ کرام سے افضل ہیں
انبیاء علم و کرم میں آپ کے ہم سر تھے، نہ ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں

سمندر کے ایک کوزے یا بارش کے ایک چھینٹے کے لیے
سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتمس و سوالی بنے ہوئے ہیں
سبھی آپ کی بارگاہ میں اپنی اپنی حدود میں ہیں
یا تو نقطۂ علم کی حد پر یا حکمتوں کی ظاہری حالت پر کھڑے ہیں
آپ ہی اپنی صورت و سیرت میں کامل و تمام ہیں
آپ ہی خالقِ بشر کے حبیبِ مختار ہیں
آپ اپنے محاسن میں یکتا و شریک سے بالاتر ہیں
آپ ہی کی ذات میں جوہرِ حسن تقسیم برتر ہے
وہ بات نہ کہو جو نصاری نے اپنے نبی کے بارے میں کہی
اس کے سوا تعریف و توصیف میں جو چاہے بیان کرو
ان کی ذات کی جانب جو شرف چاہے منسوب کرو
ان کی شان کے بارے میں جو عظمت چاہے ثابت کرو
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضلیت و عظمت ورفعت کی
ایسی کوئی حد نہیں جسے کوئی اپنی زبان سے بیان کر سکے
اگر معجزات کا ظہور آپ کی عظمتِ شان کے مطابق ہوتا
تو صرف آپ کا نام لیتے ہی بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑ جاتی
مخلوق آپ کی حقیقت سمجھنے سے قاصر و عاجز ہے
دور و نزدیک سے عاجزی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا
جیسے آفتاب دور سے چھوٹا دکھائی دیتا ہے
لیکن قریب جانے پر نگاہ خیرہ ہو جاتی ہے
آپ کے بارے میں علم و معرفت کا مبلغ یہی ہے
کہ آپ بشر اور ساری مخلوق سے افضل ہیں

افراط وغلو کا علاج

افراط وغلو کے اسباب واضح ہو جانے کے بعد اُس کا علاج خود بخود سامنے آ گیا، وہ یہ کہ آدمی پوری مضبوطی کے ساتھ اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر قائم رہنے اور دوسروں کو بھی قائم رکھنے کا اہتمام والتزام کرے، جس چیز کی جو حد کتاب وسنت میں قائم کر دی گئی ہے اُس میں نہ کوئی زیادتی کرے اور نہ کوئی کمی۔ جس کا جو مرتبہ شریعت میں متعین کر دیا گیا ہے اُس سے اُس کا مرتبہ اونچا کرنے کی کوشش کرے نہ نیچا، جو چیز دین میں جتنی مقدار میں مطلوب ہے اُس میں محض اپنے جی سے نہ کوئی اضافہ کرے نہ کوئی تخفیف۔ اِسی طرح اپنی خواہشوں میں سے کسی خواہش کو شریعت کا جامہ پہنانے کی کوشش نہ کرے، اپنے من گھڑت نظریات کو، دین میں نہ گھسائے، اپنے ذاتی میلانات ورجحانات کو قرآن وحدیث کے نام سے پیش کرنے کا خواہش مند نہ بنے۔

غلو کے علاج کی یہ صورتیں ہم نے جس آسانی کے ساتھ بیان کر دیں اُن پر عمل کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے، بلکہ اِس کے لیے کئی صبر آزما مراحل سے گذرنا ہوگا، اِس کی خاطر کئی قربانیاں دینا ہوں گی اور اِس سلسلہ میں بعض نااہلوں کی جانب سے لعن وطعن کا ہدف وشکار بھی بننا پڑے گا، کیونکہ اِس زمانہ میں حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں کہ شریعت نے جن چیزوں کو معروف اور بھلائی بتایا ہے اُنہیں دین سے بے گانہ افراد نے منکر وبرائی قرار دے رکھا ہے اور جن چیزوں کو منکرات وبدعاتِ سیئہ قرار دیا ہے جاہلوں نے اُنہیں شعارِ دین اور اسلام کا بنیادی حکم بنا دیا ہے۔ اس فسادِ حال کے سبب سے اگر کوئی شخص صحیح سنت پر قائم رہنا چاہے تو وہ معاشرے اور سوسائٹی میں بالکل مطعون ومورِدِ ملامت اور بدنام ونکّو بن کے رہ جائے گا، ہر جگہ اس کا مذاق اڑایا جائے گا، ہر مجلس میں وہ خود بھی اپنے آپ کو اجنبی اور بے گانہ محسوس کرے گا اور دوسرے بھی اس کو اجنبی اور بے گانہ محسوس کریں گے، اور اگر اِس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اصلاح کی بھی کوشش کرے گا تو یہ بے گانگی فوراً اختلاف اور کشمکش کی صورت اختیار کر لے گی، پھر ہر جگہ اُس کے خلاف ایک محاذِ جنگ قائم ہوگا، یگانے اور بے

گا نے دونوں ہی اُس سے الجھتے اور لڑتے جھگڑتے نظر آئیں گے،عزیز اور دوست دشمن بن جائیں گے اور صرف وہی لوگ اُس کے ساتھ رہ جائیں گے جو یا تو پہلے سے اُس کے ہم خیال وہم نظر ہوں یا اُس کی دعوت وتبلیغ سے متاثر ہو کر اُس کے ہم آہنگ بن چکے ہوں۔ اِس صورت حال کا مقابلہ کرنا معمولی عزم وہمت کے آدمی کا کام نہیں ہے۔ یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جو دوسروں کی ناراضگیاں مول لے سکتے ہوں، جو حق کے لیے رشتوں اور قرابتوں سے بے پرواہ ہونے کی سکت رکھتے ہوں، جو اللہ کے لیے ہر طرح کا نقصان گوارا کر سکتے ہوں اور جو بدعت کے مقابلہ میں سنت کی حمایت ونصرت کے لیے پہاڑ کی طرح مضبوط چٹان بن کر میدان میں کھڑے ہونے کا جذبہ رکھتے ہوں۔

اِس راہ میں آدمی کو سب سے زیادہ قیمتی رہنمائی حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ و السلام اور صحابہٗ عظام واسلافِ امت رضی اللہ تعالی عنہم کی زندگیوں کے عملی نمونوں سے ملتی ہے، اگر آدمی امام الانبیاء، سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک سیرت اور آپ کے جاں نثار صحابہٗ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے حالات کا برابر مطالعہ کرتا رہے تو دین میں افراط وغلو کی سازشوں سے لڑنے کے لیے اُس کے اندر حرارت برابر قائم رہے گی اور صراطِ مستقیم پر چلنے کا حوصلہ شکست وریخت سے محفوظ رہے گا۔ اِس امت میں سنتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہتمام اور بدعت کی مخالفت کے پہلو سے صحابہٗ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے بعد اُن مجدّ دینِ اسلام کی سیرت ہے جنہوں نے مختلف ادوار میں احیاءِ سنت اور تجدیدِ دین کے ایسے زریں کارنامے انجام دیئے ہیں جن کے مطالعہ سے دل میں اتباعِ سنت کا جذبہ موجزن ہوجاتا ہے اور بدعاتِ سیئہ ومنکراتِ شنیعہ کی نفرت ذہن ودماغ میں راسخ ہوجاتی ہے۔

ناظرینِ کرام! افراط وتفریط کے علاج کو قدرے تفصیل کے ساتھ ذہن نشین کرنے کے لیے معمولی تعیین وتشخیص کے ساتھ عقائد ونظریات اور کچھ عبادات ومعمولات میں کی جانے والی زیادتیوں اور کوتاہیوں پر ایک نظر ڈالتے ہیں، جن سے غلو وتقصیر کی بیماری اور اُس کا علاج جاننے میں آسانی ہوگی۔

عقائد میں افراط وتفریط

عقیدۂ توحید

عقیدہ کی صحت و درستگی پر ایمان کا دارو مدار ہے، دینیات وشرعیات کی فلک بوس عمارت عقائدِ صحیحہ کی مضبوط بنیادوں پر قائم ہے، اگر اِس بنیاد میں کوئی نقص وفتور پایا گیا تو پوری عمارت کا وجود خطرہ میں پڑ جائے گا۔ تمام انبیاءِ کرام و مرسلینِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت وتبلیغ کی روح واساس اور محور و مدار عقیدۂ توحید کی تعلیم وتلقین پر ہے، اِسی عقیدۂ توحید کے بارے میں ربِّ کریم جلّ مجدہ خود ارشاد فرماتا ہے:

{قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا} (سورۃ الکھف، آیۃ: ۱۰۹)

آپ فرما دیجیے اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی بن جائے تو یقیناً سمندر توختم ہوجائے گا (لیکن) میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی، گو ہم اُسی جیسا اور بھی اُس کی مدد میں لے آئیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

{وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ} (سورۃ لقمان، آیۃ: ۲۷)

اگر روئے زمین کے تمام درخت قلم ہوجائیں اور سمندر اُن کی سیاہی اور اُس کے بعد سات سمندر اور ہوں تاہم اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔

عقیدۂ توحید کا عطر یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی ذات وصفات، اسماء واحکام اور افعال وسلطنت میں ہر قسم کے سہیم وشریک، شبیہ ومثیل، مقابل ونظیر، وزیر ومشیر اور کفو وعدیل سے پاک ومنزّہ ہے، فرشتے ہوں یا جنّات، انسان ہوں یا دیگر مخلوقات سب کی عزتیں اُس

کے حضور پست و سرنگوں ہیں، کوئی بھی اُس سے بے نیاز نہیں، سب اُس کے فضل و کرم کے فقیر و محتاج ہیں اور زبانِ حال و قال سے اپنی پستی و عاجزی اور فقر و احتیاج کے معترف ہیں، عرش تا فرش ہر مخلوق اپنی ہر حاجت و مراد کے لیے اُسی کے حضور ہاتھ پھیلاتی اور دامن پسارتی ہے، اُسی سے سوال و دعا کرتی ہے، اُسی سے طلب و رجا رکھتی ہے، اُسی کی خوشنودی و رضا چاہتی ہے، اُسی کی عطاء و بخشش کی بھیک مانگتی ہے اور اُسی کی عبادت و طاعت اور معرفت و قربت کو تمام اصول کی اصلِ حقیقی اور جملہ فرائض کی روحِ اصلی سمجھتی ہے۔

افسوس صد افسوس! افراط و تفریط پسند طبیعتوں نے اس محکم و مرصوص عقیدہ کو بھی اپنی نظریاتی دہشت گردی اور فکری آوارگی سے اچھوتا نہیں رہنے دیا، یہاں بھی زیادتی و کوتاہی کرنے لیے ہر حربہ استعمال کیا اور فلسفہ و معقولیت، الحاد و مادیت اور جہالت و غفلت کے زیرِ اثر غلو و تقصیر پر مبنی باطل خیال اور فاسد فکر کو اسلامی عقائد کا حصہ بنا دیا اور نسلوں کی گمراہی و تباہی کے لیے اپنے ذرائع و وسائل کے استعمال میں ذرا بھی کوتاہی نہیں ہونے دی، عقیدۂ توحید میں افراط و تفریط کی یہ مذموم و گھناؤنی سازش و روش آج بھی جاری ہے اور انتہائی منظم و منصوبہ بند طریقہ سے جاری ہے۔ یہ تفصیل کا موقع تو نہیں ہے تاہم عقیدۂ توحید میں آج غلو و تقصیر کی جو بے شمار صورتیں در آئی ہیں اور اُن کو ایمان و اسلام قرار دینے کے لیے زبان و قلم سے لے کر حکومت و سلطنت تک کے ذرائع بے دریغ استعمال کیے جا رہے ہیں اُن کی کچھ جھلکیاں ملاحظہ فرمائیے:

استعانت و استمداد

استعانت و استمداد کا مطلب ہے کسی سے مدد مانگنا، تعاون چاہنا، سہارا ڈھونڈنا اور مصیبت و پریشانی میں حاجت روائی و مشکلکشائی کے لیے کسی کو پکارنا۔

آسمان و زمین کی ہر مخلوق کی چھوٹی بڑی تمام حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا فرمانا اور ہر طرح کی پریشانیوں اور مصائب و آلام سے نجات دینا صرف اور صرف اللہ تعالی کی قدرت ہے؛ لہذا ما فوق الاسباب (ذرائع و وسائل کے بغیر یعنی بے وسیلہ) و ماتحت الاسباب

(ذرائع و وسائل کے ساتھ یعنی باوسیلہ) ہر طرح کے کام میں استعانت و استمداد اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے، اِس میں کوئی مخلوق اُس کی شریک ہے نہ ساجھی، معاون ہے نہ ساتھی، ربِّ قدیر تنہا سب کی فریاد و پکار کو سنتا بھی ہے اور اکیلا جس کی جو چاہتا ہے، جس طرح چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے مدد و اعانت اور نصرت و حمایت بھی فرماتا ہے، وہ نہ کسی کا محتاج ہے اور نہ اُس کے ملک و بادشاہت میں اُس کی مرضی و مشیت کے بغیر کوئی پتہ جنبش کھا سکتا ہے اور نہ کوئی ذرہ حرکت و گردش کر سکتا ہے، وہ خالق بھی ہے رازق بھی، مغنی بھی ہے غنی بھی، مالک بھی ہے قادر بھی، سمیع بھی ہے مجیب بھی، نافع بھی ہے ضارّ بھی، الغرض وہ اپنی لامحدود و غیر متناہی تمام صفاتِ کمالیہ میں مثیل و نظیر اور ہمسر و ہمدم سے پاک ہے اور پوری کائنات کا نظام تنہا، یکتا، اکیلا چلاتا ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں اِس عقیدہ کی وضاحت انتہائی صراحت کے ساتھ فرمائی گئی ہے کہ استعانت و استمداد اور دعاء و سوال اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہیں، پورے قرآنِ کریم اور ذخیرۂ حدیث میں ایک ارشاد بھی ایسا نہیں ہے جس سے اشارۃً بھی یہ معلوم ہوتا ہو کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی اور مدد و حاجت برآری کر سکتا ہے، بلکہ ربِّ قدیر تو یہاں تک ارشاد فرماتا ہے:

{ يُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوۡلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيۡلِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ كُلٌّ يَّجۡرِيۡ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ لَهُ الۡمُلۡكُ وَالَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مَا يَمۡلِكُوۡنَ مِنۡ قِطۡمِيۡرٍ ۔ اِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡا دُعَآءَ كُمۡ وَ لَوۡ سَمِعُوۡا مَا اسۡتَجَابُوۡا لَكُمۡ وَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكۡفُرُوۡنَ بِشِرۡكِكُمۡ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثۡلُ خَبِيۡرٍ ۔ يٰۤأَيُّهَا النَّاسُ أَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الۡغَنِيُّ الۡحَمِيۡدُ ۔ اِنۡ يَّشَأۡ يُذۡهِبۡكُمۡ وَيَأۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيۡزٍ }

(سورۃ فاطر، آیات: ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷)

وہ رات کو دن کے حصہ میں داخل فرماتا ہے اور دن کو رات کے حصہ میں داخل فرماتا ہے اور اُس نے آفتاب و ماہتاب کو کام میں لگا دیا، ہر ایک ایک مقرر میعاد پر چل رہا ہے، یہ ہے اللہ تمہارا رب اُسی کی بادشاہی ہے اور اُس کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو کھجور کی گھٹلی کے

چھلکے تک کے مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہاری حاجت روائی نہ کرسکیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کردیں گے اور آپ کو خبردار (اللہ تعالی) کی طرح کوئی نہیں بتائے گا۔ اے لوگو! تم سب اللہ تعالی کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز سب خوبیوں والا ہے، وہ چاہے تو تمہیں فنا کردے اور نئی مخلوق لے آئے، اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔

امام ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

{وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ} أى يجحدون أنكم عبدتموهم، ويتبرؤون منكم. ثم يجوز أن يرجع هذا إلى المعبودين مما يعقل؛ كالملائكة والجن والأنبياء والشياطين، أى يجحدون أن يكون ما فعلتموه حقا، وأنهم أمروكم بعبادتهم؛ كما أخبر عن عيسى بقوله: {مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ} ويجوز أن يندرج فيه الأصنام أيضا، أى يحييها الله حتى تخبر أنها ليست أهلا للعبادة. (الجامع لأحكام القرآن ۱۴/۳۳۵، دار الكتب المصرية، القاهرة)

(اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کردیں گے) یعنی وہ تمہاری اِس پرستش کا انکار اور تم سے براءت کا اظہار کردیں گے۔ جن کی اللہ تعالی کے سوا عبادت کی جاتی ہے وہ عاقل بھی ہوسکتے ہیں؛ جیسے فرشتے، جنات، انبیاءِ کرام اور شیاطین، تو یہ سب تمہاری عبادت و پرستش کے درست ہونے کا انکار کردیں گے اور تمہیں اپنی عبادت کا حکم دینے سے براءت کا اظہار کردیں گے، جیسا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالی نے خبر دی ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنی عبادت کرنے والے عیسائیوں کے بارے میں فرمائیں گے کہ (میرے لیے جائز نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں)، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِس میں بت داخل ہوں جنہیں اللہ تعالی قیامت کے دن زندگی عطا فرمائے گا اور وہ بتائیں گے کہ وہ عبادت و پرستش کے لائق نہیں تھے۔

اللہ تعالی نے ایک اور آیت میں معبودانِ باطل کی بے بسی و عاجزی کو یوں بیان فرمایا ہے:

{يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ

اللهِ لَنۡ يَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّ لَوِاجۡتَمَعُوۡا لَه وَ اِنۡ يَّسۡلُبۡهُمُ الذُّبَابُ شَيۡـًٔا لَّا يَسۡتَنۡقِذُوۡهُ مِنۡهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالۡمَطۡلُوۡبُ} (سورة الحج، آية: ۷۳)

لوگو! ایک حالت بیان فرمائی جارہی ہے اُسے بغور سنو، جنہیں تم اللہ تعالی کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے اگر چہ سب کے سب اُس کے لیے جمع ہو جائیں، اور اگر مکھی اُن سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اُس سے چھڑا نہیں سکتے، کتنا کمزور ہے طالب (بت، یا پجاری) اور مطلوب (مکھی، یا بت)۔

اللہ تعالی سے استعانت واستمداد اور سوال و دعا سے متعلق کتبِ حدیث میں اتنا وافر ذخیرہ موجود ہے کہ بہت سے ائمہ ومحدثین نے خاص اِسی موضوع پر مبسوط کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور احادیث وآثار کا معتد بہ حصہ جمع فرمادیا ہے۔ ذیل کی روایات سے اِس بات کا آسانی کے ساتھ پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ استعانت واستمداد اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں:

كُنۡتُ خَلۡفَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَوۡمًا، فَقَالَ: يَا غُلَامُ إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ، احۡفَظِ اللهَ يَحۡفَظۡكَ، احۡفَظِ اللهَ تَجِدۡهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلۡتَ فَاسۡأَلِ اللهَ، وَإِذَا اسۡتَعَنۡتَ فَاسۡتَعِنۡ بِاللهِ، وَاعۡلَمۡ أَنَّ الۡأُمَّةَ لَوِ اجۡتَمَعَتۡ عَلَى أَنۡ يَنۡفَعُوكَ بِشَيۡءٍ لَمۡ يَنۡفَعُوكَ إِلَّا بِشَيۡءٍ قَدۡ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ، وَلَوِ اجۡتَمَعُوا عَلَى أَنۡ يَضُرُّوكَ بِشَيۡءٍ لَمۡ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيۡءٍ قَدۡ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيۡكَ، رُفِعَتِ الۡأَقۡلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ۔

(السنن للترمذی ۴/۶۶۸، رقم الحديث: ۲۵۱۶۔ و مسند أحمد بن حنبل ۱/۳۰۳، رقم الحديث: ۲۷۶۳۔ و مسند أبی يعلى ۴/۴۳۰، رقم الحديث: ۲۵۵۶۔ و المستدرک على الصحيحين ۳/۶۲۳، رقم الحديث: ۶۳۰۳۔ و المعجم الأوسط ۵/۳۱۶، رقم الحديث: ۵۴۱۷۔ و شعب الايمان ۲/۳۵۰، رقم الحديث: ۱۰۴۳)

ایک دن (سواری پر) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے (بیٹھا ہوا) تھا، آپ نے ارشاد فرمایا: اے بچے! میں تمہیں کچھ کلمات کی تعلیم دے رہا ہوں، اللہ تعالی کے امر ونہی کی حفاظت کرو اللہ تعالی تمہاری حفاظت فرمائے گا، اللہ تعالی کے حقوق کی رعایت کرو اللہ تعالی کو

اپنے سامنے پاؤ گے، جب بھی سوال کرو تو اللہ تعالی سے سوال کرو، اور جب بھی مدد مانگو تو اللہ تعالی سے مدد مانگو، اور یہ یقین رکھو کہ اگر سب لوگ مل کر تمہیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہیں تو صرف وہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں جو اللہ تعالی نے تمہارے لیے مقدر فرما دیا ہے، اور اگر سب لوگ مل کر کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو وہی نقصان دے سکتے ہیں جو اللہ تعالی نے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔ (یعنی اب تقدیر میں کمی بیشی نہیں ہوگی)

اور اِسی مفہوم پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرماتے ہیں:

لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ كُلَّهَا حَتَّى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ۔

(السنن للترمذی ۵/۴۸۱، رقم الحدیث: ۳۹۶۲، دار الغرب الاسلامی، بیروت۔ و مسند أبی یعلی ۶/۱۳۰، رقم الحدیث: ۳۴۰۳۔ و المعجم الأوسط للطبرانی ۵/۳۷۳، رقم الحدیث: ۵۵۹۵۔ و صحیح ابن حبان ۳/۱۴۸، رقم الحدیث: ۸۶۶۔ و شعب الایمان ۲/۳۶۸، رقم الحدیث: ۱۰۷۹)

تم اپنی ساری ضرورتوں کا سوال اپنے رب سے کرو یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ یا چپل کی گھنڈی ٹوٹ جائے وہ بھی اُسی سے مانگو۔

اور حضرت ثابت بُنانی رضی اللہ تعالی عنہ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ حَتَّى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ وَحَتَّى يَسْأَلَهُ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ۔ (السنن للترمذی ۵/۴۸۱، رقم الحدیث: ۳۹۶۳، وقال فیہ: وھذا أصح من حدیث قطن عن جعفر بن سلیمان)

تم اپنی ہر حاجت کا سوال اپنے رب سے کرو یہاں تک کہ نمک اور جوتے کا تسمہ یا چپل کی گھنڈی ٹوٹ جائے وہ بھی اُسی سے مانگو۔

اِس کی شرح میں علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فإن خزائن الجود بيده وأزمتها إليه ولا معطي ولا متفضِّل إلا هو (حتى

يسأله الملح) ونحوه من الأشياء القليلة ؛ فإنه تعالى يحب السؤال من عباده ورغبتهم إليه وطلبهم منه ، ولو لم يسألوا لغضب عليهم ؛ فإنه يُيَسِّر الكثير والقليل۔ وأفاد النهي عن سؤال غيره ألبتة۔

(فيض القدير ۵/ ۴۵۱، تحت رقم الحديث: ۷۵۶۳)

اِس لیے کہ بخشش وعطا کے تمام خزانے اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہیں، اُن میں تصرف واختیار کا حق اُسی کو ہے اور وہی عطا فرمانے والا اور فضل فرمانے والا ہے، (یہاں تک کہ نمک) اور اُس جیسی معمولی چیزوں کا سوال بھی اُسی سے کرو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سوال و دعا اور اُن کی رغبت ورجوع کو پسند فرماتا ہے، اور اگر بندے سوال نہ کریں تو اُن پر غضب فرماتا ہے،تو زیادہ اور کم عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اِس حدیث شریف سے ایک فائدہ یہ حاصل ہوا کہ غیر اللہ سے سوال کرنے کی نفی یقینی ہے۔

اور ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

سلوا الله كل شيء حتى الشسع ؛ فإن الله إن لم ييسره لم يتيسر۔

(مسند أبي يعلى ۴/۳۱۲، رقم الحديث: ۴۵۶۰۔ وعمل اليوم والليلة لابن السني ۲/ ۱۷۳، رقم الحديث: ۳۵۴۔ وقال فيه الامام الهيثمي : رجاله رجال الصحيح غير محمد بن عبدالله بن المنادى وهو ثقة ۔ ويقول الفقير القادرى : رواه ابن السني من طريق أبي يعلى وصرح أن محمد عبدالله هو ابن نمير، لا ابن المنادى، فلعل ماذهب اليه الهيثمي من سهوه)

ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگو یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ؛ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اُسے آسان نہ فرمائے تو یہ آسان نہیں ہوسکتا۔

امام قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

انّي لتعرض لِيَ الحاجة من الدنيا ، فأستحيي أن أسألک يا ربِّ ، فقال الله عزّ وجلّ: سلني حتى عن ملح عجينک ، وعلف شاتک۔

(الرسالة القشيرية، ص: ۲۵۱، دار الكتب العلمية)

مجھے دنیا کی حاجت درپیش ہوتی ہے، مگر اے میرے پروردگار تجھ سے سوال کرتے مجھے حیا آتی ہے، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ: اپنے آٹے کے لیے نمک اور بکری کے لیے چارے کا بھی سوال مجھ سے ہی کیا کرو۔

کتاب وسنت کی مذکورہ تمام تصریحات پر مبنی استعانت واستمداد کے سلسلہ میں تمام مسلمانانِ عالم کا یہی عقیدہ ہے کہ نفع وضرر، خیر وشر، حاجت روائی ومشکل کشائی، فریادرسی و دادرسی اور تمام مخلوقات کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت بے شرکتِ غیر تنہا اللہ تعالی پوری فرمانے والا ہے، لیکن اِس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ اللہ تعالی نے کائنات کے نظام کو اسباب ووسائل اور آلات وذرائع سے بے نیاز وآزاد کر رکھا ہے اور زندگی کے تمام مراحل ومسائل میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کا حکم دیا ہے کہ اب کوئی شخص نہ کسی سے کچھ طلب کرسکتا ہے اور نہ کوئی شخص کسی کے کام آسکتا ہے، اگر کوئی شخص ایسا سمجھتا ہے، یا یہ عقیدہ رکھتا ہے تو اُس کو چاہیے کہ وہ جہاں ہے اور جس حال میں ہے وہ وہیں اور اُسی حالت میں پڑا رہے اور کسی سبب و وسیلہ سے اپنی زندگی کی معمولی وغیر معمولی کوئی حاجت وضرورت ہرگز پوری نہ کرے، بلکہ کھانے پینے سے لے کر زندگی گذارنے کے چھوٹے بڑے تمام کاموں کے لیے صرف بارگاہِ الٰہی میں دستِ سوال دراز کرے اور ''من وسلوی'' یا ''تابوتِ سکینہ'' کے اترنے کا انتظار کرے، تاکہ اُس کے عقیدۂ توحید پر کوئی حرف نہ آنے پائے اور شرک جیسی خطرناک لعنت میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہے، بلکہ اِس کا معنی صرف اور صرف یہ ہے کہ ہر قسم کی مدد وعطا اور نصرت وحمایت کا حقیقی خالق ومالک اللہ تعالی ہے، خواہ یہ مدد ونصرت ربِّ کریم اسباب ووسائل کے بغیر خود فرمائے یا مخلوق کی حاجت برآری ومشکل کشائی کے لیے اپنے بندوں ہی میں سے کسی کو واسطہ وذریعہ بنادے۔

قارئینِ کرام! استعانت واستمداد کے مذکورہ اسلامی عقیدہ میں افراط وغلو کرنے والے بہت سے افراد ہوئے ہیں، لیکن اس دور میں اسلام کے اِس عظیم عقیدہ میں اپنی جہالت و عقل دشمنی کی وجہ سے جس نے تشدّد وغلو کو دینی رنگ دے کر بین الاقوامی طوفان کھڑا کر رکھا ہے وہ وہابیت ونجدیت ہے، جس کا علمِ دین سے صرف وہی تعلق ورشتہ ہے جو

گمراہی کا ہدایت سے، اندھیرے کا اجالے سے، بدی کا نیکی سے، افسانے کا حقیقت سے، نار کا نور سے اور کفر کا اسلام سے ہے۔

یہ بدترین گمراہ اور بدعقل فرقہ استعانت و استمداد کے مسئلہ میں افراط وغلو اور تشدّ د و تعدّ ی کا طوفانِ بلاخیز کھڑا کر کے پوری امتِ مسلمہ کے ایمان وعقیدہ میں دن دہاڑے ڈکیتی ڈالنے پر تلا ہوا ہے اور گمراہ گری کے تمام چھوٹے بڑے اوزار وہتھیار لے کر سب کو ایک طرف سے مشرک وکافر بنانے اور گردانے میں لگا ہوا ہے۔

ناظرینِ کرام! استعانت و استمداد کا اسلامی عقیدہ متین ومضبوط اور محکم و مرصوص ہونے کے ساتھ ساتھ سورج کی طرح روشن اور بے غبار وشفّاف ہے کہ ہر حاجت وضرورت اور ہر آسانی و پریشانی میں الٰہ ومعبود سمجھ کر صرف اور صرف اللہ تعالی کو پکارا جائے گا، اُسی سے دعا کی جائے گی اور اُسی کے حضور گریہ وزاری کر کے گناہوں کی مغفرت، نیکیوں کی توفیق، جہنم سے آزادی اور جنت کی سرفرازی کی بھیک مانگی جائے گی، وہی مالک الملک ہے جسے چاہے اپنا ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزتیں بخشیں اور جسے چاہے ذلیل وخوار کردے، اُس کی نازل کردہ مضرت ومصیبت کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اُس کے عطا کردہ فضل ونعمت کو کوئی رد نہیں کرسکتا، لہٰذا ایسی قدرت وقوت، علم وخبر اور مِلک و تصرف والے کے سوا کسی کو معبود ومسجود جان کر پکارنا شرک وکفر اور بے ایمانی وسرکشی کے ساتھ ساتھ آخری درجہ کی جہالت وحماقت بھی ہے۔ یہ پاکیزہ عقیدہ جس عقلِ سلیم میں راسخ ہوجاتا ہے اُس پر یہ بات بخوبی منکشف ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالی کے سوا پوری کائنات میں کوئی اور حقیقی حاجت روا ومشکل کشا ہو ہی نہیں سکتا اور یہ یقین بھی مستحکم ہوجاتا ہے کہ وہ ربِّ قدیر اِس حاجت روائی ومشکل کشائی کی قدرت اپنی مخلوق میں جس کو چاہے عطا فرمادے اور جس طور پر چاہے عطا فرمادے، اللہ تعالی کی اِس عطا پر لب کشائی کرنا، یا اِس کا انکار کرنا اللہ تعالی کی قدرت پر حرف گیری اور کتاب وسنت کی نصوص سے انحراف ودوری ہے۔ یہ حق ہے کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ خود اور اُس کی سب خوبیاں اللہ تعالی کی عطا ہیں، اِسی طرح یہ بھی یقیناً سچ ہے کہ اللہ تعالی نے مخلوق کی حاجت روائی کے لیے اپنے محبوبین ومقربین کو بہت

سارے اختیارات وتصرفات عطا فرمائے ہیں، لہذا فرقِ مراتب ملحوظ رکھتے ہوئے اُن حضراتِ قدسیہ اور نفوسِ مبارکہ سے استعانت واستمداد اور استغاثہ وفریاد عقل ونقل دونوں کے نزدیک درست ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قدرت وقوت اور نعمت وفضیلت دے کر دوسروں کی حاجت وضرورت پورا کرنے کے لائق بنایا ہوا ہے۔

وہابی ازم کے ماننے والے چونکہ خودفریبی کے عارضہ میں مبتلا ہیں؛ اِس لیے ابلہ فریبی، مکرطرازی اور دغابازی بھلے نفس الامری معائب اور قرار واقعی جرائم ہوں، لیکن یہ عیوب ونقائص اُن کے یہاں کمالات ومحاسن کا درجہ رکھتے ہیں اور وہابیائی تحریک سے وابستہ افراد اِن کا استعمال خوب ٹوٹ کر کرتے ہیں، بلکہ کئی بار حماقت وجنون کی سب سے نچلی سطح پر پہنچ کر ایسی احمقانہ اور مجنونانہ تراش خراش پیش کرتے ہیں جو بجائے خود سفاہت کی نئی تاریخ ہوتی ہے۔ اب ذرا اِسی مسئلۂ استعانت واستمداد کو لیجیے اور وہابی مکتبِ فکر کا نقطۂ نظر ملاحظہ کیجیے، شیطانی شہرت کے حامل غیر مقلد عالم حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

اسباب وذرائع کے ماتحت ایک دوسرے سے تعاون وتناصر الگ مسئلہ ہے اور ماورائے اسباب طریقے سے حاجت روائی اور مشکل کشائی الگ مسئلہ، اول الذکر پر تو سارا نظامِ کائنات قائم ہے اور اس کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا، کوئی آدمی بھی دیگر انسانوں سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اسباب کا نظام ہی ایسا قائم کیا ہے اور ایک دوسرے سے اس طرح مربوط کردیا ہے کہ ایک لکھ پتی، کروڑ پتی بلکہ ارب پتی وکھرب پتی بھی جب تک اپنے علاوہ دوسرے انسانوں سے امداد وتعاون حاصل نہیں کرے گا، وہ زندگی میں ایک قدم بھی نہیں چل سکے گا۔ انبیاء علیہم السلام تک بھی ان اسباب و ذرائع کے مطابق ہی زندگی گذارنے پر مجبور رہے ہیں۔ اس لیے ان اسباب وذرائع کی اہمیت وافادیت ان کی ہمہ گیری وناگزیری اور ہر شخص کے لیے ان کی احتیاج وضرورت محتاجِ وضاحت نہیں، نہ یہ مابہ النزاع ہے۔ اصل مسئلہ جو توجہ طلب ہے، وہ ہے ثانی الذکر صورت، یعنی ماورائے اسباب طریقے سے اللہ کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا، مشکل کشا اور نافع وضار سمجھنا، کیا یہ بھی بالکل اسی طرح ہے جس طرح ماتحت الاسباب کسی سے امداد وتعاون حاصل کرنا؟ ظاہر بات ہے دونوں یکساں

نہیں، ان کے درمیان آسمان زمین کا فرق ہے، مشرق و مغرب کا بعد ہے، رات اور دن کا سا تفاوت ہے، استمداد و استعانت لغیر اللہ کی بحث میں ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کے عظیم اور نمایاں فرق کو نظر انداز کر کے مطلقاً اسباب و ذرائع کی افادیت و ناگزیری سے استدلال کرتے ہوئے یہ باور کرانا کہ فوت شدہ بزرگانِ کرام سے استمداد و استعانت اور ان سے حاجت روائی و مشکل کشائی کا طالب ہونا بھی جائز ہے اور اس کو شرک کہنا عقیدۂ باطلہ ہے، ایک بہت بڑا مغالطہ، انتہائی بددیانتی اور تلبیس کاری ہے۔ (قبر پرستی،ص:۶۰،۶۱)

قارئینِ کرام! اس اقتباس کو سامنے رکھیے اور کسی جگہ کوئی غیر مقلد دستیاب ہو تو اس کے منہ میں ہاتھ ڈال کر پوچھئے کہ اگر غیرت و انسانیت نام کی کسی چیز سے ادنی تعلق بھی باقی ہے تو بات بات پر دوسروں سے کتاب و سنت کی سند و دلیل کا مطالبہ کرنے والوں کے پاس کتاب اللہ تو جانے دیجیے، کیا حدیث اور وہ بھی اُس کی سب سے ادنی قسم میں کوئی ضعیف سی ضعیف دلیل بھی ایسی موجود ہے جس میں ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کی تفریق کی گئی ہو؟ اور اُس میں یہ صراحت ہو کہ اسباب و ذرائع کے تحت کسی کو حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارنا درست اور مدارِ نظامِ کائنات ہے اور ماورائے اسباب طریقے سے حاجت روا و مشکل کشا ماننا شرک اور کفر ہے؟ اور اسباب کے تحت جس کو فریادرس و دادرس، حاجت روا و مشکل کشا، نافع وضار، معین و مددگار اور کارساز و مختار مان لیا جائے تو وہ معبود ہوگا نہ معبود کا شریک، البتہ ماورائے اسباب طریقے سے کسی کو حاجت روائی کے لیے پکار لیا تو وہ معبود یا معبود کا شریک بن جائے گا اور اور پکارنے والا مشرک ہو جائے گا؟

وہابی مکتب کے دو شرک: جائز اور ناجائز

وہابیت کی ولادت کا ایک بھاری بھرکم سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے ''مسلمان مشرکین'' کے ماحول میں اُس نرالی ''توحید'' کا پرچم بلند کیا جس سے صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین اور قرونِ خیر کے صالحین و مجتہدین بھی ناآشنا تھے (معاذ اللہ)، اِس انوکھی توحید کی ترویج و اشاعت کے لیے زبان و قلم سے لے کر ضرب و حرب تک کے تمام ممکنہ

وسائل کا استعمال کیا گیا اور جزیرۂ عرب خصوصاً حجازِ مقدس اور حرمین شریفین کی سرزمین پر موجود ''اسلامی شرک'' کے تمام نشانات کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کے لیے مسلمانوں کی قتل و غارت گری اور ان کی خواتین کی آبروریزی و عصمت دری کو جہاد وثواب کا نام دیا گیا۔ ابنِ عبدالوہاب نجدی کی کوکھ سے جنم لینے والے اِس فسادی جرثومے نے یہ نظریہ قائم کیا کہ حاجت روائی ومشکل کشائی، نفع وضرر، امداد واعانت، فریادرسی و دادرسی اور کسی کی نصرت وحمایت خدائی صفات اور مدارِ الوہیت ہیں، لہٰذا اِن صفات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں ماننا شرکِ اکبر وکفر ہے۔ کتاب وسنت میں مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب کی تفریق وتقسیم کے بغیر یہ بات پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ معین و مددگار اور نافع وضار ہے، مافوق الاسباب و ماتحت الاسباب کی تفریق وتقسیم وہابیوں کا اختراع وابتداع اور منکرات ومحدثاتِ شنیعہ کے قبیل سے ہے، لہٰذا وہابیوں کو یہ کڑوا گھونٹ ہر حال میں اپنے حلق سے نیچے اتارنا ہوگا کہ اُنہوں نے اپنے خانہ ساز مذہب میں شرک کی دو قسمیں کر رکھی ہیں: جائز شرک اور ناجائز شرک، جس کی تفصیل کچھ اِس طرح ہے:

جائز شرک

تمام غیر مقلدین حضرات کو یہ بات تسلیم ہے کہ مشکل کشائی و حاجت روائی خدائی صفات ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت مخلوق میں سے کسی کے لیے مان لینا یقیناً شرک ہے، خواہ یہ صفت غیر اللہ میں مافوق الاسباب طریقہ پر مانی جائے یا ماتحت الاسباب طریقہ پر؛ کیونکہ کتاب اللہ کی تعلیم { اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ } ہے، جس کا مطلب ہے (ہم صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں)، اِس میں مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب کی تفریق کرنا کتاب اللہ کے حکم میں اپنی طرف سے اضافہ اور مجرمانہ تحریف ہے، بلکہ یہ تقسیم خاص غیر مقلدین کے بدعت پسند ذہن کی پیداوار اور کتاب وسنت کی تعلیمات کے خلاف ہے، پوری غیر مقلد برادری قیامت تک کتاب وسنت سے اِس بات پر ایک بھی دلیل پیش نہیں کرسکتی کہ مافوق الاسباب طریقہ سے غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا شرک ہے اور ماتحت الاسباب طریقہ سے

پکارنا درست ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا مافوق الاسباب طریقہ پر بھی شرک ہے اور ماتحت الاسباب طریقہ پر بھی ،اب چونکہ غیر مقلدین ماتحت الاسباب طریقہ پر غیر اللہ سے مدد طلب کرنے کو نہ صرف جائز مانتے ہیں بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اِس پر تو سارا نظامِ کائنات قائم ہے اور اِس کے بغیر دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا،کوئی آدمی بھی دیگر انسانوں سے بے نیاز نہیں ہوسکتا،لہذا ہم یہ کہنے میں یقیناً حق بجانب ہیں کہ غیر مقلدین کے یہاں شرک کی ایک قسم نہ صرف جائز ہے بلکہ اُس پر نظامِ کائنات کا دارومدار بھی ہے ۔یعنی یوں سمجھ لیجیے کہ ماتحت الاسباب طریقہ پر غیر اللہ کو مدد کے لیے پکار کر شرک کا ارتکاب کرنے والا گو کہ مشرک ہے،مگر شرک کی یہ صورت اِن ''اللہ والوں'' کے یہاں توحید کا لازمہ اور نظامِ ہستی کا بنیادی اور اساسی محور ہے۔

واہ کیا بات ہے غیر مقلدین کی انوکھی اور نرالی توحید کی ،کہ انسان رند کا رند بھی رہتا ہے اور اپنی انوکھی و نرالی اور دلاری و نئی نویلی توحید کا پرستار و علمبردار بھی بنا رہتا ہے۔

ناجائز شرک

مافوق الاسباب یا ماورائے اسباب طریقے سے کسی کو حاجت روائی کے لیے پکارنا ناجائز شرک ہے۔یعنی شرک کی یہ صورت وہابی مکتبۂ فکر کی ایجاد کردہ توحید کے منافی اور اُس کے بطن پر ضربِ کاری ہے ۔ یہ ناجائز شرک خصوصیت کے ساتھ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاءِ عظام رضی اللہ تعالی عنہم سے استعانت و استمداد کی صورت میں نمایاں طور پر ظہور پذیر ہوتا ہے اور اِس سے وہابیائی توحید کو ناقابلِ تلافی خسارہ ہوتا ہے،جس سے بوکھلا کر نجدی توحید کے متوالے کبھی بقیع شریف جیسے مقدس مقبرہ کے مکینوں پر بلڈوزر لے کر چڑھ دوڑتے ہیں اور کبھی مکۂ مکرمہ کے معروف قبرستان معلاّۃ پر دھاوا بول کر اپنی اختراعی توحید کو تسکین پہنچاتے نظر آتے ہیں،کبھی ازواجِ مطہرات وشہداءِ بدر واحد کے مقابر ومشاہد کو تہس نہس کرنے میں جٹ جاتے ہیں اور کبھی گنبدِ خضریٰ کو شہید کرنے کے لیے پر تولتے نظر آتے ہیں۔

لیکن اِس مرحلہ پر پہنچ کر ہم یہ سوال ایک بار پھر پوری قوت کے ساتھ دہرا رہے ہیں کہ غیر مقلدین پر لازم ہے کہ وہ قرآنِ کریم یا احادیثِ مبارکہ کی نصوص سے یہ بات ثابت کریں کہ ماورائے اسباب طریقہ پر غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا شرک ہے اور ماتحتِ اسباب طور پر پکارنا درست ہے۔ یہ سوال ہم نے تقریر وتحریر کے ذریعہ بارہا غیر مقلدین کے بہت سے علماء کے سامنے پیش کیا لیکن آج تک کوئی خاطر خواہ اور تشفی بخش جواب نہیں دیا گیا، اِس کا مطلب یہ ہے کہ { تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ } (سورة البقرة، آية: ۱۱۱) اور یہاں سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ غیر مقلدین کا اصل مقصد امتِ مسلمہ کے درمیان انتشار و افتراق پیدا کرنا اور اپنے مخصوص مفادات حاصل کرنے کے لیے کتاب وسنت کی واضح تعلیمات میں تحریف وتبدیل کا کھیل کھیلنا ہے، اگر اِس فرقہ کو اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات واحکامات سے کوئی دلچسپی ولگن ہوتی تو اجماعی عقائد ومسائل میں کج روی اختیار نہ کی جاتی۔

وہابیوں سے سنجیدہ سوالات

☆ کتاب اللہ کی وہ کون سی نصوص ہیں جن میں استعانت واستمداد کی دو قسمیں بیان فرمائی گئی ہیں اور ماورائے اسباب و ماتحتِ اسباب کی تفریق کر کے ماورائے اسباب طریقے سے کسی کو مدد کے لیے پکارنا کفر وشرک اور ماتحتِ اسباب طریقے سے پکارنے کو نظامِ کائنات کا حصہ قرار دیا گیا ہے؟

☆ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ کون سی احادیثِ مبارکہ ہیں جن میں آپ نے ماورائے اسباب و ماتحتِ اسباب کے فرق کو بیان فرمایا ہے اور پہلی صورت کو شرک اور دوسری صورت کو جائز، بلکہ نظامِ زندگی کا حصہ قرار دیا ہے؟

☆ یمن کے شہر سبا (مارب) سے بیت المقدس تختِ بلقیس لانے کے لیے حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنے درباریوں سے مطالبہ اور اہلِ دربار کی طرف سے اُس کا جواب، قرآنِ کریم کچھ یوں بیان فرماتا ہے:

{قَالَ يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمَلَؤُاْ أَيُّكُمۡ يَأۡتِينِي بِعَرۡشِهَا قَبۡلَ أَن يَأۡتُونِي مُسۡلِمِينَ ۔ قَالَ عِفۡرِيتٞ مِّنَ ٱلۡجِنِّ أَنَا۠ ءَاتِيكَ بِهِۦ قَبۡلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَۖ وَإِنِّي عَلَيۡهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٞ ۔ قَالَ ٱلَّذِي عِندَهُۥ عِلۡمٞ مِّنَ ٱلۡكِتَٰبِ أَنَا۠ ءَاتِيكَ بِهِۦ قَبۡلَ أَن يَرۡتَدَّ إِلَيۡكَ طَرۡفُكَۚ فَلَمَّا رَءَاهُ مُسۡتَقِرًّا عِندَهُۥ قَالَ هَٰذَا مِن فَضۡلِ رَبِّي لِيَبۡلُوَنِيٓ ءَأَشۡكُرُ أَمۡ أَكۡفُرُۖ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهِۦۖ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيّٞ كَرِيمٞ} (سورۃ النمل، آیات: ۳۸، ۳۹، ۴۰)

(حضرت سلیمان نے) کہا اے درباریو! تم میں سے کوئی ہے جو ان کے مسلمان ہو کر پہنچنے سے پہلے ہی اس (ملکہ بلقیس) کا تخت میرے پاس لے آئے۔ ایک سرکش جن بولا میں اسے آپ کی مجلس برخاست ہونے سے پہلے ہی آپ کے پاس حاضر کردوں گا اور یقینا میں اس پر قوت والا امانت دار ہوں۔ جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بولا میں اسے آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے ہی حاضر کردوں گا، جب آپ نے اسے اپنے رکھا دیکھا تو فرمایا یہ یرے رب کے فضل سے ہے تاکہ وہ میرا امتحان لے کہ میں شکر گذاری کرتا ہوں یا ناشکری، اور جو شکر ادا کرے وہ اپنے ہی نفع کے لیے شکر ادا کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا پروردگار بے نیاز کرم فرمانے والا ہے۔

☆ سوال یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام نے تختِ بلقیس منگانے کے لیے اپنے درباریوں سے جو مطالبہ فرمایا وہ مافوق الاسباب طریقے پر تھا یا ماتحت الاسباب؟

☆ اگر ماتحت الاسباب طریقے پر تھا تو وضاحت کی جائے کہ آخر اُس وقت وہ کون سے اسباب ووسائل تھے جن کو بروئے کار لایا گیا اور یمن کے شہر سبا (مارب) اور بیت المقدس کی درمیانی دوطرفہ مسافت ۳۰۰۰ رمیل کو پلک جھپکتے ہی نہ صرف ایک انسان نے طے کر لیا بلکہ ایک ایسا عظیم تخت جس کا طول ۸۰ ر ہاتھ، عرض ۴۰ ر ہاتھ اور بلندی ۳۰ ر ہاتھ بیان کی جاتی ہے، اُسے اٹھا کر حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کے دربار میں حاضر کردیا؟

☆ اُس دور کے وہ جدید آلات واسباب اور ذرائع و وسائل کیا تھے جن کی برق رفتاری کا حال یہ تھا کہ پلک جھپکنے سے پہلے ہی تین ہزار میل کی دوطرفہ مسافت طے کر لی اور

تختِ بلقیس جیسے ڈیل ڈول اور بھاری بھر کم وزن کو اٹھا کر لے آئے، جب کہ آج کی ہزار سائنسی ایجادات وترقیات اور محیّر العقول اختراعات واکتشافات کی دنیا میں بھی اِس قسم کے آلات ووسائل کا تصور معدوم ومفقود ہے؟

☆ اور اگر حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کا مطالبہ مافوق الاسباب طریقے پر تھا تو پوری وہابی لابی مل کر بتائے کہ یہ تمہارے خودساختہ ووضع کردہ ناپاک ومنحوس اور باطل ومردود طریقہ کے مطابق شرک ہوا یا نہیں؟

☆ مافوق الاسباب طریقہ سے پکارنا شرک ہے، اور حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام نے مافوق الاسباب طریقہ سے درباریوں کو مدد کے لیے پکارا، تو ایک نبی شرک وکفر کے داعی ومبلغ ہوئے یا نہیں؟

☆ کیا کوئی نبی شرک میں مبتلا ہوسکتا ہے؟

☆ حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کا فعلِ مذکور اپنی اعجازی شان کے اظہار کے لیے تھا، اور معجزہ کا ظہور وہابی مکتبِ فکر کے نزدیک انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی قدرت وقوت سے باہر ہوتا ہے تو پھر حضرت سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام نے تختِ بلقیس لانے کے لیے بلا واسطہ اللہ تعالی سے ہی کیوں دعا وسوال نہیں کیا؟

☆ مافوق الاسباب طریقہ سے درباریوں سے استمداد واستعانت کر کے ایک شرکیہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا؟

☆ کیا شرک کی یہ صورت بھی پہلی صورت کی طرح جائز ودرست ہے؟

☆ کیا ماورائے اسباب طریقے سے زندوں سے استعانت واستمداد شرک نہیں ہے؟

☆ کیا شرک صرف اہلِ قبور کو پکارنے کے ساتھ خاص ہے؟

☆ کیا وہ ہندو جو اپنے باباؤں کو ماورائے اسباب طریقے سے مشکل کشا مانتے ہیں وہ تمہارے یہاں مشرک نہیں ہیں؟

☆ اب پوری وہابی برادری اگر سینے میں دل رکھتی ہو تو اُس پر ہاتھ رکھ کر بتائے کہ مافوق الاسباب طریقے سے استعانت واستمداد کو شرک کہنا بدترین افراط وغلو ہوا یا نہیں؟

☆ اگر مافوق الاسباب طریقہ سے کسی کو مدد وحمایت کے لیے پکارنا ہی معیارِ الوہیت و معبودیت ہے تو پھر حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے درباریوں کو پکار کر ان کو الٰہ ومعبود سمجھا یا نہیں؟

☆ کیا وہابی مکتبۂ فکر کے یہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو مافوق الاسباب طریقے سے مدد کے لیے پکارنے کی بھی ایک سے زائد اقسام ہیں، جن میں کچھ شرک اور کچھ غیر شرک ہیں؟

قارئینِ کرام! ہم یہ بات کامل وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی تاریخ میں گمراہی وگمراہ گری کی نجاستوں سے آلودہ آج تک جتنی اقوام وامم، افراد واشخاص اور تحریکیں وتنظیمیں ظہور پذیر ہوئی ہیں اُن سب سے ہزاروں گنا زیادہ بے وقوف وجاہل، گمراہ وگمراہ گر، مکار و فریب طراز اور دجال وبازی گر قوم وہابیہ ونجدیہ کی ہے، جس کے پاس چند ابلیسی شعبدوں اور شیطانی مغالطات کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

وہابی مکتبِ فکر کے لوگ اپنے حواس یکجا کر کے سنیں! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

{اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ} (سورۃ الفاتحۃ، آیۃ: ۴)

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں دو چیزوں کا بیان ہے: عبادت اور استعانت، اور دونوں کے بارے میں ایک ہی اسلوب میں بیان ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جب عبادت واستعانت دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں تو پھر وہابی لابی صرف استعانت کی دو قسمیں (ماورائے اسباب استعانت اور ماتحتِ اسباب استعانت) کیوں کرتی ہے، عبادت کی بھی دو قسمیں کیوں نہیں کرتی؟

وہابیوں کو چاہیے کہ عبادت کی بھی دو قسمیں بیان کریں: ماورائے اسباب عبادت اور ماتحتِ اسباب عبادت، ماورائے اسباب عبادت کو کفر وشرک اور ماتحتِ اسباب عبادت کو نہ صرف جائز، بلکہ نظامِ کائنات کا حصہ قرار دیں۔ اگر وہابی حضرات ایسا نہیں کرتے تو استعانت وعبادت کے درمیان وجہِ فرق بیان کی جائے اور بتایا جائے کہ استعانت کی دو قسمیں کیوں ہیں اور عبادت کی یہ دو قسمیں کیوں نہیں ہیں؟

ہمارا خیال ہے کہ پوری وہابیت نجد کے صحرا میں ایڑیاں رگڑتے اور درعیہ کے ریگستان میں سسکیاں بھرتے مرجائے گی لیکن عبادت کی تقسیم نہیں کرسکے گی۔ جب عبادت کی دو قسمیں نہیں کی جاسکتیں اور ہرگز نہیں کی جاسکتیں تو استعانت کی دو قسمیں کیوں گئیں؟ جب کہ ایک ہی آیت ہے، ایک ہی اسلوب ہے، ایک ہی ترکیب ہے اور ایک ہی سیاق ہے، تو پھر دونوں میں تفریق کیوں؟

وہابی استعانت کو معیار و مدارِ الوہیت بھی قرار دیتے ہیں اور اُس کی دو قسمیں بھی بیان کرتے ہیں، تو کیا الوہیت کا معیار و مدار بھی دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا وہ جس میں پوری کائنات شریک ہے؟

☆ وہابی حضرات بتائیں جب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ۔

جب سوال کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب مدد طلب کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔

اور ایک روایت میں ہے: **لِيَسْأَلْ أَحَدُكُمْ رَبَّهُ حَاجَتَهُ حَتَّى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ وَحَتَّى يَسْأَلَهُ شِسْعَ نَعْلِهِ إِذَا انْقَطَعَ۔**

تم اپنی ہر ضرورت یہاں تک کہ نمک اور جوتے کے ٹوٹے ہوئے تسمہ کا بھی سوال اپنے رب سے کرو۔

اِن روایات سے تو یہ بات خورشیدِ عالمتاب سے بھی زیادہ واضح و روشن ہے کہ استعانت و استمداد کی دو قسمیں کرنا: ماورائے اسباب و ماتحتِ اسباب، غلط و باطل ہے، بلکہ حکم یہ ہے کہ ماورائے اسباب و ماتحتِ اسباب کی بدعتی تفریق و احمقانہ تقسیم کے چکر میں نہ جا کر اپنی ہر حاجت و ضرورت کا سوال صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے کیا جائے۔ اگر تھوڑی سی تفصیل میں بات کی جائے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ نمک مانگنا ہے تو کسی کان دار یا دوکان دار سے نہیں، اللہ تعالیٰ سے مانگیے، جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو کسی شوروم یا موچی سے نہیں، اللہ تعالیٰ سے سوال کیجیے، کھانے کی ضرورت ہو تو ماں یا بیوی سے نہیں، اللہ تعالیٰ سے طلب کیجیے،

مال و ریال کی ضرورت ہوتو یہودی یا سعودی سے نہیں ، اللہ تعالی کے حضور دستِ طلب دراز کیجیے، ملکی دفاع کی حاجت ہوتو امریکہ و برطانیہ کے آگے نہیں ، اللہ تعالی کی بارگاہ میں گریہ وزاری کیجیے، کوئی وہابی موت کے گھاٹ اتر جائے تو اُسے مٹی میں ملانے کے لیے کسی انسان کا سہارا مت لیجیے ، اللہ تعالی کے دربار میں استغاثہ پیش کیجیے کہ اُسے جلد از جلد مٹی میں ملادے ، اگر کسی نجدی کو کینسر یا ایڈز ہوجائے تو کسی ڈاکٹر وطبیب کے یہاں نہ جایئے ، اللہ تعالی کو حاجت روائی ومشکل کشائی کے لیے پکاریئے وغیرہ وغیرہ۔

☆ کیا اب بھی وہابی حضرات اپنی اس رٹ اور ضد پر قائم رہیں گے کہ استعانت و استمداد کی دو قسمیں ہیں؟

☆ کیا اب بھی یہی کہا جائے گا کہ ماورائے اسباب طریقے سے استعانت و استمداد معیارِ الوہیت ہے اور ماتحتِ اسباب طریقے سے نظامِ کائنات کا حصہ ہے؟

☆ کیا یہاں سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ استعانت و استمداد کی دو قسمیں کرنا حدیث شریف کی صریح مخالفت، کھلی بدعت اور بدترین اختراع ہے؟

ماورائے اسباب استعانت و استمداد کو اللہ تعالی کے ساتھ خاص کرنے والے اور اِس طریقے پر اللہ تعالی کے سوا انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء و صالحین رضی اللہ تعالی عنہم سے استعانت و استمداد کو شرک و کفر کہنے والے مندرجہ ذیل احادیثِ صحیحہ کے بارے میں کیا کہیں گے ، جن میں ماورائے اسباب طریقے سے اللہ تعالی کے سوا دوسروں سے صراحۃً استعانت و استمداد موجود ہے؟

ذرا مندرجہ ذیل احادیث کو ملاحظہ کیجیے اور وہابی حضرات کے معیارِ الوہیت و مدارِ معبودیت کی عمارت میں پیدا ہونے خوفناک زلزلے اور خطرناک شگاف دیکھئے:

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

کُنتُ أَبِیتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، فَأَتَیْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ ، فَقَالَ لِی : سَلْ ، فَقُلْتُ : أَسْأَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنّةِ ، قَالَ : أَوَ غَیْرَ ذٰلِکَ ؟ قُلْتُ : هُوَ ذَاکَ ، قَالَ: فَأَعِنِّی عَلَی نَفْسِکَ بِکَثْرَةِ السُّجُودِ۔

(صحیح مسلم ۲/۵۲، رقم الحدیث: ۱۱۲۲ ۔ و السنن لأبی داؤد ۱/۵۰۷ ، رقم الحدیث: ۱۳۲۲ ۔ و السنن للنسائی ۲/۲۲۷ ، رقم الحدیث: ۱۱۳۸ ۔ والسنن للترمذی ۵/۴۱۷ ، رقم الحدیث: ۳۴۱۶ ، ذکر طرفا منه ۔ والسنن لابن ماجة ۵/۴۴ ، رقم الحدیث: ۳۸۷۹ ، أیضا ذکر طرفا منه ۔ و مسد أحمد بن حنبل ۴/۵۹ ، رقم الحدیث: ۱۶۶۲۸ ۔ و معجم الصحابة للبغوی ۲/۲۰۹ ، رقم الحدیث: ۴۵۷ ، دار البیان ، الکویت ۔ و السنن الکبری للبیهقی ۲/۴۸۶ ، رقم الحدیث: ۴۷۵۰ ۔ و المعجم الکبیر للطبرانی ۴/۴۴۳ ، رقم الحدیث: ۴۴۳۷ ۔ و شرح السنة ۳/۱۴۹ ، رقم الحدیث: ۶۵۵ ۔ و معرفة الصحابة لأبی نعیم ۷/۴۸۱ ، رقم الحدیث: ۹۱۴۴ ۲)

و لفظ أبی داؤد و النسائی:

کنت آتی رسول الله ﷺ بوضوئه و بحاجته فقال سلنی (و عند أحمد: سلنی أعطک) قلت مرافقتک فی الجنة قال أو غیر ذلک قلت هو ذاک قال فأعنی علی نفسک بکثرة السجود۔

میں رات کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا، ایک شب وضو کے لیے پانی اور دیگر ضروریات لے کر آیا تو ارشاد فرمایا: مجھ سے مانگ کیا مانگتا ہے، میں تجھ کو عطا کروں گا، میں نے عرض کیا: میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا: اِس کے علاوہ اور کچھ؟ میں نے عرض کیا مجھے یہی کافی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا تو پھر خوب سجدے کر کے اپنے معاملہ میں میری مدد کرو۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا و آخرت اور ماورائے اسباب و ماتحتِ اسباب کی قید کے بغیر اپنی ذات سے مطلقاً مانگنے کی اجازت دینے والے یہ وہ رسولِ مختار ﷺ ہیں جن کا ارشادِ عالی ہے:

إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ۔ جب مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

آج دریائے کرم و رحمت اور بحرِ جود و عطا جوش پر ہے، وفا شعار غلام کی خدمت و اطاعت سے خوش ہو کر سیدِ عالم، مختارِ کائنات، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ربیعہ مانگ کیا مانگتا ہے، یہ نہیں فرماتے کہ ربیعہ جو مانگنا ہے اللہ تعالیٰ سے مانگو وہ عطا فرمائے

گا، میں تو تمہاری طرح بشر ہوں، میں کسی کو کچھ نہیں دے سکتا، بلکہ ارشاد فرماتے ہیں (سَلْنِی أُعْطِکَ) مجھ سے مانگو میں عطا کروں گا، سائل بھی بڑا دیدہ ور اور بحرِ معرفت کا شناور ہے، نہ دولت و مال کا سوال کیا اور نہ دنیوی فضل و کمال کا، بلکہ وہ لازوال سوال کیا کہ ماورائے اسباب استعانت کو شرک بتانے والے خیال کی ہوا نکل گئی۔ دنیا میں آستانِ نبوت و کاشانۂ اقدس کی دہلیز پر شب گذارنے والے سعادت مند خادم نے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ خسروی و اندازِ کرم گستری کو غنیمت سمجھا اور فردوسِ اعلی میں زیرِ قدمِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رہنے کی ابدی و دائمی رفاقت مانگ لی۔

☆ ہے کسی منہ میں زبان جو کہہ سکے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالی عنہ کو مطلقاً مانگنے کی اجازت عطا فرما کر شرکیہ استعانت کا دروازہ کھول دیا؟

☆ ہے کوئی دل جو اپنی البیلی توحید کا خون ہوتے دیکھ کر شور وفغاں کرے کہ یہ تو غیر اسلامی طریقہ اور اللہ تعالی کی توحید کے خلاف ہے؟

☆ کیا اب شرکستانِ وہابیت کی توپوں کا رخ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے غلامِ صادق سیدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالی عنہ کی جانب بھی مڑ جائے گا؟

☆ کیا اب وہابیت و نجدیت کے سورما شرک و کفر کے مسموم تیروں کی یورش امت کے ساتھ ساتھ اُس کے نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی کریں گے؟

ناظرین! اِس حدیث کے تحت علامہ نور الدین ابوالحسن علی بن محمد قاری ہروی ثم مکی حنفی رحمہ اللہ تعالی (م ۱۰۱۴ھ) اور علامہ محمد علی بن محمد بن علان صدیقی شافعی رحمہ اللہ تعالی (م ۱۰۵۷ھ) امام شہاب الدین احمد بن محمد علی بن حجر ہیتمی رحمہ اللہ تعالی (م ۹۷۴ھ) کی شرحِ مشکوۃ فتح الالٰہ سے نقل فرماتے ہیں:

(سَلْنِی) حاجة أتحفک بها فی مقابلة خدمتک لی؛ لأن هذا هو شأن الکرام، ولا أکرم منه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم. ویؤخذ من إطلاقه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الأمر بالسؤال أن الله تعالی مکّنه من إعطاء کل ما أراد من خزائن الحق، و من ثم عدّ أئمتنا من خصائصه علیه الصلوة و السلام أنه یخصّ من شاء بما شاء: کجعله شهادة خزیمة بن ثابت

بشاهدين۔ رواه البخاری، و کترخیصه فی النیاحة لأم عطية فی آل فلان خاصة۔ رواه مسلم۔

(مرقاة المفاتيح ٢/٥٦٧ ، تحت رقم الحديث : ٨٩٦ ، دار الكتب العلمية ۔ و دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين ١/٣٩٢ دار الكتب العلمية)

(ربیعہ مجھ سے اپنی ضرورت کا سوال کرو)، میں تمہاری خدمت گذاری پر انعام عطا کروں گا۔ کیونکہ کریموں کی یہی شان ہوتی ہے اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر کون کریم ہوسکتا ہے۔ سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مانگنے کا حکم مطلق دیا، اِس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے آپ کو یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ حق تعالی کے خزانوں میں سے جو چاہیں عطا فرمائیں، اِسی وجہ سے ہمارے ائمۂ کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خصائصِ شریفہ سے یہ بھی ہے کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں، جیسا کہ آپ نے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کی گواہی دو کے برابر فرمادی۔ (صحیح البخاری) اور حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالی عنہا کو آلِ فلاں کی میت پر نوحہ کرنے کی رخصت عطا فرمادی۔ (صحیح مسلم)

محترم قارئین ! اگرچہ یہ حدیث شریف وہابی ازم کے اختراعی اصول اور ابتداعی قوانین کی رو سے شرکِ صریح کی تعلیم پر مشتمل ہے، تاہم بحمدہٖ تعالی اہلِ سنت کے نزدیک اِس حدیث شریف میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظیم خصوصیت کا اظہار ہے کہ آپ اللہ تعالی کی عطا سے مالکِ جنت ہیں اور یہ اختیار رکھتے ہیں کہ جس کو چاہیں اپنی اِس ملک سے حصہ عطا فرمادیں اور جسے چاہیں اپنی اِس ملکِ خاص میں داخل ہونے سے روک دیں، اہلِ سنت کے اِس عقیدہ کی ترجمانی کرتے ہوئے امتِ اسلامیہ کے عبقری محدثین و مایہ ناز مشائخِ اسلام رحمہم اللہ تعالی میں سے امام، خاتم الحفاظ جلال الدین عبدالرحمن بن کمال ابوبکر سیوطی (م ۹۱۱ھ)، امام شہاب الدین احمد بن ابوبکر بن محمد قسطلانی (م ۹۲۳ھ)، امام محمد بن یوسف صالحی شامی (م ۹۴۲ھ) اور علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی (م ۱۱۲۲ھ) رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں:

واختص باقطاع الأراضی قبل فتحها ؛ لأن اللّٰہ تعالی ملّکه الأرض کلها ۔ وقال الغزالی : انه ﷺ کان یقطع أرض الجنة ماشاء منها لمن شاء فأرض الدنیا أولی۔

(أنموذج اللبیب ، ص : ۲۵ ، دارالکتب العلمیة ۔ والمواھب اللدنیة ۲/۶۲۶ ، المکتب الاسلامی ، بیروت ۔ و سبل الھدی والرشاد ۱۱/۳۱۶ ، لجنة احیاء التراث الاسلامی ، القاھرة۔وشرح الزرقانی علی المواھب ۷/۱۸۵، دارالکتب العلمیة)

سیدِ عالم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ زمین فتح فرمانے سے پہلے اُس کی تقسیم فرماسکتے ہیں ؛ کیونکہ اللہ تعالی نے آپ کو مکمل روئے زمین کا مالک بنادیا ہے ۔ امام غزالی فرماتے ہیں : رسول اکرم ﷺ جب جنت کی زمین میں سے جتنی چاہیں جسے چاہیں عطا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں تو پھر دنیا کی زمین کا کیا ذکر۔

یہاں اُن نصوص و آثار کا احاطہ کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے جن میں ماورائے اسباب طریقہ پر اللہ تعالی کے سوا انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء وصالحین رضی اللہ تعالی عنہم سے استعانت واستمداد کا مکمل صراحت کے ساتھ ذکر ہے، بلکہ ہم اجمالاً بتانا یہ چاہتے ہیں کہ وہابی حضرات نے استعانت واستمداد کی جو تقسیم کی ہے اور ماوارائے اسباب کی قید لگاکر استعانت کو الوہیت ومعبودیت کا جو معیار قرار دیا ہے، یہ تقسیم بدعت وضلالت ہے اور الوہیت ومعبودیت کا یہ خودساختہ معیار گمراہی وجہالت ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی معاذ اللہ مشرک اور اُن کے درباری الٰہ ومعبود اور اِسی طرح حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالی عنہ مشرک اور سیدِ عالم ﷺ معبود ہوں ۔ معاذ اللہ رب العالمین ۔ ہم پورے وثوق اور کامل اعتماد کے ساتھ یہ بات کہے دیتے ہیں کہ صورِ اسرافیل پھونکے جانے تک وہابیت کی جانب سے اِس بات کو کسی ضعیف سے ضعیف دلیل کے ذریعہ بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ استعامت ماورائے اسباب معبود والٰہ ہونے کا معیار ہے اور استعانت ماتحت اسباب پر نظامِ کائنات کا مدار ہے۔

یہ غلو کی بدترین قسم ہے کہ جو چیز معیارِ الوہیت ہو ہی نہیں سکتی اُس کو معبود ہونے کا

دارومدار قرار دے کر عقیدہ میں ایک گندی بدعت شامل کردی گئی ہے اور اُس کو ثابت کرنے کے لیے شب وروز مذبوحی حرکتوں کا ارتکاب کر کے حالات وماحول کو پراگندہ کیا جارہا ہے۔

قارئین کرام! وہابی مذہب چونکہ خود ایک ابتداعی واختراعی مذہب ہے، لہذا اُس کے نظریات وعقائد میں بدعت وضلالت کا عنصر شامل ہونا ایک فطری اور لازمی امر ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ سراپا بدعت وضلالت اِس فرقۂ محدثہ نے شرم وحیاء کا لبادہ بالکل نوچ کر پھینک دیا ہے اور خود کو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کی مثال کا ایسا مجسمہ بنالیا ہے کہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کو صبح وشام بدعتی ومشرک کہنا اِس بدعتی فرقہ کا شعار بن چکا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے تو غور کیجیے اور سنیے استعانت واستمداد خواہ ماتحتِ اسباب ہو یا ماورائے اسباب، یہ بات نہ کبھی معبود ہونے کی بنیاد تھی اور نہ صبحِ قیامت تک ہوسکتی ہے، ہاں معبود ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ وہ ذات جو واجب الوجود یا مستحقِ عبادت ہو۔ ماضی میں جتنے مشرک ہوئے ہیں یا قیامت تک جتنے مشرک ہوں گے وہ سب اِسی معنی کے اعتبار سے مشرک تھے، یا ہیں، یا ہوں گے کہ اُنہوں نے یا تو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو واجب الوجود مانا یا پھر اُن کو مستحقِ عبادت سمجھا۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو پکارنے کی مذمت وبرائی بیان فرمائی گئی ہے وہاں صرف اور صرف یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود سمجھ کر پکارنا شرک وکفر ہے، اِسی کو قرآنِ کریم نے منع فرمایا ہے۔ آیئے ذرا سرسری طور پر اہلِ سنت وجماعت اور وہابیت ونجدیت کے معیارِ الوہیت ومدارِ معبودیت کو سمجھتے ہیں اور دونوں کے درمیان پائے جانے والے فرق کی وضاحت کرتے ہیں۔

وہابی ازم اور تصورِ الٰہ

وہ ذات جس کو مافوق الاسباب طریقے سے مشکل کشائی وحاجت روائی کے لیے پکارا جائے، خوف ومصیبت میں اُس سے فریاد کی جائے اور راحت وکلفت میں اُس سے مدد ونصرت طلب کی جائے۔

الٰہ کے اِس تصور و معیار کی بنیاد ایسی عام چیزوں پر رکھی گئی ہے جو معبودِ حقیقی اللہ تعالی کے علاوہ ملائکہ، جنات اور بشر سب کو شامل ہیں۔ اِس تصور کو صحیح تسلیم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آسمانی اور زمینی مخلوق میں پائے جانے والے معبودوں کی تعداد شمار سے باہر ہو جائے گی، خالق و مخلوق کے درمیان امتیاز اٹھ جائے گا، حق و باطل کے درمیان کوئی فرق نہ رہے گا، صحیح اور غلط کی پہچان مٹ جائے گی، بلکہ توحید کا تصور و مفہوم تقریباً بے معنی ہو کر رہ جائے گا؛ کیونکہ بے شمار حالات و واقعات ایسے ہیں جہاں انسان اسباب و وسائل کی سطح سے اٹھ کر معبودِ حقیقی کے علاوہ سے بھی مدد و نصرت کا طلب گار ہوتا ہے، اپنی حاجت و ضرورت کے لیے اُسے پکارتا ہے اور اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہوئے اُسے خیر و برکت اور مدد و رحمت کا ذریعہ سمجھتا ہے، تو کیا ایک جنبشِ قلم سے اِس طرح پکارنے والوں کو مشرک و کافر اور غیر اللہ کا عابد و پرستار قرار دے کر دائرۂ اسلام سے باہر کر دیا جائے گا؟ اور سب کو بت پرست اور صنم پرست کہہ کر مومنین و موحدین کی صفوں سے خارج کر دیا جائے گا؟ اگر ایسا کیا جاتا ہے تو ہمارے خیال میں یہ افراط و غلو کی انتہائی خطرناک صورتِ حال ہوگی جس سے اسلامی تعلیمات کا پورا نظام تہہ و بالا ہو جائے گا۔

اہلِ سنت و جماعت اور تصورِ الٰہ

اہلِ سنت و جماعت کا موقف و عقیدہ یہ ہے کہ الٰہ وہ ذات ہے جو ہمیشہ سے ہے، اُس کے لیے موت، فنا، حدوث اور زندگی کا انقطاع ممکن نہیں اور وہی قادرِ مطلق، علیم و حکیم اور مستحقِ عبادت ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

الإلٰه هو الدائم الذي لا يموت، ولا يبيد، ولا يفنى، وذلك الله الذي لا إلٰه إلا هو۔ (جامع البیان، ج:۵، ص:۱۷۷)

الٰہ ہمیشہ رہنے والی اُس ذات کا نام ہے جو موت، انقطاع اور فنا سے پاک ہے اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں:

الإله هو الذي يقدر على ما يشاء ولا يقدر عليه شيء، فأما من كان مقدورا عليه فغير جائز أن يكون إله۔ (جامع البيان، ج:۵، ص:۱۷۷)

الٰہ وہ ذات ہے جو اپنی ہر مشیّت پر قادر ہو اور اُس پر کوئی شیٔ قادر نہ ہو، لہذا جس پر کوئی اور قادر ہو وہ معبود نہیں ہوسکتا۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

الإِلَهُ هُوَ الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ۔ (الأسماء والصفات، ج:۱، ص:۵۷)

الٰہ اُس ذات کو کہتے ہیں جو مستحقِ عبادت ہو۔

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فالله اسم للموجود الحق الجامع لصفات الإلهية، المنعوت بنعوت الربوبية، المنفرد بالوجود الحقيقي، لا إله إلا هو سبحانه۔ وقيل: معناه الذي يستحق أن يعبد. وقيل: معناه واجب الوجود الذي لم يزل ولا يزال، والمعنى واحد۔ (الجامع لأحكام القرآن، ج:۱، ص:۱۰۲)

اللہ اُس موجودِ حق کا نام ہے جو الوہیت و ربوبیت کی صفات کا جامع اور وجودِ حقیقی میں منفرد ہے اُس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ یا جو عبادت کا مستحق ہے۔ یا جو واجب الوجود ہے کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ بہرحال سب کا مفہوم ایک ہے۔

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الإله هو المستحق للعبادة، ولا يكون كذلك إلا إذا كان قادرا عليما حكيما۔ (مفاتيح الغيب، ج:۱، ص:۹۳)

الٰہ وہ ذات ہے جو مستحقِ عبادت ہو اور مستحقِ عبادت وہی ہوگا جو قادر، علیم اور حکیم ہو۔

علامہ شہاب الدین محمود بن عبداللہ حسینی آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الإله هو الواجب الوجود لذاته الحي العالم المريد القادر الخالق المدبر۔

(روح المعانی، ج:۹، ص:۲۸)

اللہ اُس ذات واجب الوجود کو کہتے ہیں جو ہمیشہ باقی رہنے والا، علمِ کامل رکھنے والا، بالذات ارادہ فرمانے والا، قدرت والا، خالق اور کائنات کی تدبیر فرمانے والا ہو۔

اہلِ سنت و جماعت نے اللہ کا جو مذکورہ معنی و مفہوم بیان کیا ہے یعنی وہ ذات جو واجب الوجود اور مستحقِ عبادت ہو، اُس کا واضح اور صاف معنی یہ ہے کہ بندہ جس ذات کو واجب الوجود اور مستحقِ عبادت تسلیم کرتا ہے اُس کو نفع وضرر، خیر وشر، راحت ومصیبت اور آسانی و پریشانی کا مالک بھی سمجھتا ہے، اُس کو معین و مددگار، حاجت و روا ومشکل کشا، دادرس و فریادرس اور کائنات میں تصرف وتدبیر فرمانے والا بھی جانتا ہے اور اُس ذات کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔

یہاں سے یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ وہابی حضرات کے طرز پر اللہ ومعبود کا یہ مفہوم یقیناً خودفریبی پر مبنی ہے یا یوں کہیے کہ الٹی گنگا بہانے والی بات ہے کہ جس ذات سے بھی بالواسطہ یا بلا واسطہ نفع وضرر اور حاجت روائی ومشکل کشائی کا تعلق قائم کرلیا جائے وہ ذات اللہ ومعبود ہوجاتی ہے اور حاجت روائی ومشکل کشائی کا تعلق قائم کرنے والا اُس ذات کا پرستار وعابد بن جاتا ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ وہابی حضرات کے اِس تصورِ اللہ اور مفہومِ توحید کو عقیدۂ توحید میں افراط وغلو کا نام دینا مناسب ہوگا یا عقیدۂ توحید میں تحریف وتبدیل کہنا بہتر ہوگا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ وہابی حضرات نے اِس سلسلہ میں جو کچھ کہا یا لکھا ہے اُس کی زد پر خود وہابی حضرات بھی آتے ہیں؛ کیونکہ صبح سے شام تک حوائج ومسائلِ زندگی کے لیے ایک دوسرے سے تعاون وتناصر اور مدد وفریاد کرنا نہ صرف اُن کا معمول ہے، بلکہ اُن کے بقول یہ نظامِ کائنات کا حصہ ہے، تو لازم آئے گا وہابی حضرات جس شرک سے دنیا کو بچانے کی بات کرتے ہیں اُس شرک کے دلدل میں یہ خود اوپر سے نیچے تک دھنسے ہوئے ہیں، اور یہاں ماورائے اسباب و ماتحتِ اسباب کی تفریق خود ساختہ وجعلی بھی ہے اور کتاب وسنت کی تصریحات کے خلاف بھی، جیسا کہ پہلے بیان جاچکا۔

حق یہ ہے کہ اہلِ سنت و جماعت نے اللہ کا جو تصور ومفہوم بیان کیا ہے وہ اتنا جامع اور

اہم ہے کہ کتاب وسنت کی تمام نصوص اور پورا اسلامی نظامِ فکر وعمل آپ کو اُس کی تائید کرتا ہوا نظر آئے گا، یہ مفہوم اِس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلام میں دھینگا مشتی نہیں، بلکہ صداقت وحقانیت اور اعتدال و وسطیّت ہے اور یہاں افراط وتفریط سے پاک وہ عقائد ونظریات ہیں جن میں ذرہ بھر ابہام واغلاق یا نام کو بھی اخفاء واشکال نہیں ہے۔

نصوص وشواہد اور تصورِ الٰہ

ذیل کے نصوص وشواہد سے یہ بات آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے کہ الٰہ کا جو تصور اہلِ سنت و جماعت نے پیش کیا ہے وہی حق اور سچ ہے، اور جماعتِ اہلِ حدیث اور اُن کے فکری ہم نوا جس مفہوم کو تصورِ الٰہ باور کرانا چاہتے ہیں وہ دراصل اُن کے زبردست نظریاتی انحراف اور اعتقادی گمراہی کی دلیل ہے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴾

(سورة مريم، آية: ٨١)

اور انہوں نے اللہ تعالی کے سوا دوسرے معبود بنا لیے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے قوت و غلبہ کا سبب بنیں۔

ایک جگہ فرماتا ہے:

﴿ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴾ (سورة يٰس، آية: ٧٤)

اور انہوں نے اللہ تعالی کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تا کہ ان کی مدد کی جائے۔

اِن دونوں آیات سے یہ بات واضح ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے مشرکین کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ جن کی عبادت و پرستش کرتے ہیں وہ مصائب وآلام اور مشکلات وآفات میں اُن کی حفاظت و مدد کرتے ہیں اور اُن کی حمایت و پناہ میں وہ خوف ونقصان اور عذاب وعقاب سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ مشرکین کے اِس عقیدہ سے ظاہر ہے کہ وہ جن کے ساتھ حاجت روائی و پناہ دہندگی، بالادستی و برتری، امداد واعانت اور زبردست قوت واختیار کے حامل

ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے وہ اُنہیں اولاً معبود کا درجہ دیتے تھے اور اُس کے بعد لازمی نتیجہ کے طور پر اُن کے ساتھ وہ تمام تصورات و اعتقادات وابستہ رکھتے تھے جنہیں کسی بھی معبود کے ساتھ اُس کے عابد و پرستار کو ماننا اور اُن پر قائم رہنا ایک فطری اور بدیہی بات ہے۔ یہی بات اہلِ سنت و جماعت کے تصورِ الٰہ سے ظاہر ہے کہ جس کو معبود مانا جاتا ہے اُس کے ساتھ حاجت روائی و مشکل کشائی کا تصور ایک لازمی امر ہوتا ہے، جب کہ یہ بات وہابی ازم کے پیروکاروں کے یہاں الٹی حقیقت کے طور پر باور کرائی جاتی ہے کہ جس کو مافوق الاسباب طریقہ سے پکارا جاتا ہے وہ معبود والٰہ ہوتا ہے۔

صرف بات کو سمجھ سے قریب کرنے کے لیے یوں سمجھئے کہ ماں باپ اور اپنی بیوی بچوں سے محبت و پیار ایک لازمی اور فطری چیز ہے، لیکن اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان کو جس چیز سے محبت ہو وہ اس کے والدین یا بیوی بچے بن جائیں؛ کیا انسان اپنے بھائی بہنوں سے محبت نہیں کرتا ہے، کیا اساتذہ اور اپنے بزرگوں سے اُسے لگاؤ نہیں ہوتا ہے اور اِسی طرح خاندان و بستی کے بہت سارے لوگوں سے اُسے محبت و عقیدت نہیں ہوتی ہے؟ ہوتی اور ضرور ہوتی ہے، لیکن اِس محبت و عقیدت کی وجہ سے ہر ایک کو ماں باپ یا بیوی و اولاد نہیں کہا جاسکتا۔ اب ایک بار اور اِس بات کو ذہن نشین کر لیجیے کہ انسان جس کو واجب الوجود یا مستحقِ عبادت سمجھتا ہے اُسے ضرور اپنا حاجت روا و مشکل کشا سمجھتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جسے مشکل کشا و حاجت روا سمجھتا ہو اُسے واجب الوجود یا مستحقِ عبادت بھی جانتا ہو۔

اِسی لیے ربِّ کریم پورے قرآنِ مجید میں جہاں بھی غیر اللہ یا دون اللہ کو پکارنے، اُن سے مدد طلب کرنے اور اُن کے سامنے فریاد و استغاثہ پیش کرنے کی مذمت بیان فرماتا ہے وہاں کبھی تو صراحت کے ساتھ فرماتا ہے کہ اُنہیں الٰہ و معبود ٹھہرا کر نہ پکارو اور کہیں الٰہ و معبود ٹھہرانے والی قید کو سامعین و قارئین کی سمجھ کے حوالے کر کے صرف پکارنے سے منع فرماتا ہے جس کا معنی تمام مفسرینِ کرام نے عبادت و پرستش بیان فرمایا ہے، چند آیاتِ کریمہ ملاحظہ کیجیے اور قرآنِ کریم کے اسلوبِ رفیع میں غیر اللہ کو معبود سمجھ کر پکارنے کی مذمت و برائی اور اُس پر شدید نکیر دیکھیے:

۞ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَه لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ} (سورة القصص، آیة: ۸۸)

اور اللہ کے سوا دوسرے معبود کو نہ پکارو، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے، اُسی کا حکم ہے اور اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اِس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

أی لا تعبد معه غیره؛ فانه لا اله الا هو۔ (الجامع لأحكام القرآن ۳۲۲/۱۳)

یعنی اللہ کے ساتھ دوسرے کو نہ پوجو؛ کیونکہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

۞ {فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ}

(سورة الشعراء، آیة: ۲۱۳)

تو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہ پکارو کہ تم عذاب والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

اِس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں امام ابو جعفر طبری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

أی لا تعبد معه معبودا غیره۔ (جامع البیان ۶۵۴/۱۷)

یعنی اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہ پوجو۔

۞ {لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا}

(سورة الاسراء، آیة: ۲۲)

اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ ورنہ تم بدحال بیکس ہو کر بیٹھ رہو گے۔ (یعنی بے یار و مددگار)

۞ {وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا}

(سورة الاسراء، آیة: ۳۹)

اور اللہ تعالی کسی دوسرے کو معبود نہ ٹھہراؤ کہ تمہیں ملامت خوردہ راندۂ درگاہ بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔

۞ {وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَه بِه فَاِنَّمَا حِسَابُه عِنْدَ رَبِّه

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ}(سورة المؤمنون، آية: ۱۱۷)

اور جو اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی اُس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اُس کا حساب اُس کے رب کے یہاں ہے، بے شک کافر لوگ کامیابی نہیں پائیں گے۔

اِس آیتِ کریمہ کے تحت امام ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالی (م ۷۷۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

يقول تعالى مخبرا عن المشركين فيما جهلوا و كفروا، وعبدوا من دون الله ما لم ينزل به سلطانا، يعني: حجة و برهانا، كقوله: {وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ}۔

اللہ تعالی مشرکین کی جہالت، اُن کے کفر اور بے دلیل و برہان غیر اللہ کی پرستش کرنے کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: (اور جو اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے یہاں ہے، بے شک کافر لوگ فلاح و کامیابی نہیں پائیں گے)۔

۞ {وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ إِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ}

(سورة الذاريات، آية: ۵۱)

اور اللہ کے ساتھ دوسرے کو معبود نہ ٹھہراؤ بے شک میں اس کی طرف سے تمہیں کھلا ڈر سنانے والا ہوں۔

۞ {وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ فَمَآ أَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ} (سورة هود، آية: ۱۰۱)

اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا، تو اُنہیں اُن کے معبودوں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے جب کہ تمہارے رب کا حکم آیا، اور اُنہوں نے اُن کی بربادی میں ہی اضافہ کیا۔

۞ {لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ

بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۔ وَ لِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلَالُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۔ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللهُ قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ } (سورۃ الرعد، آیات: ۱۴، ۱۵، ۱۶)

اُسی کو پکارنا حق ہے اور اُس کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ اُن کی کچھ بھی نہیں سنتے مگر اُس کی طرح جو پانی کے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلائے ہو کہ اُس کے منہ میں پہنچ جائے حالانکہ وہ ہرگز نہ پہنچے گا اور کافروں کی ہر دعا بھٹکتی پھرتی ہے۔ اور اللہ ہی کو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خوشی و ناخوشی سے سجدہ کرتی ہے اور اُن کے سائے صبح و شام ۔ آپ فرمایئے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ فرما دیجیے! اللہ ۔ آپ فرما دیجیے کیا تم نے پھر بھی اُس کے سوا حمایتی بنا رکھے ہیں جو خود اپنی جان کے بھی بھلے برے کا اختیار نہیں رکھتے، فرما دیجیے کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ یا کیا تاریکیاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہے؟ کیا جنہیں یہ اللہ کے شریک ٹھہرا رہے ہیں اُنہوں نے بھی اللہ کی طرح تخلیق کی ہے کہ اُنہیں تخلیق میں اشتباہ ہو گیا ہو؟ آپ فرما دیجیے اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے، وہ اکیلا غالب ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

{ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ } أى: يعبدون الأصنام من دون اللّٰه تعالى۔ { لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ } أى: لا يجيبونهم بشيء يريدونه من نفع أو دفع ضر۔

(معالم التنزیل ۴/۳۰۵)

(اور اس کے سوا جن کو پکارتے ہیں) یعنی اللہ تعالی کے سوا جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں (وہ اُن کی کچھ بھی نہیں سنتے ہیں) یعنی وہ جس فائدہ یا پریشانی کے ازالہ کی امید لگائے بیٹھے ہیں اُن کا کوئی جواب نہیں دیتے ہیں۔

۞ { قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا ۔ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا } (سورۃ الاسراء، آیات: ۵۶،۵۷)

آپ فرما دیجیے تم جنہیں اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو انہیں پکارو، تو وہ تمہاری تکلیف دور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں ۔ وہ جنہیں یہ کافر پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ اُن میں کون زیادہ مقرب ہے، اور وہ اُس کی رحمت کی امید رکھتے اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تمہارے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

كان نفر من الإنس يعبدون نفرا من الجن فأسلم النفر من الجن و تمسك الإنسيون بعبادتهم فأنزل الله عز و جل: { قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا ۔ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ }

(صحيح البخاری، رقم الحديث: ۴۷۱۴، ۴۷۵۱، و السنن الكبری للنسائی، رقم الحديث: ۱۱۲۲۳، ۱۱۲۲۴، ۱۱۲۲۵، و المستدرك للحاكم، رقم الحديث: ۳۳۷۸، وشرح مشكل الآثار، رقم الحديث: ۲۳۳۶، ومسند البزار، رقم الحديث: ۱۷۵۸، والتفسير لابن أبی حاتم، رقم الحديث: ۱۳۶۸۹، وجامع البيان للطبری ۶۲۷/۱۴، رقم الحديث: ۲۲۵۲۹، والدر المنثور ۳۸۳/۹)

کچھ انسان جنات کے ایک گروہ کی پرستش کرتے تھے، جنات کا وہ گروہ تو اسلام لے آیا لیکن اُن کی پوجا کرنے والے انسان اپنی پرستش پر قائم رہے تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: (آپ فرما دیجیے تم جنہیں اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو انہیں پکارو، تو وہ تمہاری تکلیف دور کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں ۔ وہ جنہیں یہ کافر پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب

کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں)

۞ {وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ}

(سورۃ الزخرف، آیات: ۸۶، ۸۷)

اور جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں (شفاعت کا اختیار نہیں ہے) جو حق کی گواہی دیں اور وہ علم بھی رکھتے ہوں۔ اور اگر آپ ان سے دریافت فرمائیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا، تو یقیناً یہ جواب دیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کہاں الٹے جاتے ہیں۔

اِس آیت کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

إن الله تعالى ذكره أخبر أنه لا يملك الذين يعبدهم المشركون من دون الله الشفاعة عنده لأحد، إلا من شهد بالحقّ، وشهادته بالحقّ: هو إقراره بتوحيد الله، يعني بذلك: إلا من آمن بالله، وهم يعلمون حقيقة توحيده، ولم يخصص بأن الذى لا يملك ملك الشفاعة منهم بعض من كان يعبد من دون الله، فذلك على جميع من كان تعبد قريش من دون الله يوم نزلت هذه الآية وغيرهم، وقد كان فيهم من يعبد من دون الله الآلهة، وكان فيهم من يعبد من دونه الملائكة وغيرهم، فجميع أولئك داخلون فى قوله: ولا يملك الذين يدعو قريش وسائر العرب من دون الله الشفاعة عند الله۔ ثم استثنى جلّ ثناؤه بقوله: {إِلا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ} وهم الذين يشهدون شهادة الحقّ فيوحدون الله، ويخلصون له الوحدانية، على علم منهم ويقين بذلك، أنهم يملكون الشفاعة عنده بإذنه لهم بها، كما قال جلّ ثناؤه: {وَلا يَشْفَعُونَ إِلا لِمَنِ ارْتَضَى} فأثبت جلّ ثناؤه للملائكة وعيسى وعُزير ملكهم من الشفاعة ما نفاه عن الآلهة والأوثان باستثنائه الذى استثناه۔ (جامع البيان ۲۰/۶۲۳، ۶۲۴)

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے کہ مشرکین اللہ تعالی کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہیں اُنہیں اللہ تعالی کی بارگاہ میں اُن میں سے کسی کی شفاعت کا اختیار نہیں ہے سوائے حق کی شہادت

دینے والوں کے، حق کی گواہی سے مراد توحیدِ الٰہی کا اقرار ہے، یعنی جو لوگ توحید کی حقیقت کو سمجھ کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں وہ مستثنیٰ ہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی پرستش کی جاتی ہے اُن میں سے کچھ کو شفاعت کا اختیار ہے اور کچھ کو نہیں ہے، بلکہ اِس آیت کے عموم میں وہ تمام معبود شامل ہیں جنہیں قریشِ مکہ اِس آیت کے نزول کے وقت پوجتے تھے، خواہ وہ اُن کے بت ہوں یا فرشتے وغیرہ، سب کے بارے میں ارشاد ہے کہ اُنہیں شفاعت کا اختیار نہیں ہے، اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے استثنا فرمایا کہ ہاں جو حق کی شہادت دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور علم ویقین کے ساتھ اپنے عقیدۂ توحید میں مخلص ہیں اُنہیں شفاعت کا اختیار حاصل ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے کہ (اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اُن کی جنہیں اللہ تعالیٰ پسند فرمائے) خلاصہ یہ کہ جس شفاعت کا اختیار بتوں کو حاصل نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اُس کا اختیار فرشتوں اور حضرت عیسیٰ وحضرت عزیر علیہما السلام کو عطا فرما دیا ہے۔

۞ { أَلَآ إِنَّ لِلَّهِ مَن فِي ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَن فِي ٱلۡأَرۡضِۗ وَمَا يَتَّبِعُ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ شُرَكَآءَۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنۡ هُمۡ إِلَّا يَخۡرُصُونَ }

(سورۃ یونس، آیۃ: ٦٦)

یاد رکھو جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں، اور کس چیز کی پیروی کر رہے ہیں وہ لوگ جو اللہ کے سوا شرکاء کو پکار رہے ہیں، وہ محض گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور وہ صرف اٹکلیں لگا رہے ہیں۔

۞ { قُلۡ إِنِّي نُهِيتُ أَنۡ أَعۡبُدَ ٱلَّذِينَ تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِۚ قُل لَّآ أَتَّبِعُ أَهۡوَآءَكُمۡ قَدۡ ضَلَلۡتُ إِذٗا وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلۡمُهۡتَدِينَ } (سورۃ الأنعام، آیۃ: ٥٦)

آپ فرما دیجیے مجھے منع کیا گیا ہے کہ اُن کی عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، آپ فرما دیجیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا کہ تب تو میں بہک جاؤں گا اور سیدھی راہ چلنے والوں سے نہ رہوں گا۔

۞ { فَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنِ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَوۡ كَذَّبَ بِـَٔايَٰتِهِۦٓۚ أُوْلَٰٓئِكَ

يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰى إِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ} (سورة الأعراف، آية: ۳۷)

تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اُس کی آیتیں جھٹلائیں اُنہیں اُن کے نصیب کا لکھا پہنچے گا یہاں تک کہ جب اُن کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُن کی جان نکالنے آئیں گے تو اُن سے کہیں گے کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے تھے وہ کہیں گے وہ سب ہم سے غائب ہو گئے اور اپنے بارے میں گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔

۞ {فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صٰلِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔ أَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۔ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّ لَآ أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۔ وَإِنْ تَدْعُوْهُمْ إِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوْهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۔ إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ أَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۔ إِنَّ وَلِيِّيَ اللهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۔ وَ إِنْ تَدْعُوْهُمْ إِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ}

(سورة الأعراف، آيات: ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸)

پھر جب اُس نے اُنہیں صحیح سالم اولاد دے دی اُنہوں نے اُس کی عطا میں اُس کے شریک ٹھہرا لیے تو اللہ اُن کے شرک سے برتر ہے۔ کیا ایسے کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتا اور وہ سب خود ہی پیدا کیے گئے ہیں۔ اور نہ وہ اُن کو کوئی مدد پہنچا سکتے ہیں اور نہ اپنی کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم اُنہیں سیدھے راستہ کی طرف بلاؤ تو تمہاری پیروی نہ

کریں تم پر یکساں ہے چاہے انہیں پکارو یا خاموش رہو۔ یقیناً اللہ کے سوا تم جنہیں پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح بندے ہیں، تو اُنہیں پکارو پھر وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو۔ کیا اُن کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہوں یا اُن کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہوں یا اُن کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہوں یا اُن کے کان ہیں جن سے سنتے ہوں، آپ فرما دیجیے کہ اپنے سب شرکاء کو بلا لو پھر میرے خلاف چال چلو اور مجھے مہلت نہ دو۔ بے شک میرا مددگار اللہ ہے جس نے کتاب نازل فرمائی اور وہ نیکوں کی مدد فرماتا ہے۔ اور تم جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو نہ وہ تمہیں مدد پہنچا سکتے ہیں اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم اُن کو سیدھے راستہ کی طرف بلاؤ تو نہ سنیں اور تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں حالانکہ انہیں دکھائی ہی نہیں دیتا۔

۞ ﴿ قُلْ أَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَٰوَٰتِ أَمْ ءَاتَيْنَٰهُمْ كِتَٰبًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِّنْهُ بَلْ إِن يَعِدُ الظَّٰلِمُونَ بَعْضُهُم بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴾

(سورۃ فاطر، آیۃ: ۴۰)

آپ فرما دیجیے تم اُن شرکاء کے بارے میں تو بتاؤ جنہیں اللہ کے سوا پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ اُنہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا آسمانوں میں اُن کا کچھ ساجھا ہے یا ہم نے اُنہیں کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اُس کی واضح دلیل پر قائم ہیں بلکہ ظالم باہم محض دھوکے کی باتوں کا وعدہ کرتے ہیں۔

۞ ﴿ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلْ أَفَرَءَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَٰشِفَٰتُ ضُرِّهِۦٓ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَٰتُ رَحْمَتِهِۦ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴾ (سورۃ الزمر، آیۃ: ۳۸)

اور اگر آپ ان سے پوچھیں آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو یقیناً وہ یہی جواب دیں گے اللہ نے۔ آپ فرمائیں اچھا یہ تو بتاؤ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ تعالیٰ

مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو کیا وہ اُس کی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ یا وہ مجھ پر مہربانی فرمانا چاہے تو کیا وہ اُس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟ آپ فرما دیجیے اللہ مجھے کافی ہے، توکل کرنے والے اُسی پر توکل کرتے ہیں۔

ناظرینِ کرام! موافق و مخالف سبھی کا اِس پر اجماع ہے کہ مذکورہ تمام آیاتِ کریمہ اور اِس مضمون کی باقی دیگر تمام آیاتِ قرآنیہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو پکارنے کا مطلب اُس کو معبود والٰہ سمجھ کر اپنی حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے آواز دینا اور بلانا ہے، دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ مشرکین کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جس کو معبود سمجھتے تھے اُس کو اپنے ہر دکھ سکھ میں پکارتے تھے، اُس کو مشکل کشا و حاجت روا سمجھتے تھے اور اُس کے آگے تعظیم و توقیر، عاجزی و فروتنی اور انکساری و نیازمندی کے ایسے جذبات و احساسات اور عقائد و خیالات کا اظہار کرتے تھے جو صرف ایک عابد اپنے معبود کے سامنے ہی پیش کر سکتا ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ جس کو بھی مدد کے لیے پکارتے تھے اُس کو معبود بھی سمجھتے تھے، بلکہ وہ جس کو معبود سمجھتے تھے اُس کو حاجت روا و مشکل کشا بھی سمجھتے تھے۔ وہابی حضرات چونکہ ہر سیدھی بات کو الٹا سمجھنے کے عادی و خوگر ہیں، لہٰذا یہاں بھی اُن کی کج روی ظاہر ہے اور اِس فرقہ نے یہاں غلو و افراط کی ایسی صورت اختیار کر رکھی ہے کہ حقیقت کو بالکل بدل کر بلکہ الٹ کر رکھ دیا ہے اور یہ موقف عقیدۂ راسخہ کے طور پر اپنا رکھا ہے کہ جس کو بھی مافوق الاسباب طریقہ پر پکارا جائے وہ معبود ہوتا ہے، حالانکہ قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ سے اِس عقیدہ کی تائید و توثیق تو کجا، بلکہ اِس عقیدہ و موقف کے برعکس ایسے صدہا شواہد موجود ہیں جن سے اظہر من الشّمس ہے کہ موحدین و مسلمین کا انبیاءِ کرام و مرسلینِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء و صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مافوق الاسباب طریقہ سے حاجت و روائی و مشکل کشائی کے لیے پکارنا نہ صرف جائز و مباح ہے، بلکہ بہت سے مقامات پر مستحب و مستحسن اور مطلوب و مندوب ہے۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحیح بخاری میں ایک مستقل باب کا عنوان ہی یہ قائم فرمایا ہے:

باب من استعان بالضعفاء والصالحين فی الحرب۔ (صحیح البخاری ۴/۴۴)

یعنی جہاد میں کمزوروں اور صالحین سے مدد طلب کرنے کا بیان۔

اِس باب کے تحت جو حدیث بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَأْتِي زَمَانٌ يَغْزُو فِئَامٌ مِنَ النَّاسِ ، فَيُقَالُ : فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ ، فَيُفْتَحُ عَلَيْهِ ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ ، فَيُقَالُ : فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ؟ فَيُقَالُ : نَعَمْ ، فَيُفْتَحُ ، ثُمَّ يَأْتِي زَمَانٌ ، فَيُقَالُ : فِيكُمْ مَنْ صَحِبَ صَاحِبَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم؟ فَيُقَالُ: نَعَمْ، فَيُفْتَحُ۔

(صحیح البخاری ۴/۴۴، رقم الحدیث:۲۸۹۷)

ایک زمانہ آئے گا جس میں لوگوں کی ایک جماعت جہاد کرے گی تو کہا جائے گا کیا تم میں کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابی ہیں؟ کہا جائے گا ہاں ہیں، تو اُنہیں فتح حاصل ہو جائے گی، پھر ایک زمانہ آئے گا اور کہا جائے گا کیا تم میں کوئی ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کی صحبت پائی ہو؟ جواب دیا جائے گا کہ ہاں ہیں، تو اُنہیں فتح مل جائے گی، پھر ایک زمانہ آئے گا اور کہا جائے گا کیا تم میں کوئی ہے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب کے اصحاب کی صحبت پائی ہو؟ کہا جائے گا ہاں، تو اُنہیں فتح حاصل ہو جائے گی۔

حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

رَأَى سَعْدٌ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ لَهُ فَضْلًا عَلَى مَنْ دُونَهُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم : هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ۔

(صحیح البخاری ۴/۴۴، رقم الحدیث:۲۸۹۶)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھتے تھے کہ اُنہیں دوسروں پر (بہادری و مالداری کی وجہ سے) فضیلت حاصل ہے، اِس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہیں مدد اور روزی تمہارے کمزوروں (کی برکت) کی وجہ سے ملتی ہے۔

یہ دونوں احادیث اِس بات کے بیان میں بالکل صریح ہیں کہ ضعفاء وصالحین سے استعانت واستمداد یقیناً جائز ہے اور اللہ تعالی اُن کی برکت سے اپنے بندوں کی مدد بھی فرماتا ہے اور اُنہیں روزی بھی عطا فرماتا ہے۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّهُ كَانَ يَضْرِبُ غُلَامَهُ، فَجَعَلَ يَقُولُ: أَعُوذُ بِاللهِ، قَالَ: فَجَعَلَ يَضْرِبُهُ، فَقَالَ: أَعُوذُ بِرَسُولِ اللهِ، فَتَرَكَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: وَاللهِ، لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ، قَالَ: فَأَعْتَقَهُ۔ (صحيح مسلم ۵/۹۲، رقم الحديث: ۴۳۹۹)

وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، غلام کہنے لگا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، وہ اُس کو مارتے رہے، اُس نے کہا: میں رسول اللہ ﷺ کی پناہ مانگتا ہوں، تو اُنہوں نے اُس کو چھوڑ دیا، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالی تم پر اِس سے زیادہ قادر ہے جتنا تم اِس پر قادر ہو، حضرت ابومسعود بیان کرتے ہیں: یہ سن کر اُنہوں نے اُس کو آزاد کر دیا۔

یہاں ایک غلام نے اپنی مصیبت میں مشکل کشائی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دہائی دی، بدری صحابی حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالی عنہ نے اُس کو چھوڑ دیا، مگر اُس پر شرک کا فتوی نہیں لگایا کہ تم نے اللہ تعالی کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی پناہ کیوں مانگی، یہ کفر وشرک ہے، اِسی طرح سیدِ عالم ﷺ نے اُس دہائی کو بنفسِ نفیس خود سنا مگر غلام کو مشرک نہیں فرمایا، یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مصیبت وپریشانی کے وقت پکارنا، آپ کی پناہ طلب کرنا اور آپ کے نامِ پاک کی دُہائی دینا شرک نہیں ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ابْغُونِي ضُعَفَاءَكُمْ، فَإِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ۔

(السنن للترمذی، ج: ۴، ص: ۲۰۶، رقم الحديث: ۱۷۰۲۔ والسنن لأبی داؤد، ج: ۲، ص: ۳۳۷، رقم الحديث: ۲۵۹۶۔ والسنن للنسائی، ج: ۶، ص: ۴۵، رقم الحديث: ۳۱۷۹۔ والمسند لأحمد بن حنبل، ج: ۵، ص: ۱۹۸، رقم الحديث: ۲۱۷۷۹۔ ومسند البزار، ج: ۱۰، ص: ۷۴، رقم الحديث: ۴۱۳۹۔ والسنن الكبری للبيهقی، ج: ۳، ص: ۳۴۵، رقم

الحدیث: ۶۶۱۵۔ والمستدرک علی الصحیحین، ج: ۲، ص: ۱۱۶۔ رقم الحدیث: ۲۵۰۹۔ وصحیح ابن حبان، ج: ۱۱، ص: ۸۵، رقم الحدیث: ۴۷۶۷۔ ومسند الشامیین للطبرانی، ج: ۱، ص: ۳۳۵، رقم الحدیث: ۵۹۰)

میرے لیے اپنے ضعیف اور کمزور لوگ تلاش کر کے لاؤ؛ کیونکہ تمہیں اپنے کمزوروں اور ضعیفوں کی برکت کی وجہ سے روزی دی جاتی ہے اور اُنہیں کی وجہ سے تمہاری مدد ونصرت کی جاتی ہے۔

استعانت واستمداد میں غلو کا ایک اور انداز

استعانت واستمداد میں غلو کی ایک صورت تو یہ تھی کہ ایک مشہور مکتبۂ فکر نے حقیقت کو تبدیل کر ڈالا ہے اور یہ باطل عقیدہ بنا رکھا ہے کہ جس کو بھی حاجت روائی ومشکل کشائی کے لیے پکارا جائے وہ الہ ومعبود ہوگا، لہذا اِس فرقے نے پوری اسلامی دنیا میں کفر وشرک کا وہ بلا خیز طوفان کھڑا کر رکھا ہے جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی، حد یہ ہے کہ اِس بدنصیب و بے حیا فرقے سے وابستہ لوگوں نے مومنین ومسلمین اور اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات واحکامات کو صدق دل سے تسلیم کرنے والے موحدین وصالحین کو مشرک ومرتد اور قبر پرست وکافر قرار دینے کی خطرناک مہم چلا رکھی ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالی من شرور هذه الفرقة الضالة المضلة۔**

قارئینِ کرام! استعانت واستمداد کے مسئلہ میں وہابی ونجدی فرقے کے اِس افراط وغلو یا تبدیل وتحریف پر مبنی باطل ومردود عقیدے کے مقابل کچھ جاہل وبے علم لوگوں نے انبیاءِ کرام ومرسلینِ عظام علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاءِ امت وصالحینِ ملت رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے استمداد واستعانت اور استغاثہ وفریاد میں اِس قدر تشدّد وغلو اختیار کر رکھا ہے کہ کئی بار اُن کے انداز واطوار اور طرز وروش سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اُنہوں نے شرعی اصول وقوانین اور اسلامی قواعد وفرامین کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور اپنی جہالت ونادانی اور شریعتِ اسلامیہ سے غفلت وبے خبری کے نتیجہ میں مزارات ومقابر پر

ایسی گندی، گھناؤنی اور بے ہودہ حرکتوں کو اسلام اور دینی احکام سمجھ لیا ہے جنہیں دیکھ کر مومنِ صادق کی ایمانی روح کانپنے لگتی ہے، اولیاء وصالحین سے عقیدت کا دم بھرنے والے بہت سے جاہل و بے عقل لوگ مزارات کا طواف کرتے ہیں، وہاں اپنی مصیبت و پریشانی کی تفصیلات پر مشتمل عرضیاں لٹکاتے ہیں، وہاں کے درختوں پر دھاگے، فیتے، ڈورے اور مالائیں ڈالتے ہیں، مزار کے قریب واقع مسجد میں جماعت ہوتی رہتی ہے مگر جاہلانہ اور مجنونانہ عقیدتِ اولیاء کی دھن میں مگن کئی احمق مزار پر رونے اور اپنی آپ بیتی سنانے میں لگے رہتے ہیں مگر اُس رب کے حضور سجدہ کرنے کی توفیق نہیں ہوتی جو اُس صاحبِ مزار کا بھی خالق و مالک ہے جس کے چرنوں اور قدموں میں گر کر یہ رونے دھونے میں لگے ہوئے ہیں، اُن نادان عقیدت کیشوں کو ذرا بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ اِس مزار اور صاحبِ مزار کی ساری عزتوں اور عظمتوں کا عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، صاحبِ مزار کے تمام کمالات کا اصل راز ہی یہ ہے کہ اُنہوں نے خود کو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُس کے دینِ پاک پر عمل کرنے کے لیے وقف کر دیا تھا، ایسے جاہل و گنوار زائرین جو اللہ تعالیٰ کے احکام و فرائض کی کھلے عام خلاف ورزی کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک سنتوں کا بے دردی کے ساتھ خون کرتے ہیں اُنہیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ فرضِ الٰہی وحکمِ پروردگار سے انحراف کرنے والے کو پوری کائنات میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور اُس کے حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم سے سرتابی کرنے والے کا کسی در پر کوئی بھلا نہیں ہو سکتا، وہ جن صالحین ومقربینِ الٰہی کے دربار میں حاضر ہیں اُن کے فیوض و برکات اور انوار و تجلیات اُسی وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ خود کو اسلامی سیرت و کردار کا حامل بنا لیا جائے اور اپنے لیے اُسی مبارک دین کی اتباع و پیروی کو دنیا و آخرت کی فلاح و صلاح کا ضامن سمجھا جائے جس دین کے احکام کی بجا آوری اور تقویٰ و پرہیز گاری نے اِن صالحین ومقربین کو صاحبِ فیض وکرم اور حاجت روا و مشکل کشا بنایا ہے۔

یہاں یہ بتا دینا انتہائی ضروری ہے کہ ایک بے علم و جاہل اور احکامِ شریعت و اصولِ دین سے غافل جو عموماً ضروریاتِ دین سے بھی باخبر نہیں ہوتا، بلکہ اُس کا ایمان کمزور و محض

تقلیدی اور دوسروں کی دیکھا دیکھی پر مبنی ہوتا ہے اُس کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ہر حاجت وضرورت، آفت ومصیبت اور دکھ درد سے نجات ورہائی حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مناجات وعرضداشت پیش کرے، اُسی کے حضور گریہ وزاری کرے اور اُسی کے دربار میں استغاثہ وفریاد کرے اور انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء وصالحین سے ڈائریکٹ استعانت و استمداد کے بجائے اُن کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے ہی سوال و دعا کرے، اگرچہ اُس کے محبوبین سے مانگنا بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنا ہے، لیکن سائل چونکہ جاہل اور ضعیف الایمان ہے، یہاں قوی اندیشہ ہے کہ یہ مقربین ومحبوبینِ بارگاہِ الٰہی کو امداد واعانت اور حاجت روائی ومشکل کشائی کے لیے مستقل ومختار اور بالذات تصرف وتدبیر کا مالک سمجھ سکتا ہے، جو کہ یقیناً شرک وکفر ہے، لہٰذا جو مانگنا ہے وہ ڈائریکٹ اللہ تعالیٰ سے مانگے، ہاں صالحین اور دیگر اعمالِ صالحہ کا وسیلہ پیش کرکے سوال ودعا کرے تو زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ مقبول بندوں اور مقبول اعمال کی برکات سے دعائیں جلد قبول ہوتی ہیں۔

سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ کا یہ واقعہ بغور ملاحظہ فرمائیے اور درسِ عبرت حاصل کیجیے:

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ جَاءَ إِلَى الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ فَقَبَّلَهُ ، فَقَالَ: إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ۔

(صحیح البخاری ۲/ ۱۸۳ ، رقم الحدیث: ۱۵۹۷ ، و صحیح مسلم ۴/ ۶۶ ، رقم الحدیث: ۳۱۲۸ عن عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالی عنہ ۔ و مسند أحمد بن حنبل ۱/ ۴۶ ، رقم الحدیث: ۳۲۵)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجرِ اسود کے پاس آئے اور اُسے بوسہ دیا، پھر فرمایا: میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع دے سکتا ہے، اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تیرا بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تیرا بوسہ نہ لیتا۔

اِس کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أراد به بيان الحث على الاقتداء برسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في تقبيله ، و نبّه على أنه

لو لا الاقتداء به لما فعله ، وإنما قال : وإنک لا تضر ولا تنفع ؛ لئلا یغتر بعض قریبی العهد بالإسلام الذین کانوا ألفوا عبادة الأحجار وتعظیمها ورجاء نفعها ، وخوف الضرر بالتقصیر فی تعظیمها ، وکان العهد قریبا بذلک ، فخاف عمر رضی اللہ تعالی عنه أن یراہ بعضهم یقبله ، ویعتنی به ، فیشتبه علیه فبین أنه لا یضر ولا ینفع بذاته ، وإن کان امتثال ما شرع فیه ینفع بالجزاء والثواب ، فمعناه أنه لا قدرة له علی نفع ولا ضر ، وأنه حجر مخلوق کباقی المخلوقات التی لا تضر ولا تنفع وأشاع عمر هذا فی الموسم ؛ لیشهد فی البلدان ، ویحفظه عنه أهل الموسم المختلفو الأوطان۔ (المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج ۹/۷۰، ۷۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو حجرِ اسود کے استلام کے سلسلہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع پر برانگیختہ کیا جائے اور یہ بتادیا جائے کہ اگر اتباعِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مقصود نہ ہوتی تو وہ بوسہ نہ دیتے۔ اور آپ نے جو یہ فرمایا کہ (تو نقصان دیتا ہے نہ فائدہ) اُس کا مقصد یہ ہے کہ وہ نومسلم دھوکہ نہ کھا جائیں جو پتھروں کی پرستش سے مانوس تھے اور اُن کی تعظیم، اُن سے نفع کی امید اور تعظیم میں کوتاہی سے نقصان کا خوف رکھتے تھے اور بت پرستی کا یہ دور کوئی دور بھی نہیں تھا، اِس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اندیشہ ہوا کہ اُنہیں بوسہ دیتے ہوئے دیکھ کر کہیں کسی شخص کو حق و باطل کے درمیان التباس نہ ہوجائے، لہذا آپ نے واضح فرمادیا کہ یہ پتھر بالذات نقصان دیتا ہے نہ فائدہ۔ اگرچہ حکمِ شریعت کی تعمیل میں جزاء وثواب کا فائدہ ہے تاہم اُس کا مطلب یہ ہے کہ اِس پتھر میں بالذات نفع ونقصان کی کوئی قدرت نہیں ہے، یہ پتھر اُن تمام مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہے جو نقصان دے سکتی ہیں نہ فائدہ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اِس بات کا اعلان زمانۂ حج میں اِس لیے فرمایا تاکہ مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے حجاج اِس کو سن لیں اور ہر شہر میں یہ بات پہنچ جائے۔

اور امام بدرالدین عینی رحمہ اللہ تعالی اِس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

تکلم الشارحون فی مراد عمر رضی اللہ تعالی عنه بهذا الکلام ، فقال محمد بن جریر الطبری : إنما قال ذلک ؛ لأن الناس کانوا حدیثی عهد بعبادة

الأصنام، فخشي عمر رضی اللہ تعالی عنه أن یظن الجهال بأن استلام الحجر هو مثل ما كانت العرب تفعله، فأراد عمر رضی اللہ تعالی عنه أن يعلم أن استلامه لا يقصد به إلا تعظيم الله عز وجل، والوقوف عند أمر نبيه وأن ذلک من شعائر الحج التي أمر الله بتعظيمها، وأن استلامه مخالف لفعل الجاهلية فی عبادتهم الأصنام؛ لأنهم كانوا يعتقدون أنها تقربهم إلى الله زلفى، فنبه عمر على مخالفة هذا الاعتقاد وأنه لا ينبغي أن يعبد إلا من يملک الضرر والنفع، وهو الله جل جلاله۔ وقال المحب الطبری: ان قول عمر لذلک طلب منه للآثار وبحث عنها وعن معانيها، قال: ولما رأى أن الحجر يستلم ولا يعلم له سبب يظهر للحس ولا من جهة العقل ترک فيه الرأی والقياس وصار إلى محض الاتباع كما صنع فی الرمل۔ وقال الخطابی: فی حديث عمر من الفقه أن متابعة النبی واجبة وإن لم يوقف فيها على علل معلومة وأسباب معقولة، وأن أعيانها حجة على من بلغته وإن لم يفقه معانيها، ومن المعلوم أن تقبيل الحجر إكرام وإعظام لحقه، قال: وفضل الله بعض الأحجار على بعض كما فضل بعض البقاع على بعض وبعض الليالی والأيام على بعض۔ (عمدة القاری ٩/٣٤٤)

شارحین نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اِس ارشاد کی مراد پر کلام کیا ہے، امام محمد بن جریر طبری فرماتے ہیں: چونکہ بت پرستی کا زمانہ ابھی زیادہ نہیں گذرا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں جاہل لوگ یہ نہ سمجھ لیں کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا زمانۂ جاہلیت کی بت پرستی کی طرح ہے، لہذا آپ نے یہ اعلان فرمادیا کہ حجرِ اسود کے استلام کا مقصد صرف اللہ تعالی کی تعظیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل ہے، نیز یہ اُن شعائرِ حج سے ہے جن کی تعظیم کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے اور حجرِ اسود کا یہ استلام زمانۂ جاہلیت کی بت پرستی سے بالکل مختلف ہے؛ کیونکہ بت پرستوں کا عقیدہ یہ تھا کہ بت پرستی سے اُن کو اللہ تعالی کی قربت حاصل ہوجاتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے اِس عقیدہ کی مخالفت پر تنبیہ فرمادی کہ عبادت و پرستش کے لائق وہی ہے جو نفع وضرر کا مالک ہے اور وہ اللہ تعالی کی ذات ہے۔

محب طبری فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ ارشاد احادیث و آثار کی اتباع و اقتدا پر مبنی ہے؛ چونکہ حجرِ اسود کے استلام کا حسّی اور عقلی طور پر کوئی سبب ظاہر نہیں ہے، لہذا اِس سلسلہ میں رمل کی طرح عقل وقیاس کے بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع واقتدا کو اختیار فرمایا۔ امام خطابی فرماتے ہیں: کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے اِس ارشاد سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع واجب ہے اور سنت اپنی اصل حالت کے مطابق ہی حجت ہے اگرچہ اُس کا مطلب، علت اور سبب معلوم نہ ہو سکے، اور یہ بات ثابت ہے کہ حجرِ اسود کو بوسہ دینا مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق کی تعظیم وتوقیر اور آپ کی اتباع و پیروی ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تعالی نے پتھروں میں بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے، جیسے بعض جگہوں کو دوسری جگہوں پر اور بعض شب و روز کو دوسرے شب و روز پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اور امام ابوالعباس احمد بن عمر قرطبی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

دفع لتوهم من وقع له من الجهّال: أن للحجر الأسود خاصية ترجع إلى ذاته كما توهمه بعض الباطنية، وبيان أنه ليس في تقبيله إلا الاقتداء المحض، ولو كان هناك شيء مما يُفترى لكان عمر رضی اللہ تعالی عنه أحق الناس بعلمه۔

(المفهم بشرح مسلم ١٠/١١٠)

اِس میں جاہلوں کے اُس وہم کا ازالہ ہے کہ حجرِ اسود میں بالذات کوئی خصوصیت ہے، جیسا کہ باطنیہ کا خیال ہے۔ اور اِس بات کا بیان ہے کہ حجرِ اسود کا بوسہ صرف اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہے۔ اگر اِس خود ساختہ عقیدہ کی کوئی حقیقت ہوتی کہ اِس پتھر میں بالذات کوئی خوبی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اُس کا علم ضرور ہوتا۔

اور امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ومعنى (لا تضر ولا تنفع): أي بذاتك وقدرتك، وإن كان امتثال ما شرع فيه ينفع في الجزاء عليه والثواب. (اكمال المعلم بشرح مسلم ٤/١٨١)

(نقصان دیتا ہے نہ فائدہ) اِس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ذات وقدرت سے نفع و

نقصان نہیں دیتا، اگرچہ حکمِ شریعت کی تعمیل کے سبب اجر وثواب کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اور امام ابوالولید سلیمان بن خلف بن باجی مالکی رحمہ اللہ تعالی (م ۴۹۴ھ) فرماتے ہیں:

قول عمر إنما أنت حجر ، يريد أن ينفي عنه ظن من يظن أن تعظيم النبي ﷺ الحجر وأمته إنما كان على حسب تعظيم الجاهلية الأوثان لاعتقادهم أنها آلهة ، وأنها تضر وتنفع ، فأراد عمر أن يعلم الناس أن تعظيمه للحجر إنما كان لتعظيم النبي ﷺ طاعة لله ، وإفرادا له بالعبادة على حسب ما أمرنا بتعظيم البيت وعلى حسب ما أمر الملائكة أن يسجدوا لآدم عبادة لله ، لا على أن آدم معبود بذلك وأنه يضر وينفع فقال : إني لأعلم أنك حجر يريد من سائر أجناس الحجارة التي لا تقبل ، وفي بعض الروايات أنه قال لأعلم أنك حجر لا تضر ولا تنفع ۔ (المنتقى شرح المؤطأ ۲ / ۳۵۰ ، دار الكتب العلمية)

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ اپنے اِس ارشاد سے اُس گمان کی نفی کرنا چاہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ اور آپ کی امت حجرِ اسود کی اُسی طرح تعظیم فرماتے تھے جس طرح زمانۂ جاہلیت میں لوگ بتوں کو معبود سمجھ کر اُن کی تعظیم کرتے تھے اور اُن کو نفع وضرر کا مالک سمجھتے تھے، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے لوگوں کو آگاہ فرمادیا کہ اُن کا حجرِ اسود کی تعظیم کرنا محض اِس وجہ سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالی کی اطاعت وعبادت کے لیے اُس کی تعظیم کی ہے، حجرِ اسود کی یہ تعظیم بیت اللہ کی تعظیم کی طرح ہے اور جیسے فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ اللہ تعالی کی عبادت کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، اِس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام معبود اور نفع وضرر کے مالک ہیں، اِسی لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ میں یقینی طور سے جانتا ہوں کہ تو انہیں پتھروں کی جنس سے ہے جنہیں بوسہ نہیں دیا جاتا اور تو بالذات نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔

امام ابوعبداللہ حاکم رحمہ اللہ تعالی ابوھارون عبدی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

قَالَ : حَجَجْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ، فَلَمَّا دَخَلَ الطَّوَافَ اسْتَقْبَلَ الْحَجَرَ ،

فَقَالَ : إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّکَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ ، وَلَوْ لَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَبَّلَکَ مَا قَبَّلْتُکَ ، ثُمَّ قَبَّلَهُ ، فَقَالَ لَهُ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ : بَلَى يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! إِنَّهُ يَضُرُّ وَيَنْفَعُ ـ قَالَ : ثُمَّ قَالَ : بِكِتَابِ اللّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالَى ـ قَالَ : وَأَيْنَ ذٰلِکَ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ ؟ قَالَ : قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : { وَإِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ، وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى } خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ وَمَسَحَ عَلَى ظَهْرِهٖ فَقَرَّرَهُمْ بِأَنَّهُ الرَّبُّ ، وَأَنَّهُمُ الْعَبِيدُ ، وَأَخَذَ عُهُودَهُمْ وَمَوَاثِيقَهُمْ ، وَكَتَبَ ذٰلِکَ فِي رَقٍّ ، وَكَانَ لِهٰذَا الْحَجَرِ عَيْنَانِ وَلِسَانٌ ، فَقَالَ لَهُ افْتَحْ فَاکَ ـ قَالَ : فَفَتَحَ فَاهُ فَأَلْقَمَهُ ذٰلِکَ الرَّقَّ وَقَالَ : اشْهَدْ لِمَنْ وَافَاکَ بِالْمُوَافَاةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، وَإِنِّي أَشْهَدُ لَسَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ : يُؤْتَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِالْحَجَرِ الْأَسْوَدِ ، وَلَهُ لِسَانٌ ذَلْقٌ ، يَشْهَدُ لِمَنْ يَسْتَلِمُهُ بِالتَّوْحِيدِ ، فَهُوَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! يَضُرُّ وَيَنْفَعُ ، فَقَالَ عُمَرُ : أَعُوذُ بِاللّٰهِ أَنْ أَعِيشَ فِي قَوْمٍ لَسْتَ فِيهِمْ يَا أَبَا حَسَنٍ .

(المستدرک ۱/۴۵۷ ، رقم الحدیث: ۱۶۸۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ حج کیا، جب آپ نے طواف کرنا چاہا تو حجرِ اسود کی طرف رخ کر کے فرمایا: میں یقینی طور پر جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نقصان دے سکتا ہے نہ فائدہ، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تیرا بوسہ لیتے نہ دیکھا ہوتا تو تیرا بوسہ نہ لیتا، اُس کے بعد آپ نے بوسہ لیا۔ اُس پر حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: امیر المؤمنین ! یہ پتھر نقصان بھی دیتا ہے اور فائدہ بھی پہنچاتا ہے، پھر فرمایا: یہ بات کتاب اللہ سے ثابت ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: کتاب اللہ میں کہاں ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: (اور جب تمہارے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے اُن کی نسل نکالی اور اُن سے اُنہیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کیوں نہیں) یعنی اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اُن کی پشت پر دستِ قدرت پھیر کر اُن سے اقرار لیا کہ اللہ تعالی اُن کا رب ہے اور وہ سب اُس کے بندے ہیں،

اوراُن سے عہد و پیمان لے کراُس کوایک کتاب میں لکھ دیا، اُس پتھر کی اُس وقت دو آنکھیں اور ایک زبان تھی، اللہ تعالی نے اُس سے فرمایا: اپنا منہ کھول، اُس نے منہ کھولا تو اللہ تعالی نے وہ کتاب اُس کے منہ میں ڈال دی اور فرمایا: جو تیرے پاس آئے قیامت کے دن تو اُس کے بارے میں گواہی دینا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن حجرِ اسود کو لایا جائے گا اور اُس کی صاف زبان ہوگی، جو شخص اقرارِ توحید کے ساتھ اُس کو بوسہ دے گا یہ قیامت کے دن اُس کے حق میں گواہی دے گا، لہذا اے امیر المؤمنین ! یہ نقصان بھی دیتا ہے اور فائدہ بھی پہنچاتا ہے۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ سن کر فرمایا: میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ایسی قوم میں زندگی گذارنے سے جن میں اے ابوالحسن تم نہ ہو۔

امام حاکم رحمہ اللہ تعالی کی اِس روایت کے بارے میں امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فی اسناده أبوهارون العبدی وهو ضعيف جدا ۔ قال شيخنا فی شرح الترمذی فيه کراهة تقبيل مالم يرد الشرع بتقبيله۔ (فتح الباری ۳/۴۶۲)

اِس روایت کی سند میں ابوہارون عبدی ہے جو بہت ضعیف ہے۔ ہمارے شیخ نے شرحِ ترمذی میں فرمایا ہے: حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث سے ثابت ہوا کہ جس چیز کو بوسہ دینے کا حکم شریعت میں نہ ہو اُس کو بوسہ دینا مکروہ ہے۔

اور حاکم کی اِس روایت کے بارے میں علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف زرقانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قال الحاكم: ليس من شرط الشيخين، فإنهما لم يحتجا بأبی هارون عمارة بن جوين العبدی۔ قال غيره: ولا من شرط غيرهما، فأبو هارون ضعفه الناس كلهم، ونسبه إلى الكذب جماعة من الأئمة۔ واستنبط بعضهم من مشروعية تقبيل الحجر جواز تقبيل من يستحق التعظيم من آدمی وغيره۔ ونقل عن أحمد لا بأس بتقبيل منبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقبره ۔ واستبعد بعض أتباعه صحة ذلک

عنه۔ ونقل عن ابن أبی الصیف الیمانی الشافعی جواز تقبیل المصحف وقبور الصالحین۔ (شرح الزرقانی علی المؤطأ ۲/۴۰۸، دار الکتب العلمیة)

حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق نہیں ہے؛ کیونکہ دونوں نے ابو ہارون عمارہ بن جوین عبدی سے کوئی روایت نہیں لی ہے۔ امام حاکم کے علاوہ دیگر محدثین نے کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کے علاوہ بھی کسی محدث کی شرط کے مطابق نہیں ہے؛ کیونکہ ابو ہارون کو سب نے ضعیف کہا ہے اور ائمہ کی ایک جماعت نے اُس کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے حجرِ اسود کے بوسہ سے یہ استنباط کیا ہے کہ انسان وغیرہ قابلِ تعظیم چیز کو بوسہ دینا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر اور روضۂ انور کو بوسہ دینا جائز ہے، لیکن بعض حنابلہ نے اِس نقل کی صحت کو بعید قرار دیا ہے۔ ابنِ ابوصیف یمانی شافعی سے منقول ہے کہ قرآنِ کریم اور صالحین کی قبور کو بوسہ دینا جائز ہے۔

امامِ حاکم کی یہ روایت اگرچہ سنداً ضعیف ہے تاہم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت اُس کی ہم معنیٰ اور مؤید ہے:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

یأتی هذا الحجر یوم القیامة له عینان یبصر بهما ولسان ینطق بها یشهد لمن استلمه بحق۔

(السنن للترمذی ۳/۲۹۴، رقم الحدیث: ۹۶۱۔ والسنن لابن ماجة ۲/۹۸۲، رقم الحدیث: ۲۹۴۴۔ ومسند أحمد بن حنبل ۱/۲۴۷، رقم الحدیث: ۲۲۱۵۔ وصحیح ابن حبان ۹/۲۶، رقم الحدیث: ۳۷۱۲۔ والسنن الکبری للبیهقی ۵/۷۵، رقم الحدیث: ۹۴۹۹۔ وصحیح ابن خزیمة ۴/۲۲۰، رقم الحدیث: ۲۷۳۵۔ والسنن للدارمی ۲/۶۳، رقم الحدیث: ۱۸۳۹)

حجرِ اسود قیامت کے دن اِس حال میں آئے گا کہ اُس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا اور ایک زبان ہوگی جس سے بولے گا، جس نے حق کے ساتھ اُس کو بوسہ دیا ہوگا اُس کے حق میں گواہی دے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے اِس اندیشہ کی وجہ سے کہ کہیں کچھ لوگ حجرِ اسود کے استلام سے کوئی غلط معنی نہ سمجھ لیں اور اِس کو بت پرستی ہی کی ایک شکل نہ خیال کر بیٹھیں، لہذا آپ نے زمانۂ حج مین علی رؤوس الاشہاد اِس بات کا اعلان کردیا کہ یہ استلام صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع کی وجہ سے ہے ورنہ یہ پتھر بالذات نفع و ضرر کی کوئی قوت نہیں رکھتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا ارشادِ مذکور اِس بات کی روشن دلیل ہے کہ جہاں فسادِ عقیدہ کا اندیشہ ہو وہاں بہرحال احتیاط پر عمل کرنا ضروری ہے۔ لہذا علماء وخواص کو چاہیے کہ عوام کے سامنے استعانت واستمداد اور استغاثہ وفریاد پر مشتمل ایسے الفاظ وکلمات سے گریز و پرہیز کریں جن سے عوام کو یہ اندیشہ ہو کہ اللہ تعالی کے سوا انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء و صالحین رحمہم اللہ تعالی کو حاجت روائی ومشکل کشائی کی بالذات قدرت وقوت حاصل ہے۔ اِس احتیاط کا مظہر سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ واقعہ بھی ہے کہ:

حضرت معرور بن سُوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

كنت مع عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بين مكة و المدينة، فصلى بنا الفجر فقرأ {أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ} و {لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ} ثم رأى أقواما ينزلون فيصلون في مسجد، فسأل عنهم، فقالوا: مسجد صلّى فيه النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فقال: انما هلك من كان قبلكم أنهم اتخذوا آثار أنبيائهم بِيَعا، من مرّ بشيءٍ من المساجد فحضرت الصلاة فليصلّ و الا فليمضِ۔

(المصنف لعبد الرزاق ۲/۱۱۸، و ۱۱۹، رقم الحديث: ۲۷۳۴، و المصنف لابن أبي شيبة ۵/۱۸۳، رقم الحديث: ۷۶۳۲، و شرح مشكل الآثار ۱۲/ ۵۴۴، و فتح الباري ۲/۲۳۱)

میں (سفر حج سے واپسی میں) مکۂ مکرمہ اور مدینۂ منورہ کے درمیان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا، آپ نے نمازِ فجر پڑھائی، اور اُس میں سورۂ فیل وقریش کی تلاوت فرمائی، پھر آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ اتر کر ایک مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں، آپ نے اُن

کے بارے میں پوچھا، تو لوگوں نے کہا کہ اِس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی، آپ نے فرمایا: تم سے پہلے کے لوگ ہلاک ہوگئے؛ کیونکہ اُنہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو گرجے (عبادت خانے) بنالیا تھا۔ جو شخص کسی مسجد کے پاس سے گذرے اور نماز کا وقت ہوجائے تو نماز پڑھے ورنہ آگے بڑھ جائے۔

قابلِ غور چیز یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ جو حضرات موجود تھے وہ صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام رضی اللہ تعالی عنہم تھے، اُن کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو جو خدشہ لاحق ہوا اُس کو امام ابنِ حجر عسقلانی اپنے الفاظ میں یوں بیان فرماتے ہیں:

خشی أن یشکل ذلک علی من لا یعرف حقیقة الأمر فیظنه واجبا۔

(فتح الباری ۱/۵۶۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو خدشہ ہوا کہ کہیں یہ معاملہ بے خبر لوگوں پر مشتبہ نہ ہوجائے اور وہ اِس کو واجب نہ سمجھ لیں۔

قارئین و ناظرین! جاہلوں، فاسقوں، فاجروں اور نماز و روزہ اور دیگر احکامِ شرعیہ کو کھلے عام ترک کرنے والوں نے پیدائش سے موت تک زندگی کے تمام چھوٹے بڑے مسائل و معاملات میں اولیاء و صالحین رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے استغاثہ و استمداد اور استعانت و فریاد کی بہت سی خطرناک صورتیں اختیار کر رکھی ہیں، جن میں کئی صورتیں نامناسب و خلافِ اولی ہیں اور کئی صورتیں ناجائز و حرام اور موہمِ شرک و فساد ہیں۔ ذیل میں جاہلوں اور شریعت سے بے خبر لوگوں کی جانب سے اولیاء و صالحین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین سے کیے جانے والے استغاثے اور استمداد کی چند ایسی صورتیں پیش کی جارہی ہیں جن کا کسی بھی معروف مزار شریف اور مشہور درگاہ پر بآسانی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، بلکہ ہم نے استمداد و استغاثے کی اِن صورتوں کو کافی حد تک معتدل بنادیا ہے ورنہ درحقیقت صورتِ حال ہمارے بیان سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔

۞ خواجہ صاحب! میں نماز و روزہ اور شریعت کے دوسرے احکام پر عمل کرکے اللہ تعالی سے مانگتے مانگتے تھک گیا، مگر اللہ تعالی میری نہیں سنتا، لہٰذا اب میں آپ کے در پر آیا

ہوں ، اب میں آپ کے یہاں سے اُس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک آپ میری حاجت روائی نہیں فرمائیں گے۔

۞ خواجہ جی ! نماز و روزے میں کیا رکھا ہے، جو کچھ ہے وہ سب آپ کے در کا صدقہ ہے،آپ مجھے بیٹا عطا فرما دیجیے۔

۞ خواجہ صاحب ! میری بگڑی بنانا، میری نیا پار لگانا ، مجھے بھنور سے بچانا ، میرے حالات درست کرنا، میری مشکل آسان کرنا، میری زندگی کی پریشانیوں کو دور کرنا اور مجھے ہر رنج والم سے چھٹکارا دلانا صرف اور صرف آپ کا کام ہے،آپ کے سوا پورے جہاں میں میرا اور کوئی نہیں ہے،آپ کے علاوہ میری مصیبت کوئی نہیں ٹال سکتا،آپ کے سوا اب میں کسی اور کے پاس نہیں جاؤں گا،آپ ہی میرے سب کام بنا دیجیے۔

۞ مخدوم صاحب ! سب کو چھوڑ کر ہم آپ کے در پر آئے ہیں ، ہماری زندگی آپ کی عطا اور آپ ہی کا صدقہ ہے، اِس زندگی کو بہتر بنا دیجیے، ہماری تجارت میں برکت فرما دیجیے، ہمیں مصیبتوں سے بچا لیجیے، ہم آپ کے سوا کسی کو نہیں جانتے ،ہمیں جو دینا ہے وہ آپ ہی اپنے دستِ کرم سے عطا فرما دیجیے۔

۞ تعزیوں سے مرادیں مانگنا ، اُن کی منتیں ماننا ، اُنہیں جھک جھک کر سلام کرنا ، سجدہ کرنا ، اُن پر چڑھاوے چڑھانا ، اُن کے آگے تعظیم و توقیر کے ساتھ دست بستہ کھڑا ہونا، اُن پر پھول، مالائیں اور گجرے ڈالنا۔

۞ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے تعزیے داروں کی حالت کی جو منظر کشی فرمائی ہے وہ بڑی بامعنی اور حقیقت کی انتہائی بلیغ تصویر ہے،آپ ارشاد فرماتے ہیں :

تعزیہ کی اصل اِس قدر تھی کہ روضۂ پرنور شہزادۂ گلگوں قبا حسین شہیدِ ظلم و جفا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیٰ جدہ الکریم وعلیہ کی صحیح نقل بنا کر بہ نیتِ تبرک مکان میں رکھنا ، اِس میں شرعاً کوئی حرج نہ تھا؛ کہ تصویر مکانات وغیر ہا ہر غیر جاندار کی بنانا، رکھنا، سب جائز ، اور ایسی چیزیں کہ معظمانِ دین کی طرف منسوب ہو کر عظمت پیدا کریں اُن کی تمثال بہ نیتِ تبرک پاس رکھنا قطعاً جائز ، جیسے صدہا سال سے طبقۃً فطبقۃً ائمۂ دین وعلمائے معتقدین نعلین

شریفین حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نقشے بناتے اور اُن کے فوائدِ جلیلہ ومنافعِ جزیلہ میں مستقل رسالے تصنیف فرماتے ہیں جسے اشتباہ ہو امام علامہ تلمسانی کی فتح المتعال وغیرہ مطالعہ کرے۔ مگر جہال بے خرد نے اِس اصلِ جائز کو بالکل نیست ونابود کر کے صدہا خرافات وہ تراشیں کہ شریعتِ مطہرہ سے الاماں الاماں کی صدائیں آئیں، اول تو نفسِ تعزیہ میں روضۂ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی، ہر جگہ نئی تراش، نئی گھڑت، جسے اُس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت، پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق، کسی میں اور بیہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ ودشت بدشت، اشاعتِ غم کے لئے اُن کا گشت، اور اُن کے گرد سینہ زنی، اور ماتم سازشی کی شورافگنی، کوئی اُن تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغولِ طواف، کوئی سجدہ میں گرا ہے، کوئی اُن مایۂ بدعات کو معاذ اللہ، معاذ اللہ جلوہ گاہِ حضرت امام علٰی جدہٖ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ کر اُس ابرک پنّی سے مرادیں مانگتا، منّتیں مانتا ہے، حاجت روا جانتا ہے، پھر باقی تماشے، باجے، تاشے، مردوں، عورتوں کا راتوں کو میل، اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل، اِن سب پر طرہ ہیں۔ غرض عشرۂ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اِس شریعت پاک تک نہایت بابرکت ومحلِ عبادت ٹھہرا ہوا تھا، اِن بیہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا، پھر وبالِ ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطورِ خیرات نہ رکھا، ریاء وتفاخر علانیہ ہوتا ہے، پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں، بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے، روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں، رزقِ الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے، پیسے ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں، مال کی اضاعت ہو رہی ہے، مگر نام تو ہو گیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں، اب بہارِ عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے بجتے چلے، طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن یہ کچھ اور اُس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہا حضراتِ شہداء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے جنازے ہیں، کچھ نوچ اتار باقی توڑ تاڑ دفن کر دیئے۔ یہ ہر سال اضاعتِ مال کے جرم ووبال جداگانہ رہے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ حضراتِ شہدائے کربلا علیہم الرضوان والثناء کا ہمارے بھائیوں کو نیکیوں کی توفیق بخشے اور بری باتوں سے توبہ عطا فرمائے، آمین۔ اب کہ تعزیہ داری

اِس طریقۂ نامرضیہ کا نام ہے، قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے، ہاں اگر اہلِ اسلام جائز طور پر حضراتِ شہدائے کرام علیہم الرضوان کی ارواحِ طیبہ کو ایصالِ ثواب کی سعادت پر اقتصار کرتے تو کس قدر خوب ومحبوب تھا اور اگر نظرِ شوق ومحبت میں نقل روضۂ انور کی حاجت تھی تو اُسی قدر جائز پر قناعت کرتے کہ صحیح نقل بغرضِ تبرک وزیارت اپنے مکانوں میں رکھتے اور اشاعتِ غم وتصنعِ الم ونوحہ زنی وماتم کنی ودیگر امورِ شنیعہ وبدعاتِ قطعیہ سے بچتے اِس قدر میں بھی کوئی حرج نہ تھا، مگراب اِس نقل میں بھی اہلِ بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہلِ اعتقاد کے لئے ابتلاء بدعات کا اندیشہ ہے، اور حدیث میں آیا ہے: اتقوا مواضع التھم۔ (تہمت کے مواقع سے بچو) اور وارد ہوا: من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلایقفن مواقف التھم۔ (جو شخص اللہ تعالی اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہرگز تہمت کے مواقع میں نہ ٹھہرے) لہٰذا روضۂ اقدس حضور سید الشہداء رضی اللہ تعالی عنہ کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے، بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے پر قناعت کرے اور اُسے بقصدِ تبرک بے آمیزشِ منہیات اپنے پاس رکھے، جس طرح حرمین محترمین سے کعبۂ معظّمہ اور روضۂ عالیہ کے نقشے آتے ہیں یا دلائل الخیرات شریف میں قبورِ پرنور کے نقشے لکھے ہیں۔ (فتاوی رضویہ، ج: ۲۴، ص: ۵۱۲، ۵۱۳)

حاصلِ مطالعہ یہ ہے کہ استعانت واستمداد کے مسئلہ میں افراط وغلو کسی بھی جانب سے درست نہیں ہے، خواہ وہابی اور دیوبندی حضرات کی طرف سے ہو یا سنی کہلانے والے جاہل وبے خبر لوگوں کی طرف سے، اسلام ہر معاملہ میں اعتدال وتوازن اور وسطیّت ومیانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالی ہمیں عصبیت وجانبداری سے اوپر اٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے مبارک طریقے پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بانگِ جگر خراش

اسلام مکمل خودسپردگی کا نام ہے، یہ ہر فرد کا ذاتی معاملہ ہے، خودسپردگی کی کیفیت جس قدر فزوں تر ہوگی، اُسی کے مطابق ایمان واسلام میں استحکام پیدا ہوگا، اسلامی شریعت کا

اساسی اور امتیازی پہلو یہ ہے کہ یہاں توریث کا کوئی تصور نہیں، یعنی کسی جنتی کا بیٹا جنتی ہی ہو یا کسی جہنمی کا بیٹا جہنمی ہی ہو، یہ ضروری نہیں ہے۔

حضرت نوح علیہ الصلوۃ والسلام کی چہار دیواری سے کافر بیٹے کے خروج اور فرعونِ امت ابوجہل کے گھر سے سالارِ عسکر حضرتِ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش کو کسی اساطیری زاویے اور افسانوی پہلو سے دیکھنے کے بجائے، اللہ تعالیٰ کی کائنات کے عبرت انگیز اسباق ونصیحت آموز واقعات کے تناظر میں دیکھنا اور سمجھنا چاہیے اور اِسی حیثیت سے محفوظ واز بر کیا جانا چاہیے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِسی تصورِ دین کو لوگوں تک پہنچایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یارِ غار ہونے کے باوجود سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندگی بھر خوفِ الٰہی سے لرزاں وترساں رہے، سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں کبھی خشک نہیں ہوئیں، جامع القرآن سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبروں پر نظر پڑتے ہی زاروقطار رونے لگتے اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راتوں میں " **یتململ تململ السلیم** " (سانپ کے ڈسے ہوئے کی طرح بے قرار) کی تصویر نظر آتے۔ شہزادیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے ہوئے سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ورع وتقوی میں خواتینِ امت کے لیے نمونہ ثابت ہوئیں، سبطِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے باوجود حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شریعت پر استقامت کی ایک عظیم اور لازوال تاریخ کی بنا ڈالی، حضراتِ ساداتِ صوفیاءِ کرام نے اپنے اصحاب کے درمیان اُسی عقیدے کو عام کیا اور عملاً بھی اُسی کو برتتے رہے جو افراط وغلو سے پاک اور تفریط وتقصیر سے منزہ تھا، لیکن شومیِ قسمت، بعد کے زمانے میں جب خانقاہوں میں زوال آیا تو شیوخ اور پیرزادگان نے مکافاتِ عمل کو پسِ پشت ڈال دیا، اخروی جزاوسزا کا تصور ذہن ودماغ سے اوجھل ہو گیا، قہار وجبار اور قادرِ مطلق ربِّ قدیر کے بطشِ شدید وعذابِ الیم کی ہیبت ناک قرآنی وعید کو گھڑیالی آنسو بہانے اور نیازمندوں کے حلقے کے درمیان خود پر مصنوعی لرزہ ورعشہ طاری کرنے کا سستا اور آسان سامان سمجھ لیا گیا، ایمانی حرارت وبالیدگی، اسلامی حمیت وغیرت، عمل کا جذبہ وداعیہ اور زہد واستغنا کا نور وسرور اِن زوال پذیر خانقاہوں سے رخصت ہو گیا، پیرزادوں

کے دل و دماغ میں غوث ابنِ غوث اور قطب ابنِ قطب کی سوچ چور دروازے سے داخل ہوگئی ، اور پدرم سلطان بود کا زعمِ باطل اعصاب و حواس پر مسلّط ہوگیا ،اِس نسل پرستی اور خاندان پروری کی وجہ سے بہت سے بڑے پیروں کی اولا دو احفاد ولایت وقطبیت کے درجے سے کم پر راضی نہیں ؛ کیونکہ اُن کے خیال میں یہ سوچ راسخ ہوچکی ہے کہ ولایت و معرفت اور قیادت و سیادت اُن کے گھر کی موروثی چیز ہے، جسے گھر میں ہی رکھنا ضروری ہے، قدیم مشائخ کے برعکس اب تزکیہ وتطہیر، عبادت و ریاضت، خوف وخشیت اور ورع وتقوی جیسے اوصاف کئی پیرزادوں کے لیے لایعنی بن چکے ہیں ؛ کیونکہ عقیدت مندوں کی فوج ظفر موج نے اُن کو ''مادر زاد ولی'' بنا دیا ہے اور برکتِ مال واولاد اور شفاءِ آسیب و جنّات کے متلاشیوں کی بھاری بھرکم بھیڑ نے اُن جاہل مجاوروں کو احکامِ شریعت پر عمل کی پابندی سے آزاد کردیا ہے، شفاعت کے نام پر بے عملی اور نسبت کے نام پر عیش پرستی کا بزنس خوب پھل پھول رہا ہے، کسی میں یہ جرأت کہاں کہ اُن کی بے عملی پر تنبیہ کرسکے ؛ کیونکہ حلقہ بگوشوں کو مکتبِ عشق کا اول کلیہ اچھی طرح ازبر کرادیا گیا ہے کہ ''باادب بانصیب بے ادب بے نصیب'' ، حالت یہ ہوچکی ہے کہ زبان کھولنا گستاخی ، مشورہ دینا بے ادبی اور معاذ اللہ اصلاح کرنا ناقابلِ معافی جرمِ عظیم بن گیا ہے۔ عظیم المرتبت مشائخ کی مسندیں جب اِن ہوس پرستوں کا نشیمن بنیں تو وہ خانقاہیں جہاں کی فضائیں ایمان، اسلام اور سلوک و احسان کی خوشبوؤں سے معطر رہتی تھیں، جہاں عرفان و فیضان کے آبشار پھوٹتے تھے، جہاں اللہ تعالی کے ذکر وشکر کی پرنور محفلیں سجتی تھیں، مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت واتباع کا عہد و پیمان لیا جاتا تھا اور صالحین ومتقینِ امت کے تذکار وافکار اور اُن کی سیرت و کردار کو قال وحال کے ذریعہ قلب وجگر میں اتار دیا جاتا تھا، اب وہاں مشائخ کے ارمانوں کا خون صاف نظر آنے لگا ہے، پاکیزہ تصوف کی منہدم عمارت کا ملبہ دکھائی دے رہا ہے، اور اسلامی تعلیمات کا سرِ عام مذاق بنانے والے دنیا پرستوں کے فلک شگاف قہقہے سنائی دینے لگے ہیں۔

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی　　برقِ طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی
تھا جہاں مدرسۂ شیری و شاہنشاہی　　آج اُن خانقاہوں میں ہے فقط روباہی

عقیدۂ رسالت ونبوت

عقیدۂ توحید کے بعد اسلام کا دوسرا بنیادی اور اہم عقیدہ، عقیدۂ رسالت ہے۔ اِس عقیدہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے انسانوں ہی میں سے کچھ پاکیزہ نفوس کو منتخب فرمایا اور نبوت و رسالت کی عظیم ذمہ داریاں عطا فرما کر انسانوں کی ہدایت کے لیے اُنہیں سلسلہ بہ سلسلہ مبعوث فرمایا، نبوت ورسالت کا یہ عظیم سلسلہ سیدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے شروع ہوا اور ہمارے رسول، سیدِ عالم جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ختم ہوگیا۔ رسولِ اکرم، ہادیِ عالم، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد اب کسی مکان اور کسی زمان میں کسی قسم کے نبی کی بعثت نہیں ہوگی، حتی کہ حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام بھی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کے تابع ہوکر ہی تشریف لائیں گے۔ جو شخص ختمِ نبوت کا منکر ہو یا اِس بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ پیدا کرے وہ قرآنِ کریم، احادیثِ صحیحہ صریحہ اور اہلِ سنت وجماعت کے اجماعِ قطعی ویقینی کا منکر ہونے کے سبب کافر ومرتد ہے۔

انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے امتیازات واوصاف

☆ تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوۃ والسلام بشر اور مرد تھے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ } (سورۃ الأنبیاء، آیات: ۷، ۸)

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے، تو اے لوگو! علم والو سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ اور ہم نے ان کے ایسے

جسم نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔

اللہ تعالی کا یہ ارشاد دوسری آیت میں اس طرح ہے:

{ وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ إِلَّا رِجَالٗا نُّوحِيٓ إِلَيۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوٓاْ أَهۡلَ ٱلذِّكۡرِ إِن كُنتُمۡ لَا تَعۡلَمُونَ } (سورۃ النحل، آیۃ: ۴۳)

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے، تو اے لوگو! علم والو سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

اسی مضمون کو اللہ تعالی دوسری جگہ یوں بیان فرماتا ہے:

{وَمَآ أَرۡسَلۡنَا مِن قَبۡلِكَ إِلَّا رِجَالٗا نُّوحِيٓ إِلَيۡهِم مِّنۡ أَهۡلِ ٱلۡقُرَىٰٓۗ أَفَلَمۡ يَسِيرُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَيَنظُرُواْ كَيۡفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡۗ وَلَدَارُ ٱلۡأٓخِرَةِ خَيۡرٞ لِّلَّذِينَ ٱتَّقَوۡاْۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ } (سورۃ یوسف، آیۃ: ۱۰۹)

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے اور بستی کے رہنے والے تھے، کیا اُنہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ کہ اُن سے پہلے والوں کا انجام کیا ہوا، اور یقیناً آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے بہتر ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔

یہ آیاتِ کریمہ اِس بات پر نص ہیں کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام بشر، مرد اور بستی کے رہنے والے تھے۔ کسی جن، یا عورت یا بادیہ نشین وصحرا میں رہنے والے کو نبوت نہیں دی گئی۔

قارئینِ کرام! جب سے وہابیت کا جرثومہ ایک مستقل آزار بن کرابھرا ہے اُس وقت سے انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت کے سلسلہ میں افراط وتفریط کی ایک عجیب صورتِ حال نے اسلامی معاشرے میں ہیجان برپا کر رکھا ہے، آئندہ سطور میں بشریتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں غلو وتقصیر کا اجمالی جائزہ بھی پیش کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالی۔

☆ نبوت کسبی چیز نہیں ہے۔

نبوت محض اللہ تعالی کی عطا وبخشش، اُس کا مخصوص فضل وانعام اور رحمت وکرم ہے۔

کوئی شخص اپنے علم ومعرفت، زہد و استغنا، ورع وتقوی، فضل وکمال، مجاہدہ وریاضت، عبادت وطاعت، مراقبہ ومکاشفہ، اخلاقی بلندی وروحانی ترقی اور جہدِ مسلسل وعملِ پیہم سے نبوت ورسالت کا منصب حاصل نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{وَإِذَا جَآءَتْهُمْ ءَايَةٌ قَالُوا۟ لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَآ أُوتِىَ رُسُلُ ٱللَّهِ ٱللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُۥ سَيُصِيبُ ٱلَّذِينَ أَجْرَمُوا۟ صَغَارٌ عِندَ ٱللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا كَانُوا۟ يَمْكُرُونَ} (سورة الأنعام، آية: ۱۲۴)

اور جب اُن کے پاس کوئی نشانی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ویسی ہی چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے، اللہ تعالی خوب جانتا ہے کہ کس کو رسالت عطا کرے، عنقریب مجرموں کو اللہ کے یہاں ذلت اور اُن کے مکر کے بدلے سخت عذاب پہنچے گا۔

﴿ٱللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُۥ﴾ کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فالمعنى أن للرسالة موضعا مخصوصا لا يصلح وضعها الا فيه، فمن كان مخصوصا موصوفا بتلك الصفات التي لأجلها يصلح وضع الرسالة فيه كان رسولا، والا فلا، والعالم بتلك الصفات ليس الا الله تعالى۔

(مفاتيح الغيب، ج: ۱۳، ص: ۱۳۶)

مطلب یہ ہے کہ محلِ رسالت مخصوص ہے کہ اُسے اُس کے سوا کہیں اور نہیں رکھا جا سکتا، تو جو شخصیت حاملِ رسالت ہونے کے اوصاف سے موصوف ومخصوص ہوگی وہی رسول ہوگی ورنہ نہیں، اور حاملِ رسالت ونبوت ہونے کے اوصاف کو اللہ تعالی ہی جانتا ہے۔

اللہ تعالی انبیاء کرام کی شانِ اصطفا واختیار کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

{وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ ٱلْمُصْطَفَيْنَ ٱلْأَخْيَارِ} (سورة ص، آية: ۴۷)

اور یقیناً وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔

ایک جگہ اِس طرح فرماتا ہے:

{ اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ‌ۚ }

(سورة الحج، آية: ۷۵)

اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چن لیتا ہے۔ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اور ایک مقام پر یوں ارشاد فرماتا ہے:

{ يُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ } (سورة النحل، آية: ۲)

فرشتوں کو اپنے حکم کی وحی لے کر اپنے جن بندوں پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے کہ ڈر سناؤ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھ سے ڈرو۔

ایک جگہ یوں ارشاد فرماتا ہے:

{ رَفِيۡعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الۡعَرۡشِۚ يُلۡقِى الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ لِيُنۡذِرَ يَوۡمَ التَّلَاقِۙ } (سورة المؤمن، آية: ۱۵)

درجات بلند فرمانے والا عرش کا مالک اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنی وحی نازل فرماتا ہے تاکہ ملنے کے دن سے ڈرائے۔

ربِّ قدیر مزید ارشاد فرماتا ہے:

{ يَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ‌ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ }

(سورة آل عمران، آية: ۷۴)

جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص فرمالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تلمیذ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

{ يَّخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ } يعني بالنبوة۔

(التفسير لابن أبي حاتم الرازي ۱/۱۹۹، الرقم: ۱۰۵۰)

یعنی اِس آیت میں رحمت سے نبوت مراد ہے۔

مذکورہ تمام آیاتِ مبارکہ سے یہ بات ظاہر ہے کہ نبوت و رسالت محض فضلِ الٰہی اور اُس کی رحمت و مشیت پر موقوف ہے اور اِس میں کسی انسان کی کوشش کا کوئی دخل نہیں ہے۔

☆ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام معصوم ہیں

اللہ تعالیٰ جن پاکیزہ نفوس کو منصبِ نبوت و رسالت سے سرفراز فرماتا ہے اُن کو شرک و کفر، کبائر و صغائر اور قبائح و رذائل سے ہر حال میں معصوم و مصون اور محفوظ و مامون رکھتا ہے۔

عصمت کا لغوی معنی ہے روکنا، بچانا، محفوظ رکھنا۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سميت العصمة عصمة لأنها تمنع من ارتكاب المعصية۔

(الجامع لأحكام القرآن ۹/ ۱۸۴)

عصمت کو عصمت اِس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ معصیت کے ارتکاب سے روکتی ہے۔

عصمت کے شرعی مفہوم میں اہلِ علم کے اقوال و آراء مختلف ہیں، امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

عصمة الأنبياء على نبينا وعليهم الصلوة والسلام حفظهم من النقائص، وتخصيصهم بالكمالات النفيسة والنصرة والثبات فى الأمور وانزال السكينة۔ والفرق بينهم وبين غيرهم أن العصمة فى حقهم بطريق الوجوب وفى حق غيرهم بطريق الجواز۔ (فتح البارى ۱۵/ ۲۲۵)

انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی عصمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ہر نقص سے محفوظ فرما دیا ہے، اور عظیم کمالات، نصرت و حمایت، معاملات میں ثابت قدمی اور سکون و وقار کے ساتھ مخصوص فرما دیا ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور دوسرے لوگوں کی عصمت کے درمیان فرق یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے حق میں عصمت واجب ہے جب کہ دوسروں کے لیے محض ممکن ہے۔

علامہ میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

هی ملكة إلهية تمنع الإنسان من فعل المعصية والميل إليها مع القدرة عليها۔ (التعريفات، ص: ١٥٦، والمواقف، ص: ٣٦٦)

عصمت وہ ملکۂ الٰہیہ ہے جو انسان کو گناہ پر قدرت واختیار کے باوجود گناہ کرنے اور اُس کی طرف مائل ہونے سے روکے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں:

حقيقة العصمة أن لايخلق الله تعالى فى العبد الذنب مع بقاء قدرته و اختياره، و هذا معنى قولهم : هى لطف من الله تعالى يحمله على فعل الخير ، و يزجره عن الشرمع بقاءالاختيارتحقيقا للابتلاء، ولهذاقال الشيخ أبومنصور الماتريدیّ رحمه الله تعالى : العصمة لاتزيل المحنة ، وبهذا يظهر فساد قول من قال : انها خاصيّة فى نفس الشخص أو فى بدنه يمتنع بسببها صدور الذنب عنه، كيف ولو كان الذنب ممتنعا لما صح تكليفه بترك الذنب ولما كان مثابا عليه۔ (شرح العقائد النسفية، ص: ٣٣٥)

عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی بندہ میں اُس کی قدرت واختیار کے باوجود گناہ نہ پیدا فرمائے۔ اہلِ علم کے اِس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ عصمت اللہ تعالی کا ایک فضل ہے جو بندے کو اُس کے اختیار کے باوجود خیر پر آمادہ کرتا ہے اور برائی سے محفوظ رکھتا ہے تاکہ بندہ کا مکلف ہونا صحیح رہے، اِسی لیے شیخ ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: عصمت تکلیف وامتحان کو زائل نہں کرتی، اِس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں (روافض) کا یہ قول فاسد ہے کہ عصمت انسان کے اندر ایسی خاصیت ہے جس کی وجہ سے گناہ کا صدور محال ہوجاتا ہے؛ کیونکہ اگر گناہ کا صدور محال ہوتو نہ تو اُس کو ترکِ گناہ کا مکلّف بنانا صحیح ہوگا اور نہ ترکِ گناہ پر وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

العصمة فضل من الله و لطف منه ، ولكن على وجه يبقى اختيارهم بعد

العصمة فی الاقدام علی الطاعة والامتناع عن المعصية ، واليه مال الشيخ أبومنصور الماتريدیّ حيث قال: العصمة لاتزيل المحنة ، أی الابتلاء والامتحان، يعنی لاتجبره علی الطاعة ولاتعجزه عن المعصية، بل هی لطف من الله تعالی يحمله علی فعل الخير ويزجره عن الشر مع بقاء الاختيار تحقيقا للابتلاء والاختبار۔ (منح الروض الأزهر، ص: ۳۳۵)

عصمت اللہ تعالیٰ کا فضل ولطف ہے، لیکن اِس طور پر کہ عصمت کے بعد بندوں کو فعلِ طاعت کرنے اور معصیت سے باز رہنے کا اختیار باقی رہتا ہے، شیخ ابومنصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رجحان بھی اِسی طرف ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: عصمت مکلف ہونے کو باطل نہیں کرتی، یعنی عصمت نہ طاعت پر مجبور کرتی ہے اور نہ گناہ سے عاجز بناتی ہے، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جو قدرت واختیار کے باوصف نیکی پر آمادہ کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تاکہ تکلیف وامتحان کا معنیٰ ثابت رہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں ایک باب کا عنوان یہ قائم فرمایا ہے:

"المعصوم من عصم اللّٰہ"

(صحيح البخاری مع فتح الباری ۱۵/۲۲۴، دارطيبة، الرياض)

معصوم وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

اِن تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ انبیاءِ کرام ومرسلینِ عظام علیہم الصلوۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ نے معصیت کی قدرت سلب نہیں فرمائی ہے، بلکہ اُن میں یہ قدرت واختیار موجود ہے کہ وہ معصیت کرسکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے الطافِ کریمانہ اور فضلِ خصوصی سے اِس مبارک جماعت کو ایسا محفوظ وماموں فرمادیا ہے کہ اب اُن سے شرعاً گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا۔

عصمتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بعض دلائل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ

مِنۡکُمۡ فَاِنۡ تَنٰزَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا } (سورة النساء، آية: ۵۹)

اے ایمان والو ! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے اختیار والوں کی ، پھر اگر تم کسی چیز میں مختلف ہو جاؤ تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ تعالی اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر اور انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہے۔

اِسی سورۂ مبارکہ میں چند آیات کے بعد اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ وَلَوۡ اَنَّہُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ جَآءُوۡکَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰہَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَہُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا } (سورة النساء، آية: ۶۴)

اور ہم نے ہر رسول کو اِسی لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے، اور اگر یہ لوگ جب اُنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آجاتے اور اللہ تعالی سے استغفار کرتے اور رسول اُن کے لیے استغفار کرتے تو یقینا اللہ تعالی کو توبہ قبول فرمانے والا مہربان پاتے۔

اِن آیات کے علاوہ بھی قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر اللہ تعالی نے اپنی اطاعت و فرماں برداری کے ساتھ ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر مشروط اور مستقل اطاعت و فرماں برداری کا حکم دیا ہے، جو اِس بات کی دلیل ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں ؛ کیونکہ اگر آپ کو عصمت حاصل نہ ہوتی تو ربِّ کریم آپ کی اطاعت و اتباع کا مطلق حکم نہ دیتا، بلکہ امراء کی اطاعت کی طرح آپ کی اطاعت و اتباع کا بھی ایک معیار اور پیمانہ مقرر کر دیا جاتا، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

السَّمۡعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ مَا لَمۡ يُؤۡمَرۡ بِالۡمَعۡصِيَةِ ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعۡصِيَةٍ فَلَا سَمۡعَ وَلَا طَاعَةَ۔

(صحيح البخاری ۴/۶۰ ، رقم الحديث : ۲۹۵۵ ۔ و صحيح مسلم ۶/۱۵ ، رقم الحديث : ۴۸۶۹ ۔ و السنن لأبی داؤد ، رقم الحديث : ۲۶۲۸ ۔ والسنن للترمذی ، رقم الحديث : ۱۷۰۷ ۔ و السنن للنسائی ، رقم الحديث : ۴۲۰۶ ۔ و السنن لابن ماجة ، رقم الحديث: ۲۸۶۴ ۔ ومسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۴۶۶۸ ۔ والمصنف لابن أبی شيبة ، رقم الحديث: ۳۴۳۹۶)

امیر کی بات سننا اور ماننا حق ہے جب تک گناہ کا حکم نہ دیا جائے ، جب گناہ کا حکم دیا جائے تو سننا ہے نہ ماننا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی اِس حدیث شریف کے الفاظ صحیح بخاری کتاب الاحکام میں اِس طرح ہیں:

السَّمْعُ وَ الطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَ كَرِهَ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَ لَا طَاعَةَ۔ (صحيح البخاری، رقم الحديث: ۷۱۴۴)

مسلمان شخص پر خوشی و ناخوشی میں امیر کی بات سننا اور ماننا ضروری ہے جب تک گناہ کا حکم نہ دیا جائے اور جب گناہ کا حکم دیا جائے تو کوئی سننا ماننا نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سَيَلِي أُمُورَكُمْ بَعْدِي رِجَالٌ يُطْفِئُونَ السُّنَّةَ ، وَيَعْمَلُونَ بِالْبِدْعَةِ ، وَيُؤَخِّرُونَ الصَّلَاةَ عَنْ مَوَاقِيتِهَا ۔ فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ ، إِنْ أَدْرَكْتُهُمْ ، كَيْفَ أَفْعَلُ ؟ قَالَ : تَسْأَلُنِي يَا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ كَيْفَ تَفْعَلُ ؟ لَا طَاعَةَ ، لِمَنْ عَصَى اللهَ۔

(السنن لابن ماجة، رقم الحديث: ۲۸۶۵)

میرے بعد عنقریب ایسے لوگ تمہارے امیر بنیں گے جو سنت کو مٹائیں گے ، بدعت پر عمل کریں گے اور نماز کو اُس کے وقت سے مؤخر کریں گے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں اُن کو پالوں تو کیا کروں؟ فرمایا: ابنِ امِّ عبد! یہ پوچھنے کی بات ہے کہ کیا کروں؟ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی فرماں برداری نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بَعَثَ جَيْشًا وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا، فَأَوْقَدَ نَارًا وَقَالَ: ادْخُلُوهَا، فَأَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا، وَقَالَ آخَرُونَ: إِنَّمَا فَرَرْنَا مِنْهَا، فَذَكَرُوا لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فَقَالَ: لِلَّذِينَ أَرَادُوا أَنْ يَدْخُلُوهَا لَوْ دَخَلُوهَا لَمْ يَزَالُوا فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَقَالَ لِلْآخَرِينَ لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۲۵۷۔ وصحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۸۷۱۔ و السنن لأبی داؤد، رقم الحدیث: ۲۶۲۷۔ و السنن للنسائی، رقم الحدیث: ۴۲۰۵۔ و مسند أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۷۲۴۔ وصحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۴۵۶۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ایک شخص کو اُن کا میر بنا دیا، اُس امیر نے آگ جلا کر کہا: اِس میں داخل ہو جاؤ، کچھ لوگوں نے تو داخل ہونے کا ارادہ کر لیا اور باقی لوگوں نے کہا ہم بھاگ چلتے ہیں، اُنہوں نے اِس بات کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا، تو آپ نے آگ میں گھسنے کا ارادہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: اگر وہ گھس جاتے تو قیامت تک اُسی میں رہتے، اور دوسروں سے فرمایا: گناہ میں کوئی فرماں برداری نہیں، فرماں برداری صرف نیکی اور بھلائی کی باتوں میں ہے۔

یہ ہے امراء و حکام کی اطاعت کا پیمانہ، کہ جب تک گناہ و معصیت کا حکم نہ دیں اُن کی اطاعت کی جائے گی اور معصیت کا حکم دیں تو اُن کی بات نہیں مانی جائے گی، اِس کے برخلاف انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام خصوصاً امام الاولین والآخرین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا اللہ تعالی نے کوئی پیمانہ و معیار مقرر نہیں فرمایا، بلکہ اُن کو رشد و ہدایت، امامت و قیادت اور دین و شریعت کا سرچشمہ بنا کر لوگوں کو ہر حال میں اُن کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا، اُن کی پاکیزہ زندگی کو امت کے لیے نمونۂ عمل قرار دیا اور واضح لفظوں میں ارشاد فرما دیا کہ اُن کی اطاعت اللہ تعالی ہی کی اطاعت ہے۔ ربِّ کریم فرماتا ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ (سورۃ النساء، آیۃ: ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے آپ کو اُنہیں بچانے والا بنا کر نہیں بھیجا۔

اللہ رب العزت کے اِن تمام ارشادات سے یہ بات ظاہر ہے کہ جن نفوسِ قدسیہ کی مطلق اطاعت کا حکم ہے وہ یقیناً معصوم اور ہر خطا سے منزہ ومبرا ہیں۔

اللہ تعالی اٹھارہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتا ہے:

{وَ كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِیْنَ} (سورۃ الأنعام، آیة: ٨٦)

اور ہم نے ہر ایک کو تمام جہان پر فضیلت دی۔

اِس آیت میں انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی تمام جہانوں پر فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام ملائکہ سے بھی افضل ہیں، اور ملائکہ بالاتفاق معصوم ہیں، لہذا یہ بات یقینی ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام معصوم ہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ غیر معصوم معصوم سے افضل ہو۔

مختصر بات یہ ہے کہ انبیاءِ کرام ومرسلینِ عظام علیہم الصلوۃ والسلام کی عصمت وعفت پر قرآنِ کریم کی صدہا آیاتِ مبارکہ کی واضح دلالت موجود ہے، اور عصمت نبوت ورسالت کا وہ امتیازی وصف اور اہم لازمہ ہے کہ اگر اِس وصفِ عظیم کو انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے جدا کرلیا جائے تو مقامِ نبوت کی عظمت متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، اُن کی حیاتِ طاہرہ ظن ووہم کے گھیرے میں آجائے گی، عالمین کی ہدایت ورہبری کے یہ مصادر ومراکز مشکوک ومخدوش ہوجائیں گے، جن کی ذات امت اور کائنات کے لیے نمونۂ عمل، اسوۂ حسنہ اور قابلِ تقلید مثالِ لازوال ہے اُس پر حرف آجائے گا اور ایمان باللہ سے لے کر معاشرت ومعاملت تک کے تمام اعتقادات ومسائل تشکیک وتزلزل کا شکار ہوجائیں گے۔

انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے وابستہ اعتماد واعتقاد کی مضبوط بنیادوں پر ہی دین کی فلک بوس عمارت قائم ہے، اگر اِس بنیاد ہی میں ضلالت ومعصیت، صغائر وکبائر اور قبائح ورذائل کے جراثیم کی دراندازی تسلیم کرلی گئی تو پھر ہدایت وحقانیت، عقیدہ وعقیدت، عبادات وطاعات اور دینیات واسلامیات کا سارا نظام ہی درہم برہم ہوکر رہ جائے گا، لہذا کتاب و

سنت اور اجماع کے محکم دلائل کے ساتھ ساتھ دین پسند اور عقل دوست طبیعت کا بھی یہی فیصلہ ہوگا کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام قطعاً معصوم ہیں۔

امام المعصومین، سید الانبیاء والمرسلین، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت وعفت پر درج ذیل آیات خصوصی طور سے دلالت کرتی ہیں؟

{لَا تَجْعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖٓ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ} (سورۃ النور، آیۃ: ۶۳)

رسول کے پکارنے کو باہم ایک دوسرے کو پکارنے کی طرح نہ بنالو، بے شک اللہ تعالیٰ تم میں سے اُن لوگوں کو جانتا ہے جو نظر بچا کر نکل جاتے ہیں، تو اُن لوگوں کو جو حکمِ رسول کی مخالفت کرتے ہیں کسی فتنہ کے آپڑنے یا دردناک عذاب کے پہنچنے سے ڈرنا چاہیے۔

یہاں سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت سے ڈرایا جارہا ہے اور نافرمانی کی صورت میں کسی آفت یا عذاب میں مبتلا ہونے کی وعید سنائی جارہی ہے، یہ شان صرف معصوم کی ہوسکتی ہے؛ کیونکہ غیرِ معصوم کی حکم عدولی کے لیے احتمالِ معصیت کو عذر بنایا جاسکتا ہے۔

{وَمَآ اٰتٰيكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰيكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ} (سورۃ الحشر، آیۃ: ۷)

اور رسول تمہیں جو دیں اُس کو لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ، اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے۔

اِس آیتِ کریمہ میں عطا کرنے اور روکنے کے عموم واطلاق سے بداہۃً یہ بات ثابت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ عالی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوامر ونواہی کی اطاعت واتباع کو واجب وضروری قرار دیا ہے، اور اطاعت سے روگردانی کرنے والوں کے لیے شدید عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے، اور ربِّ کریم جس ذات کے امر ونہی کی مطلقاً اتباع کا حکم دے عقل ونقل کا اقتضا یہ ہے کہ وہ ذات اُن تمام معائب ونقائص سے پاک ومنزہ اور معصوم ومبرا ہوگی جس سے مطاع ومقتدا کی سیرت وشخصیت پر حرف آسکتا ہو

اور اُس کا دامن اُن تمام رذائل وقبائح سے مکمل صاف وستھرا ہوگا جن سے آلودگی کا شوشہ چھوڑ کر مخالفین واعداءِ دین کو زبانیں چلانے اور بغلیں بجانے کا موقع مل سکتا ہو۔

{ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا } (سورة الأحزاب، آية: ۲۱)

بیشک تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہتر نمونہ ہے، اُس کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہو اور کثرت کے ساتھ اللہ کو یاد کرے۔

اِس آیتِ مبارکہ کے تحت امام قرطبی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

الأسوة: القدوة، و الأسوة مايتأسّى به، أى يتعزى به فيقتدى به فى جميع أفعاله ويتعزى به فى جميع أحواله۔ (الجامع لأحكام القرآن ۱۴/۱۵۴)

اسوہ: قابلِ تقلید چیز، نمونہ، جس سے صبر وتسلی حاصل ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام افعال کی پیروی کی جائے اور آپ کے جملہ حالات وکوائف دیکھ کر صبر و سکون حاصل کیا جائے۔

کیا یہ شان کسی غیر معصوم کی ہوسکتی ہے کہ اُس کا ہر فعل وحال کسی کے لیے قابلِ تقلید اور نمونۂ عمل ہو؟ نہیں، ہرگز نہیں، یہ شان صرف اور صرف اُسی ذات کی ہوسکتی ہے جس کے بارے میں ربِّ کریم ارشاد فرماتا ہے:

{ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى } (سورة النجم، آيات: ۲، ۳، ۴)

تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ضلالت وغوایت دونوں کی نفی فرمائی ہے، مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ ضلالت راہِ حق سے اُس انحراف کو کہتے ہیں جو لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے ہو، یا وہ انحراف جس میں سالک کو منزل کا مطلقاً کوئی نشان واثر معلوم نہ ہو، اور غوایت قصداً مقصد سے کج روی ودوری اختیار کرنے کا نام ہے، یا صراطِ

مستقیم سے ہٹ جانے اور بھٹک جانے کو کہتے ہیں، بہر حال انجام و مآل دونوں کا ایک ہے کہ سالک گمراہی و بے رہروی کی دونوں صورتوں میں منزل تک رسائی سے محروم رہتا ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ ربِّ کریم نے اپنے حبیبِ جلیل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عصمت وعفت کا وہ مقامِ رفیع عطا فرمایا ہے کہ وہاں تک ضلالت وغوایت اور انحراف وکج روی کا گذر ہی نہیں ہوسکتا، وہ دامنِ تقدس وطہارت بخشا ہے کہ رذائل وقبائح کی آلائش کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور رشد و ہدایت، صداقت وحقانیت اور معرفت وحقیقت کا وہ نور ارزاں فرمایا ہے کہ فسادِ فکر ونظر اور حق سے عدول و بیزاری کا سوال بھی نہیں پیدا ہوتا۔

﴿عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۔ لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا﴾

(سورۃ الجن، آیات: ۲۶، ۲۷، ۲۸)

وہ غیب جاننے والا ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے، تو اُس کے آگے پیچھے (حفاظت کے لیے فرشتوں کا) پہرا مقرر فرمادیتا ہے؛ تاکہ دیکھ لے کہ اُنہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچادیئے، اور اُس (اللہ) نے اُن کے آس پاس کا احاطہ اور ہر چیز کا شمار کر رکھا ہے۔

جن نفوسِ قدسیہ کی حفاظت وصیانت کی شان یہ ہو کہ ملائکۂ معصومین کے ذریعہ جو وحی نازل فرمائی جاتی ہے اگر چہ اُس میں وحی لانے والے فرشتوں اور مہبطِ وحی انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے خطا اور کوتاہی کا صدور متصور ہی نہیں ہوسکتا، تاہم ربِّ کریم نے اِس حفاظت کو مزید مؤکد فرمانے کے لیے ملائکۂ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا پہرا مقرر فرمادیا ہے، کیا سلیم العقل مومن ایسی محفوظ و مامون شخصیات اور رشد و ہدایت کے انوار سے منور نفوسِ قدسیہ کے بارے میں یہ سوچ سکتا ہے کہ اُن سے گناہ ومعصیت، ضلالت وگمراہی اور حق سے انحراف و بیزاری کا صدور ممکن ہے؟ واللہ العظیم! اہلِ ایمان کے لیے تو یہ تصور تباہی و ہلاکت خیزی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کہ جس ذات کو اللہ تعالی نے رسالت ونبوت کے

منصبِ عالی کے لیے منتخب فرمایا ہے وہی گناہ ومعصیت اور خطاو کوتاہی کی مرتکب قرار دے دی جائے۔

حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم ومعارف

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت ورہبری کے لیے انبیاءِ کرام علیہم الصلوہ والسلام کو منتخب فرمایا اور اُن کو سفیرِ محض، یا ایلچی نہیں بنایا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچا کر الگ ہوجائیں، بلکہ ہر نبی کو اپنی امت کے لیے قابلِ تقلید نمونہ اور تمام دینی ضروریات کا سرچشمہ قرار دیا، اُن کی ذات میں وہ تمام محاسن وکمالات جمع فرمادیئے جو ایک دینی قائد کے لیے ازبس ضروری ہیں اور اُنہیں وحی کے ذریعہ علم ومعرفت کے وہ عظیم خزانے عطافرمادیئے کہ ظن وتخمین، وہم وخیال، رجم وحدس اور سحر وکہانت کی طنابیں اکھڑ گئیں اور تضلیل وتجہیل اور گمراہ گری وفریب کاری کی بساط سمٹ گئی۔ امت اور پوری کائنات کے سامنے اُن کا اعزاز و اکرام ایسے عظیم ومحکم اسلوب میں ارشاد فرمایا جو صرف اور صرف وحیِ الٰہی کی شان ہے۔
حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم الاشیاء عطافرما کر ملائکہ پر اُن کی عظمت وفضیلت ظاہر فرمائی اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام علوم ومعارف عطا فرما کر { وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ } (اور آپ کو سکھادیا جو آپ نہیں جانتے تھے) کے ذریعہ اُن کی علمی عظمت کا بیان جاوید بنادیا، اور علومِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں شکوک وشبہات پیدا کرنے والی زبانوں پر ہمیشہ کے لیے تالے لگادیئے اور اُن اوہام وخیالات کی جڑیں کاٹ دیں جو اِس شہرِ علم ومعرفت میں کسی بھی طرح کی دراندازی کر کے اپنے ناپاک عزائم اور گندے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی ادھیڑ بن میں لگ سکتے تھے۔

انبیاءِ کرام ومرسلینِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علوم ومعارف پر مستقل دستاویزی کتابیں موجود ہیں، جو عوام وخواص سب کی دسترس میں ہیں، لہٰذا انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ و السلام کی علمی جلالت ووفورِ معرفت کی تفصیلات جاننے کے لیے اُن کتابوں کی جانب رجوع

کرنا بہتر ہوگا، البتہ کتاب کے موضوع کی مناسبت سے ہم اتنا ضرور عرض کریں گے کہ ہر نبی کی امت پر لازم ہے کہ وہ افراط وتفریط کے بغیر اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ شریعت کے اصولی وفروعی احکام میں کوئی غیر نبی انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے زیادہ تو کیا، اُن کا ہم پلہ وہم سر بھی نہیں ہوسکتا۔

علامہ فضلِ رسول بدایونی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

وکونہ أعلم من جمیع من بعث الیہم بأحکام الشرع الذی بعث بہ، أصلیۃ و فرعیۃ، ولم یتعلم موسی من الخضر شیئا من ذلک۔

(المعتقد المنتقد، ص: ۱۵۰)

نبی کا شریعت کے احکامِ اصلیہ وفرعیہ میں اپنی امت سے زیادہ علم والا ہونا ضروری ہے۔ حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کوئی حکمِ شرعی نہیں سیکھا۔

یہ عام انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے علوم ومعارف کی شان ہے کہ شریعت کے اصولی وفروعی احکام میں اُن کی امتوں میں کوئی بھی اُن سے بڑا عالم نہیں ہوسکتا۔ لیکن امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم وفضل کی شان انتہائی بلند وبالا ہے، عقلِ انسانی اُس کا احاطہ نہیں کرسکتی، سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الخلق واکمل الخلق ہونے کے ساتھ ساتھ اعلم الخلق واعرف الخلق بھی ہیں اور اللہ تعالی نے آپ کو بے شمار علومِ غیبیہ عطا فرمائے ہیں، تاہم آپ کے علوم ومعارف کی تحدید وتعیین کا نہ تو شریعت نے کوئی پیمانہ مقرر کیا ہے اور نہ پوری مخلوق میں کسی کو یہ قدرت حاصل ہے کہ علومِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت وعظمت اور اُن کی غایت و حقیقت کو سمجھ سکے، ہاں ربِّ قدیر نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علوم ومعارف کے جو کمالات و مراتب اور مقامات ومناصب عطا فرمائے ہیں مندرجہ ذیل نصوص وشواہد کی روشنی میں اُن کی آفاقیت وہمہ گیری، گہرائی وبیکرانی اور رفعت ووسعت کو دیکھ کر ساری مخلوق کے علم وفضل کی بے بساطی کا ضرور اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور امت پر لازم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ پوری مخلوق میں علم وفضل اور کمال ومعرفت میں آپ سب سے برتر وبالا اور جامع واکمل ہیں۔

علومِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت و ہمہ گیری

امام المرسلین، رحمۃ للعالمین، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم و معارف کی عظمت و رفعت اور اُن کی آفاقیت و وسعت کو سمجھنا جن و بشر، حور و ملک اور عرشی و فرشی مخلوقات میں سے کسی کے بس کی بات نہیں ہے، امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز نے اپنے ایک شعر میں بڑی پتے کی بات فرمادی ہے کہ:

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا

جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

مصطفی جانِ رحمت، سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علومِ عالیہ اور معارفِ جلیلہ کا اندازہ کرنے کے لیے مندرجہ ذیل نصوص وشواہد ملاحظہ فرمائیے:

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ} (سورۃ التکویر، آیۃ: ۲۴)

اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

اِس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

إن هذا القرآن غيب، فأعطاه الله محمّدا صلى الله عليه وآله وسلم، فبذله، وعلمه، ودعا إليه، والله ما ضنّ به رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم۔ (جامع البيان للطبری، ج: ۲۴، ص: ۱۶۸)

بے شک یہ قرآن غیب ہے جو اللہ تعالی نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا، تو آپ نے اُس کی اشاعت فرمائی اور لوگوں کو اُس کی تعلیم و دعوت دی اور اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِس میں بالکل بخل نہیں فرمایا۔

اللہ تعالی دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

{مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَإِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ أَجْرٌ

عَظِيْمٌ } (سورة آل عمران، آية: ۱۷۹)

جس حال پر تم ہو اللہ تعالی مسلمانوں کو اُسی حال پر نہیں چھوڑے گا جب تک ناپاک کو پاک سے جدا نہ کردے، اور نہ اللہ تعالی کی یہ شان ہے کہ تمھیں غیب پر مطلع فرمائے، ہاں اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے، تو ایمان لاؤ اللہ اور اُس کے رسولوں پر اور اگر ایمان لاؤ اور تقوی اختیار کرو تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے۔

اِس آیتِ کریمہ کے تحت امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

معناه: أنه سبحانه حكم بأن يظهر هذا التمييز، ثم بيّن بهذه الآية أنه لا يجوز أن يحصل ذلك التمييز بأن يطلعكم الله على غيبه، فيقول: إن فلانا منافق، وفلانا مؤمن، وفلانا من أهل الجنة، وفلانا من أهل النار، فان سنة الله جارية بأنه لا يطلع عوام الناس على غيبه، بل لا سبيل لكم إلى معرفة ذلك الامتياز إلا بالامتحانات مثل ما ذكرنا من وقوع المحن والآفات، حتى يتميز عندها الموافق من المنافق، فأما معرفة ذلك على سبيل الاطلاع من الغيب فهو من خواص الأنبياء، فلهذا قال: (وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُسُلِهٖ مَنْ يَشَاءُ) أي ولكن الله يصطفي من رسله من يشاء، فخصهم باعلامهم أن هذا مؤمن، وهذا منافق. ويحتمل ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء، فيمتحن خلقه بالشرائع على أيديهم حتى يتميز الفريقان بالامتحان، ويحتمل أيضا أن يكون المعنى: وما كان الله ليجعلكم كلكم عالمين بالغيب من حيث يعلم الرسول حتى تصيروا مستغنين عن الرسول، بل الله يخص من يشاء من عباده بالرسالة، ثم يكلف الباقين طاعة هؤلاء الرسل.

(مفاتيح الغيب، ج: ۹، ص: ۴۴۲)

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالی نے واضح فرمادیا کہ وہ منافق ومومن کے درمیان امتیاز پیدا فرمادے گا، ساتھ ہی یہ بھی بیان فرمادیا کہ یہ امتیاز اِس طرح نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالی تمھیں اپنے غیب پر مطلع فرمادے اور بتادے کہ فلاں منافق ہے اور فلاں مومن ہے، فلاں جنتی ہے اور فلاں جہنمی ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی کی سنتِ جاریہ یہ ہے کہ وہ عوام کو اپنے غیب پر

مطلع نہیں فرماتا، بلکہ مومن ومنافق کے درمیان امتیاز کی معرفت کے لیے تمہارے پاس ابتلاء وآزمائش اور امتحان ومصائب کے دور سے گذرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہے، رہا غیب پر مطلع ہوکر اِس کی معرفت حاصل کرنا تو یہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا خاصہ ہے، اِسی لیے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا کہ (لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے چن لیتا ہے جسے چاہے) یعنی اللہ تعالی اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے منتخب فرمالیتا ہے اور اُن کو خصوصی طور پر بتادیتا ہے کہ یہ مومن ہے اور یہ منافق ہے۔ یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چن لیتا ہے تو اپنی مخلوق کو رسولوں کو دی گئی شریعت کے ذریعہ آزماتا ہے یہاں تک کہ دونوں فریق ممتاز ہوجاتے ہیں۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی کی یہ شان نہیں کہ اللہ تعالی تم سب کو اُسی طرح غیب کا علم عطا فرمادے جس طرح رسول جانتے ہیں، یہاں تک کہ تم رسول سے بے نیاز ہوجاؤ، بلکہ اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے جسے چاہے رسالت کے لیے منتخب فرمالیتا ہے پھر باقی لوگوں کو اِنہیں رسولوں کی اطاعت واتباع کا پابند و مکلف بنادیتا ہے۔

اِس آیتِ کریمہ کے شانِ نزول کے بارے میں امام محی السنہ ابومحمد حسین بن مسعود فراء بغوی رحمہ اللہ تعالی امام سدی رحمہ اللہ تعالی سے نقل فرماتے ہیں کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: عُرضتُ علي أمتي في صورها في الطين كما عُرِضتُ على آدم، وأُعْلِمتُ من يؤمن بي ومن يكفر بي۔ فبلغ ذلك المنافقين فقالوا استهزاء: زعم محمد أنه يعلم من يؤمن به، ومن يكفر ممن لم يخلق بعد، ونحن معه وما يعرفنا، فبلغ ذلك رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقام على المنبر، فحمد الله وأثنى عليه ثم قال: ما بال أقوام طعنوا في علمي، لا تسألوني عن شيء فيما بينكم وبين الساعة إلا أنبأتكم به، فقام عبد الله بن حذافة السهمي، فقال: من أبي، يا رسول الله؟ قال: حذافة، فقام عمر، فقال: يا رسول الله! رضينا بالله ربًّا وبالإسلام دينًا وبالقرآن إمامًا وبك نبيًا، فاعفُ عنا عفا الله عنك، فقال النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: فهل أنتم منتهون؟ ثم نزل عن المنبر، فأنزل الله تعالى هذه الآية۔

(معالم التنزیل للبغوی، ج: ۲، ص: ۱۴۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت کو میرے سامنے مٹی کی صورتوں میں پیش کیا گیا جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام پر (اُن کی اولاد کو) پیش کیا گیا تھا، اور مجھے یہ علم عطا کیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا، جب یہ خبر منافقین تک پہنچی تو بطورِ استہزا کہنے لگے: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گمان ہے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ہیں اُن میں سے کون اُن پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا، حالانکہ ہم اُن کے ساتھ رہتے ہیں اور وہ ہمیں نہیں پہچانتے ہیں، جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی تو آپ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اللہ تعالی کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا: اُن لوگوں کا کیا حال ہے جنہوں نے میرے علم میں طعن و تشنیع کی ہے، تم اب سے قیامت تک کی جس چیز کے بارے میں بھی سوال کروگے میں اُس کے بارے میں تمہیں ضرور بتاؤں گا، اِس پر حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کھڑے ہو کے عرض گذار ہوئے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے باپ کون ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: حذافہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم اللہ تعالی کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے، قرآن کے امام ہونے اور آپ کے نبی ہونے سے راضی ہیں، لہذا ہمیں معاف فرمادیجیے، اللہ تعالی نے آپ کو عفو و درگذر عطا فرمائی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم باز آؤگے؟ پھر آپ منبر سے اتر آئے، اُس پر اللہ تعالی یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی۔

اِس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے شمار علومِ غیبیہ عطا فرمائے ہیں، اور آپ کے علمِ پاک میں طعن و تشنیع کرنا اہلِ ایمان کی شان نہیں، بلکہ منافقین واعداءِ دین کی روش ہے۔

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

سُئِلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا، فَلَمَّا أُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ، ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ: سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ، قَالَ رَجُلٌ: مَنْ أَبِي؟ قَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ، فَقَامَ آخَرُ، فَقَالَ: مَنْ أَبِي يَارَسُولَ اللهِ؟ فَقَالَ أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ، فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا فِي وَجْهِهِ، قَالَ: يَا

رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

(صحیح البخاری، ج: ۱ ص: ۳۴، رقم الحدیث: ۹۲۔ وصحیح مسلم، ج: ۷، ص: ۹۴، رقم الحدیث: ۶۲۷۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات کیے گئے جو آپ کو ناگوار تھیں، جب سوالات کثرت سے کیے جانے لگے تو آپ کو جلال آ گیا، پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا: جو پوچھنا چاہتے ہو مجھ سے پوچھو، ایک صاحب نے عرض کیا میرے باپ کون ہیں؟ فرمایا: حذافہ، دوسرے صاحب نے کھڑے ہو کر عرض کیا اور میرے باپ کون ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ ارشاد فرمایا: تیرا باپ سالم شیبہ کا غلام ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخ انور پر جلال وغضب کے آثار کو دیکھا تو عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم اللہ تعالی کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خَرَجَ حِينَ زَاغَتْ الشَّمْسُ، فَصَلَّى الظُّهْرَ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَذَكَرَ السَّاعَةَ، وَذَكَرَ أَنَّ بَيْنَ يَدَيْهَا أُمُورًا عِظَامًا، ثُمَّ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ عَنْهُ، فَوَاللهِ لَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهِ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا، قَالَ أَنَسٌ: فَأَكْثَرَ النَّاسُ الْبُكَاءَ، وَأَكْثَرَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أَنْ يَقُولَ سَلُونِي، فَقَالَ أَنَسٌ: فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ، فَقَالَ: أَيْنَ مَدْخَلِي يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: النَّارُ، فَقَامَ عَبْدُ اللهِ بْنُ حُذَافَةَ، فَقَالَ: مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ، قَالَ: ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ: سَلُونِي، سَلُونِي، فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، فَقَالَ: رَضِينَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَسُولًا، قَالَ: فَسَكَتَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حِينَ قَالَ عُمَرُ ذَلِكَ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُرْضِ هَذَا الْحَائِطِ وَأَنَا أُصَلِّي فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ۔

(صحیح البخاری، ج: ۹، ص: ۱۱۸، رقم الحدیث: ۷۲۹۴۔ وصحیح مسلم، ج: ۷، ص: ۹۳، رقم الحدیث: ۶۲۷۰)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد (حجرۂ انور سے) باہر تشریف لائے، ظہر کی نماز ادا فرمائی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے، قیامت کا ذکر فرمایا، اور فرمایا کہ قیامت سے پہلے اہم حادثات رونما ہوں گے، پھر ارشاد فرمایا: جو شخص کسی چیز کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ سوال کر سکتا ہے، اللہ کی قسم! تم مجھ سے جس چیز کے بارے میں بھی سوال کرو گے میں اُس کے بارے میں تمہیں ضرور بتاؤں گا جب تک میں اِس جگہ کھڑا ہوں، حضرت انس فرماتے ہیں کہ لوگ زاروقطار رونے لگے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار ارشاد فرمارہے تھے مجھ سے پوچھو، حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر پوچھا: یارسول اللہ! میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: جہنم، پھر عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا: تیرا باپ حذافہ ہے، حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار ارشاد فرمارہے تھے: مجھ سے پوچھو، لوگو! مجھ سے سوال کرو، اب حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے: ہم اللہ تعالی کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے سے راضی ہیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہوگئے۔ اُس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے ابھی ابھی جب میں نماز پڑھ رہا تھا دیوار کے اِس گوشے میں جنت و دوزخ کو میری نگاہ کے سامنے کر دیا گیا تو میں نے آج کی طرح بہتر اور بدتر منظر کبھی نہیں دیکھا۔

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

قَامَ فِينَا النَّبِيّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مَقَامًا فَأَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتَّى دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَأَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذَلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۳۱۹۲)

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے درمیان کھڑے ہوکر ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ جانے تک کے حالات بیان فرمادیئے، جس نے اُن کو یاد رکھا اُس نے یاد رکھا اور جس نے اُن کو بھلا دیا اُس نے بھلا دیا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں:

قَامَ فِينَا رَسُولُ ﷺ مَقَامًا مَا تَرَکَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذَلِکَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَ نَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۷۴۴۵۔ و صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۶۶۰۴۔ و السنن لأبی داؤد، رقم الحدیث: ۴۲۴۲۔ و مسند أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۲۳۳۲۲۔ و صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۶۶۳۶۔ و مسند البزار، رقم الحدیث: ۲۸۰۶۔ و المستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۸۴۹۹)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور اُس وقت سے قیامت تک ہونے والی ہر چیز کو بیان فرمادیا ،جس نے اُن باتوں کو یاد رکھا اُس نے یاد رکھا اور جو اُنہیں بھول گیا تو بھول گیا۔

حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ الْفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتُ الظُّهرُ، فَنَزَلَ فَصَلَّى ، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتُ الْعَصُرُ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى غَرَبَتُ الشَّمُسُ ، فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ فَأَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا۔

(صحیح مسلم ، رقم الحدیث : ۷۴۴۹۔ و مسند أحمد بن حنبل ، رقم الحدیث : ۲۲۹۳۹۔ و صحیح ابن حبان ، رقم الحدیث : ۶۶۳۸۔ و مسند أبی یعلی ، رقم الحدیث : ۶۸۴۵۔ و المستدرک للحاکم ، رقم الحدیث : ۸۴۹۸۔ و المعجم الکبیر للطبرانی ، رقم الحدیث: ۱۳۵۲۲)

رسول اللہ ﷺ ہمیں فجر کی نماز پڑھا کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور ظہر کے وقت تک خطبہ ارشاد فرمایا، اتر کر نماز پڑھائی، پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوگیا، اتر کر نمازِ عصر پڑھائی، پھر منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا، اِس طرح آپ نے وہ تمام چیزیں بتادیں جو ہوچکیں اور آئندہ ہونے والی ہیں (یعنی ما کان

وما یکون کی خبریں بتا دیں) تو ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جو زیادہ حفظ والا ہے۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ زَوَى لِي الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا، وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ: الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ، وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ، وَأَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَإِنَّ رَبِّي قَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِنِّي إِذَا قَضَيْتُ قَضَاءً فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ، وَإِنِّي أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَا أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ، وَأَنْ لَا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ يَسْتَبِيحُ بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا أَوْ قَالَ مَنْ بَيْنَ أَقْطَارِهَا حَتَّى يَكُونَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا۔

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ۷۴۴۰۔ والسنن لأبی داؤد، رقم الحديث: ۴۲۵۴۔ و السنن للترمذی، رقم الحديث: ۲۱۷۶۔ ومسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۲۵۰۵۔ و صحيح ابن حبان، رقم الحديث: ۶۷۱۴۔ والسنن الكبرى للبيهقی، رقم الحديث: ۱۹۰۸۸ ۔ والمستدرک، رقم الحديث: ۸۳۹۰۔ ومصنف ابن أبی شيبة، رقم الحديث: ۳۲۳۵۲)

بے شک اللہ تعالی نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اُس کے تمام مشارق ومغارب کو دیکھ لیا، اور جو زمین میری لیے سمیٹی گئی عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی، اور مجھے دو خزانے سرخ وسفید عطا کیے گئے، اور میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیے یہ سوال کیا کہ عام قحط سے اُسے ہلاک نہ فرمائے، اور اُن پر اُن کے علاوہ اور کسی دشمن کو مسلط نہ فرمائے جو اُن کی خونریزی کو حلال سمجھے، اور یقیناً میرے رب نے ارشاد فرمایا: اے محمد! جب میں کوئی فیصلہ فرما دوں تو وہ رد نہیں ہوتا، اور بے شک میں نے آپ کی امت کے لیے فیصلہ فرما دیا ہے کہ اُنہیں عام قحط سالی سے ہلاک نہیں فرماؤں گا، اور اُن پر اُن کے علاوہ کسی اور دشمن کو مسلط نہیں کروں گا جو اُن کی جانوں کو مباح سمجھے اگرچہ اُن کے خلاف پوری روئے زمین کے تمام لوگ جمع ہو جائیں، یہاں تک کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل اور قید کریں گے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں:

احْتُبِسَ عَنَّا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذَاتَ غَدَاةٍ عَنْ صَلاةِ الصُّبْحِ حَتَّى كِدْنَا نَتَرَاءى عَيْنَ الشَّمْسِ ، فَخَرَجَ سَرِيعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلاةِ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَتَجَوَّزَ فِي صَلاتِهِ ، فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهِ قَالَ لَنَا : عَلَى مَصَافِّكُمْ كَمَا أَنْتُمْ. ثُمَّ انْفَتَلَ إِلَيْنَا ، ثُمَّ قَالَ : أَمَا إِنِّي سَأُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِي عَنْكُمُ الْغَدَاةَ ، إِنِّي قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّأْتُ وَصَلَّيْتُ مَا قُدِّرَ لِي، فَنَعَسْتُ فِي صَلاتِي حَتَّى اسْتَثْقَلْتُ ، فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ ، فَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ! قُلْتُ : لَبَّيْكَ رَبِّ. قَالَ : فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلأُ الأَعْلَى ؟ قُلْتُ : لا أَدْرِي ، قَالَهَا ثَلاثًا ، قَالَ : فَرَأَيْتُهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ ، فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ ، فَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ! قُلْتُ : لَبَّيْكَ رَبِّ ، قَالَ : فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلأُ الأَعْلَى ؟ قُلْتُ : فِي الْكَفَّارَاتِ ، قَالَ : مَا هُنَّ؟ قُلْتُ : مَشْيُ الأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ ، وَالْجُلُوسُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ ، وَإِسْبَاغُ الْوُضُوءِ فِي الْمَكْرُوهَاتِ ، قَالَ : فِيمَ قُلْتُ إِطْعَامُ الطَّعَامِ وَلِينُ الْكَلامِ وَالصَّلاةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ. قَالَ : سَلْ ، قُلْتُ : اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ ، وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ ، وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ ، وَأَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي ، وَإِذَا أَرَدْتَ فِتْنَةَ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِي غَيْرَ مَفْتُونٍ ، أَسْأَلُكَ حُبَّكَ ، وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ ، وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُ إِلَى حُبِّكَ - قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : إِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوهَا -

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ. سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ فَقَالَ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ -

(السنن للترمذی ، رقم الحديث : ۳۲۳۵ - و مسند أحمدبن حنبل ،رقم الحديث : ۲۲۱۶۲ - والمعجم الكبير للطبرانی ، رقم الحديث : ۱۶۶۴۰)

ایک دن نماز فجر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی تاخیر فرمائی کہ سورج نظر آنے کے قریب ہوگیا، آپ تیزی سے تشریف لائے ، اقامت کہی گئی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختصار کے ساتھ نماز پڑھائی ،سلام کے بعد بلند آواز سے فرمایا: اِسی طرح صفوں میں رہو، پھر ہماری

طرف رخ کر کے فرمایا: سنیے! میں تمہیں نماز میں تاخیر کی وجہ بتا رہا ہوں، میں نے رات کو اٹھ کر وضو کیا اور جو ہو سکا نماز پڑھی، پھر نماز میں مجھ پر اونگھ کا غلبہ ہو گیا، تو میں نے اپنے رب کو بہترین حالت میں دیکھا، مجھ سے فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کیا: میرے رب میں حاضر ہوں، ارشاد فرمایا: عالمِ بالا کے فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: میں نہیں جانتا، یہ تین بار فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: میں نے اپنے رب کو دیکھا کہ اُس نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک کو میں نے اپنے سینہ میں محسوس کیا، تو مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے سب کچھ پہچان لیا، فرمایا: اے محمد! میں نے عرض کیا: میں حاضر ہوں، فرمایا: ملائکۂ مقربین کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا: کفارات میں، فرمایا: وہ کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا: جماعت کی طرف چلنا، نماز کے بعد (دوسری نماز کے انتظار کے لیے) مسجد میں بیٹھنا، اور سردی کی سختیوں میں مکمل وضو کرنا، آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے یہ بھی عرض کیا: کھانا کھلانا، نرم بات کرنا، رات کو جب لوگ سوتے ہوں نماز پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: مانگو، میں نے عرض کیا: میں تجھ سے سوال کرتا ہوں نیکیوں کی توفیق، برائیوں سے گریز، مساکین کی محبت، مغفرت و رحمت کا، اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں مبتلا فرمانا چاہے تو مجھے بغیر فتنہ کے اٹھا لے، میں تجھ سے تیری محبت، تیرے محبوبوں کی محبت اور ایسے عمل کی محبت کا سوالی ہوں جو تجھ سے قریب کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہ الفاظ حق ہیں، اُن کو اچھی طرح سمجھ لو اور اُس کے بعد دوسروں کو سکھاؤ۔

یہ چند احادیثِ مبارکہ اُن کثیر و وافر احادیثِ صحیحہ صریحہ ثابتہ مرفوعہ کے پرنور دفاتر کا ایک حصہ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے حبیبِ جلیل، امام الانبیاء والمرسلین، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار علوم و معارف جوش مارتے ہوئے بحرِ بیکراں کا بیان ہے۔

قال الإمام عبد اللہ بن المبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

نحنُ إلی قلیل من الأدب أحوج منا إلی کثیر من العلم ۔

عقائدِ نبوت سے متعلق افراط وتفریط

وہابی اور دیو بندی حضرات کا دعوی ہے کہ وہ عقیدۂ توحید کے سب سے بڑے علمبردار و پاسبان ہیں ، ہمیں اُن کے دعوے کی بھر پور قدر کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ آخر عقیدۂ توحید کی یہ کیسی علمبرداری و پاسبانی ہے کہ عقیدۂ توحید کی ساری عظمت و اہمیت اور اُس کی اساس و حقیقت جس ذات کی رہینِ منت ہے اُس کے منصوص فضائل و مناقب اور روشن اعجازات و کمالات کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے اور عام انسان کی صف میں لاکر کھڑا کر دیا ہے، بلکہ دیوبندی جماعت کے اکابرین نے تو ساری حدیں پار کر کے محسنِ انسانیت ، نبیِ رحمت ، امام الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علمِ پاک کو جانوروں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دی اور اِسی پر بس نہیں بلکہ شیطان کے علم کو اعلم الخلق سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم سے زیادہ بتایا اور ایسی خطرناک قسم کی اہانتیں کیں جن کو نقل کرنے سے بھی طبیعت کو سخت کوفت محسوس ہوتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ اقدس میں صریح اہانتوں اور گستاخیوں کے ارتکاب کے بعد بھی عقیدۂ توحید کی پاسبانی و علمبرداری کا دعوی سلامت رہ سکتا ہے؟ اگر جواب میں کہا جائے کہ ہاں رسالت و نبوت کے امین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے سے توحید پر کوئی حرف نہیں آتا، تو اُس پر ہم اِس کے سوا اور کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتے کہ:

سلام اسلامِ مرتد کو کہ تسلیم زبانی ہے

دیوبندی مکتبۂ فکر کی طرف سے انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام خصوصاً سیدِ عالم، ہادیِ اعظم، نورِ مجسم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ اطہر میں تقصیر و تفریط اور بدترین توہین و تنقیص کا کھلے عام تحریروں میں جو مظاہرہ کیا گیا اور آج تک بے جھجک اُس کی نشر و اشاعت کی جارہی ہے اُس پر علماءِ حرمین شریفین نے یہ فتوی دیا کہ اِس طرح کے غیر اسلامی نظریات و عقائد رکھنے والوں کا شرعی حکم یہ ہے کہ:

من شك في كفره وعذابه فقد كفر۔

جو اُن کے عقائدِ کفریہ پر مطلع ہونے کے بعد اُن کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر و مرتد ہے۔

وہابی اور دیوبندی حضرات نے انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی شان میں تفریط و غلو اور گستاخی و اہانت کا جو گندا کھیل کھیلا ہے اُس کی تردید میں امامِ اہلِ سنت، مجددِ اعظم، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ العزیز نے ایسا تاریخی وتجدیدی کارنامہ انجام دے دیا ہے جس کو رہتی دنیا تک بھلایا نہیں جا سکتا۔ جو چاہے کتاب و سنت اور بے شمار دلائلِ شریعت سے مبرہن سیدی امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کی جلیل القدر تصنیفات کا مطالعہ کر کے اپنے ایمان و عقیدہ کو جلا بخش سکتا ہے۔

چونکہ وہابی اور دیوبندی مکاتبِ فکر کی عقیدۂ نبوت سے متعلق صریح اہانتوں اور خیانتوں کو چند جملوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اُس کے لیے ایک مبسوط کتاب کی ضرورت ہے، اور بحمدہٖ تعالیٰ اِس موضوع پر معتد بہ کام ہو بھی چکا ہے جو سب کے سامنے ہے، لہذا اہم وہابیت و دیوبندیت کے عقیدۂ نبوت سے متعلق نظریات و خیالات، توہین و تقصیر اور جرم و تفریط کے سلسلہ میں اِسی اجمال پر اکتفا کر رہے ہیں کہ یہ طبقہ اپنی خودساختہ توحید کا کمال اِس بات میں سمجھتا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جیسے بھی ممکن ہو ہر فضل و کمال سے خالی کر کے ایک عام بشر کے درجہ میں لا کر کھڑا کر دیا جائے اور مسلمانوں کو اِس سرچشمۂ ہدایت و نجات سے بیگانہ کر دیا جائے جو اُن کے لیے دنیا و آخرت کی سب سے بیش قیمت و بیش بہا دولت و نعمت ہے۔

ایک طرف وہابی اور دیوبندی مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر فضل و کمال، عزت و جاہ، رفعت و شوکت اور شان و عظمت کو گھٹانے اور مٹانے میں کوشاں ہیں، وہیں کچھ لوگ اپنی جہالت و غفلت، بدعت و ضلالت اور کجروی و مفاد پرستی کے سبب ایسے خطرناک افراط و غلو میں مبتلا ہیں جو ایمان کے لیے تباہ کن اور آخرت کی بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ اِس افراط و غلو میں نمایاں کردار اُن خلافِ شرع پیروں، دجال صوفیوں، کتاب و سنت اور اصل علوم دینیہ سے نابلد پیشہ ور رٹو خطیبوں اور برساتی کیڑوں کی طرح بکھرے ہوئے فاسق و فاجر اسٹیجوں

پر تھر کنے والے گویوں نے ادا کیا ہے جنہوں نے دین کو تجارت اور دنیا جمع کرنے کا کامیاب ذریعہ بنا رکھا ہے۔ الحمدللہ ہمارے اسلافِ کرام اور علماءِ اہلِ سنت و جماعت کا دامن اُن سب اساطیر وخرافات سے بالکل پاک ہے جن کا کتاب وسنت اور دیگر دلائلِ شریعت سے کوئی ثبوت موجود نہ ہو۔

بشریتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام میں افراط وغلو

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالی نے نبوت کا شرف واعزاز صرف بشر اور وہ بھی مردوں کو عطا فرمایا ہے، یہ انتخاب ہمارے لیے بحیثیتِ انسان کوئی معمولی افتخار نہیں ہے کہ ربِّ کریم نے ہماری نوع کو نبوت جیسے منصبِ رفیع کے لیے چن کر سرمدی سرفرازی بخش دی ،لیکن برا ہو اُس جہالت وشیطنت کا جس نے یہاں چور دروازے سے افراط وغلو کو داخل کر کے کئی سادہ لوحوں کے ایمان کو شدید خطرات میں ڈال رکھا ہے، بلکہ کئی تو ایسے ملتے ہیں کہ وہ اپنی برق گفتاری اور وہمِ خوش عقیدگی میں پہلے ہی ایمان سے محروم ہو چکے ہوتے ہیں لیکن اُنہیں اِس کا احساس نہیں ہوتا۔

بے شک انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت کی شان نہایت عظیم و بلند ہے، اُن کی بشریتِ عظمٰی پر اپنی بشریت کو قیاس کرنا، بشری خصائص وعوارض کو مثال میں پیش کرنا اور اِس طرح اُن نفوسِ قدسیہ کے امتیازات وکمالات اور منفرد اوصاف وفضائل کا انکار کرنا یقیناً کفار ومشرکین کا طریقہ رہا ہے، لیکن اِس کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ کوئی سرے سے انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت ہی کا انکار کر دے، اگر کسی نے یہ عقیدہ رکھا کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام بشر نہیں، بلکہ نور ہیں تو ایسا شخص قطعی طور پر دائرۂ اسلام سے خارج اور بے ایمان ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ قرآنِ کریم کا انکار ہے۔ لہذا یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو اپنی طرح بشر کہنا اور اُن کو ایک عام انسان کے زمرے میں شمار کرنا ضلالت وگمراہی ہے، لیکن اُن کی بشریت کا مطلقاً انکار کرنا بدترین افراط وغلو اور کفر وارتداد ہے۔

وہ جاہل و بدعمل خطیب، فاسق و بے لگام پیر اور ملحد و زندیق صوفی جو خود کو سنی کہلاتے ہیں اور عوام کے سامنے اپنی عظمت کی دھاک بٹھاتے ہیں اُن کے لیے یہ بات زبردست لمحۂ فکریہ ہے کہ اپنے قول و فعل سے عوام کو ایسا تاثر دینے سے گریز کریں جس سے وہ یہ عقیدہ بنالیں کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام بشریت کے دائرہ سے خارج اور غیر انسانی مخلوق ہیں؛ کیونکہ یہ اعتقاد قرآنِ کریم کی واضح تصریحات کا انکار ہونے کے سبب کفر وارتداد ہے۔ ہاں انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت کا ذکر کرتے وقت اِس بات کی بھی خوب اچھی طرح وضاحت کرنا چاہیے کہ قرآنِ کریم جہاں انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بشری حقیقت کو واضح فرماتا ہے وہاں اُن کے اعزاز واعجاز، شرف و کرامت اور مقام و منصب کو بھی ظاہر فرما دیتا ہے تاکہ کوئی شخص اُنہیں اپنی طرح سمجھ کر اُن کی شان کا استخفاف نہ کرنے لگے۔

انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو بشر کہنے کا کافرانہ انداز کچھ یوں تھا:

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{ وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ يَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۔ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۔ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۔ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ }

(سورۃ المؤمنون، آیات: ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸)

اور اُس قوم کے سردار بولے جنہوں نے کفر کیا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور جنہیں ہم نے دنیوی زندگی میں خوش حال کیا یہ تو تم جیسا ہی بشر ہے، جو تم کھاتے ہو اُسی میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اُسی میں سے پیتا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے جیسے کسی بشر کی اطاعت کی تب تو تم یقیناً گھاٹے میں رہو گے۔ کیا تم سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو پھر سے نکالے جاؤ گے؟ دور اور بہت دور ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ وہ

(زندگی) تو صرف ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم مرتے جیتے ہیں اور ہم اٹھائے نہیں جائیں گے۔ وہ تو ایسا مرد ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اور ہم اُس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور اگر تم اپنے ہی جیسے کسی بشر کی اطاعت کرو تب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔

اللہ تعالیٰ قومِ ثمود کا حال بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

{كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۔ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۔ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ}

(سورۃ القمر، آیات: ۲۳، ۲۴، ۲۵)

(قومِ) ثمود نے ڈرانے والے (رسولوں) کو جھٹلایا، تو بولے کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی پیروی کریں، تب تو ہم یقیناً گمراہی و دیوانگی میں ہوں گے۔ کیا ہم سب کے درمیان اُس پر وحی نازل کی گئی؟ بلکہ وہ سخت جھوٹا بڑائی جتانے والا ہے۔

ربِّ کریم کفار کے ایک انداز کو یوں بیان فرماتا ہے:

{قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۔ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ} (سورۃ ابراھیم، آیات: ۱۰، ۱۱)

اُن کے رسولوں نے کہا کیا آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے اللہ کے بارے میں شک ہے؟ وہ تمہیں بلاتا ہے تاکہ تمہارے گناہ بخش دے اور ایک مقرر وقت تک تمہیں مہلت دے، (کفار) بولے تم تو ہمارے جیسے بشر ہو، تم چاہتے ہو کہ ہمیں اُس سے روک دو جسے ہمارے باپ دادا پوجتے تھے، تو تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر آؤ۔ اُن کے رسولوں نے اُن سے کہا ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے اور ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے پاس اللہ کے حکم کے بغیر کوئی

دلیل لے کر آئیں، اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ انطاکیہ والوں کے ذریعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی تکذیب و توہین کو یوں بیان فرماتا ہے:

{ اِذۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ اثۡنَيۡنِ فَكَذَّبُوۡهُمَا فَعَزَّزۡنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلَيۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ۔ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَ مَاۤ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَىۡءٍ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَكۡذِبُوۡنَ } (سورۃ یٰس، آیات: ۱۵، ۱۶)

جب ہم نے اُن (انطاکیہ والوں) کی طرف دو کو بھیجا تو اُنہوں نے اُن کو جھٹلایا تو ہم نے تیسرے سے قوت بخشی، اب اُنہوں نے کہا ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، وہ بولے تم تو ہماری ہی طرح بشر ہو اور رحمن نے کچھ نہیں اتارا تم تو نرا جھوٹ بول رہے ہو۔

قوم ثمود کی ایک دریدہ دہنی کو اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

{ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَ ۔ مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا فَاۡتِ بِاٰيَةٍ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ } (سورۃ الشعراء، آیات: ۱۵۳، ۱۵۴)

بولے تم پر تو جادو ہوا ہے تم تو ہمیں جیسے بشر ہو تو کوئی نشانی لاؤ اگر سچے ہو۔

جب حضرت شعیب علیہ الصلوۃ والسلام نے ایکہ والوں کو دین کی طرف دعوت دی تو اُن کا بھی وہی جواب تھا جو قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ الصلوۃ والسلام کو دیا تھا، اللہ تعالیٰ ان کے قول کو بیان فرماتا ہے:

{ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ الۡمُسَحَّرِيۡنَ ۔ وَمَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَاِنۡ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ } (سورۃ الشعراء، آیات: ۱۸۵، ۱۸۶)

بولے تم پر جادو ہوا ہے تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو اور بیشک ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ منکرینِ حشر کی حالت بیان کرتے ہوئے اُن کی ہفوات بیان فرماتا ہے:

{ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ ذِكۡرٍ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ مُّحۡدَثٍ اِلَّا اسۡتَمَعُوۡهُ وَهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ۔ لَاهِيَةً قُلُوۡبُهُمۡ وَاَسَرُّوا النَّجۡوَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا هَلۡ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ اَفَتَاۡتُوۡنَ السِّحۡرَ وَاَنۡتُمۡ تُبۡصِرُوۡنَ } (سورۃ الأنبیاء، آیات: ۲، ۳)

اُن کے رب کے پاس سے اُنہیں جو بھی نئی نصیحت آتی ہے وہ اُسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں، اُن کے دل غافل ہیں، اور ظالموں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں کہ یہ تو تمہاری ہی طرح ایک بشر ہے، تو کیا آنکھیں دیکھتے جادو کے پاس آتے ہو۔

قارئینِ کرام! انبیاء ومرسلین علیہم الصلوۃ والسلام کی دعوت وتبلیغ کو جھٹلانے کے لیے اُن کی بشریت کو نشانہ بنانے کا یہ کافرانہ انداز تھا، جس کی وجہ سے وہ کبر وغرور اور سرکشی و انانیت کا شکار ہو کر انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی تعلیمات وتوجیہات سے منحرف اور اُن کی نبوت ورسالت کے منکر ہو گئے۔ اب آیئے ذیل کی چند آیات ملاحظہ کرتے ہیں جن میں انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت کو بیان فرمایا گیا ہے؛ تاکہ امت کو اُن کی ذات سے وحشت ونفرت پیدا نہ ہو اور کسی کو اُن کی دعوت وتبلیغ سے برگشتہ کرنے کے لیے بغلیں بجانے اور زبان چلانے کا موقع نہ ملے، لیکن ربِّ کریم نے جہاں بھی انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت کو بیان فرمایا ہے وہاں اُن کے امتیاز واعزاز کو ضرور بیان فرمایا ہے تاکہ کوئی شخص اُنہیں اپنی طرح معمولی آدمی قرار دے کر تمرد وتکبر اور انانیت وتبختر کا شکار نہ ہو جائے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا }

(سورة الكهف، آية: ١١٠)

آپ فرما دیجیے میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اُسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

یہاں امامِ اہلِ سنت، سیدی اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی کا یہ جامع ارشاد بھی ملاحظہ فرمالیجیے:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طرف سے نہ فرمایا، بلکہ اُس کے فرمانے پر مامور ہوئے جس کی حکمت تعلیم وتواضع وتانیسِ امت وسدِّ غلوِّ نصرانیت ہے، اول دوم (تعلیم وتوضع)

ظاہر، اورسوم (امت کوانس دلانا) یہ کی مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کواُن کی امت نے اُن فضائل پر خدا اور خدا کا بیٹا کہا، پھر فضائلِ محمد یہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی عظمتِ شان کا اندازہ کون کرسکتا ہے، یہاں اُس غلو کے سدِّ باب کے لئے تعلیم فرمائی گئی کہ کہو میں تم جیسا بشر ہوں، خدا، یا خدا کا بیٹا نہیں، ہاں { یُوْحٰۤی اِلَیَّ } رسول ہوں، دفعِ افراطِ نصرانیت کے لئے پہلا کلمہ تھا، اور دفعِ تفریطِ ابلیسیت کے لئے دوسرا کلمہ۔ (فتاوی رضویہ ۱۴ / ۶۶۳)

دوسری جگہ اللہ تعالی یوں ارشاد فرماتا ہے:

أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِينٌ } (سورۃ یونس، آیۃ: ۲)

کیا لوگوں کو اِس بات سے تعجب ہے کہ ہم نے اُن میں سے ایک مرد کو وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈراؤ اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ اُن کے لیے اُن کے رب کے پاس سچ کا اجر ہے، کافروں نے کہا بے شک یہ تو کھلا جادوگر ہے۔

ایک جگہ اِس طرح ارشادِ الٰہی ہوتا ہے:

{ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ } (سورۃ فصّلت، آیۃ: ۶)

آپ فرما دیجیے میں تمہاری ہی طرح آدمی ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے، تو اُس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اُس سے مغفرت طلب کرو اور خرابی ہے مشرکین کے لیے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَن قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا ۔ قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا } (سورۃ الاسراء، آیات۔ ۹۳، ۹۴، ۹۵)

آپ فرما دیجیے پاک ہے میرا رب ، میں تو انسان رسول ہوں ۔اور لوگوں کے پاس ہدایت آجانے کے بعد اُنہیں ایمان سے روکنے والی اُن کی یہ بولی ہے کہ کیا اللہ نے انسان کو رسول بنا کر بھیجا، آپ فرما دیجیے اگر زمین میں اطمینان سے چلتے ہوئے فرشتے ہوتے تو ہم اُن پر فرشتہ ہی رسول بنا کر بھیجتے۔

مذکورہ تمام آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالی نے انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بشریت اور اُس کی حکمت کو بیان فرمانے کے ساتھ ساتھ اپنے اِن منتخب بندوں کی شانِ نبوت و رسالت کو بھی واضح فرما دیا ہے تا کہ لوگ افراط وغلو اور تقصیر وتفریط جیسے جرائم کے مرتکب ہو کر اپنے ایمان کو تباہ و برباد نہ کر بیٹھیں۔

اہلِ سنت و جماعت کا اجماعی موقف وعقیدہ یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو اللہ تعالی نے دو جہتیں عطا فرمائی ہیں: جہتِ ملکوتیت اور جہتِ بشریت۔ملکوتی جہت سے یہ نفوسِ قدسیہ ربِّ کریم سے عقائد واحکام اور فیوض وانوار حاصل فرماتے ہیں اور ملائکۂ کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے وحی و پیغامِ الٰہی وصول کرتے ہیں اور بشری جہت سے ساری کائنات پر الطاف وعنایات اور شرائع وعبادات کا افاضہ فرماتے ہیں۔جیسا کہ امام برہان الدین ابوالحسن ابراہیم بن عمر بقاعی شافعی رحمہ اللہ تعالی (م ۸۸۵ھ) فرماتے ہیں:

هم خلاصة الخلق، فلهم جهة ملكية يقدرون بها على التلقي من الملائكة لمجانستهم إياهم بها، و جهة بشرية يتمكن الناس بها من التلقي منهم، و لهم من المعاني الجليلة الجميلة التي صرفهم الله فيها بتكميل أبدانهم و أرواحهم ما لا يعلمه إلا هو فعليهم الصلاة و السلام و التحية و الإكرام۔

(نظم الدرر ۴/۳، دار الكتاب الاسلامی، القاهرة)

انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام خلاصۂ مخلوقات ہیں، اُن کی ایک جہت ملکوتی ہے جس سے وہ ملائکہ سے وحی وغیرہ حاصل کرتے ہیں اور دوسری جہت بشری ہے جس سے وہ انسانوں سے ملتے ہیں، اور اللہ تعالی نے اُن کے اجسام وارواح کو مکمل فرما کر اُنہیں ایسے عظیم وحسین اسرار ومعانی عطا فرمائے ہیں جنہیں اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اورعلامہ شہاب الدین ابوالفضل محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ تعالی (م ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں:

لما کان له ﷺ جهتان: جهة ملكية يستفيض بها، وجهة بشرية يفيض بها، جعل الإنزال على روحه ﷺ لأنها المتصفة بالصفات الملكية التي يستفيض بها من الروح الأمين۔

(روح المعانی ۱۹/۱۲۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

چونکہ نبی کریم ﷺ کی دو جہتیں ہیں: ملکوتی، جس سے آپ مستنیر و مستفیض ہوتے ہیں، اور بشری، جس کی وجہ سے آپ فیض و جود بخشتے ہیں، لہٰذا قرآن آپ کے قلبِ اقدس پرنازل فرمایا؛ کیونکہ دل ملکوتی صفات کا حامل ہے جو روحِ امین سے استفاضہ کرتا ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد بن محمد عبدری معروف بابن الحاج مالکی رحمہ اللہ تعالی (م ۷۳۷ھ) فرماتے ہیں:

إنه عليه الصلاة والسلام كان لايأتي الأحوال البشرية لأجل نفسه المكرمة، بل ذلک منه عليه الصلاة والسلام على طريق تأنيس البشرية لأجل الاقتداء به عليه الصلاة والسلام. ألا ترى إلى قول عمر المتقدم ذكره: (إني لأتزوج النساء، ومالي إليهن حاجة). وقد قال عليه الصلاة والسلام: (حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ: الطِّيبُ، وَالنِّسَاءُ، وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ) فانظر إلى حكمة قوله عليه الصلاة والسلام: حبب، ولم يقل: أحببت، وقال: من دنياكم، فأضافها إليهم دونه عليه الصلاة والسلام، فدل على أنه عليه الصلاة والسلام كان حبه خاصا بمولاه عزّ وجلّ، يدل عليه قوله عليه الصلاة والسلام: وجعلت قرة عيني في الصلاة، وما ذاک إلا لما اشتملت عليه من المعاني العلية الشريفة، فكان عليه الصلاة والسلام بشريَّ الظاهر، مَلَكِيَّ الباطن، فكان عليه الصلاة والسلام لا يأتي إلى شيء من الأحوال البشرية إلا تأنيسا لأمته، وتشريعا لها لا أنه محتاج إلى شيء من ذلک كما تقدم، وللجهل بهذه الأوصاف الجليلة، والخصال الحميدة قال الجاهل المسكين: { مَالِ هٰذَاالرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ

وَيَمۡشِيۡ فِي الۡأَسۡوَاقِ }ألا ترى إلى قوله تعالى فى كتابه العزيز : { قُلۡ لَا أَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِيۡ خَزَائِنُ اللهِ وَلَا أَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَا أَقُوۡلُ لَكُمۡ إِنِّيۡ مَلَكٌ }فقال : { لكم إني ملك }، ولم يقل : إني ملك ، فلم ينف الملكية عنه إلا بالنسبة إليهم أعني في معانيه عليه الصلاة والسلام لا في ذاته الكريمة ، إذ أنه عليه الصلاة والسلام يلحق بشريته ما يلحق البشر. ولهذاقال سيدى الشيخ الجليل أبو الحسن الشاذلي رحمه الله تعالى في صفته عليه الصلاة والسلام: هو بشر ليس كالأبشار كماأن الياقوت حجر ليس كالأحجار۔

(المدخل ۲/ ۱۸۹، ۱۹۰، دارالتراث، القاهرة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانی ضروریات اپنی مبارک ذات کے لیے پورا نہیں فرماتے تھے، بلکہ انسانوں کوانس دلانے کیلئے تاکہ اِن افعال میں آپ کی اقتدا کی جاسکے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان دیکھئے کہ: (میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں حالانکہ مجھے اُن کی کچھ حاجت نہیں ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: (میرے لیے تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں محبوب بنائی گئی ہیں: خوشبو، عورتوں کی محبت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) غور کیجیے! یہ فرمایا کہ میرے لیے محبوب بنائی گئیں، یہ نہیں فرمایا کہ میں انھیں محبوب رکھتا ہوں، اور فرمایا: تمہاری دنیا میں سے، یعنی دنیا کی اضافت اپنی ذات کے بجائے مخاطبین کی جانب فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل محبت اپنے مولیٰ عزوجل کے ساتھ خاص ہے، اِس بات کی دلیل آپ کا یہ ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے؛ کیونکہ نماز عظیم وجلیل اسرار ومعانی پر مشتمل عبادت ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر میں بشر اور باطن میں ملک ہیں اور یہ بشری حالات وعوارض امت کوانس دلانے اورانہیں قانونِ شریعت بتانے کے لیے تھے، نہ کہ اِس لیے کہ آپ کواُن کی حاجت تھی، جیسا کہ بیان کیا جاچکا، اِن عظیم اوصاف اور مبارک فضائل سے جاہل ہونے کے سبب بے چارہ کافر کہہ اٹھا: (اِس رسول کو کیا ہوا ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے)۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دیکھئے (آپ فرمادیجیے میں تم سے نہیں کہتا

میرے پاس اللہ تعالی کے خزانے ہیں اور نہ غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں) یہ فرمایا کہ (میں تم سے نہیں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں) یہ نہیں فرمایا کہ (میں نہیں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں) یعنی ملکوتیت کی نفی مخاطبین کی طرف نسبت کر کے فرمائی اپنی مبارک ذات کے اعتبار سے نہیں فرمائی ؛ کیونکہ بحیثیتِ بشر آپ کو وہی عوارض لاحق ہوتے تھے جو دوسرے انسانوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ اِسی لیے شیخِ عظیم، سیدی ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالی سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر ہیں مگر بشر کی طرح نہیں، جس طرح یاقوت پتھر ہے مگر پتھر کی طرح نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرح عام بشر کہنا کفار و مشرکین اور اعداء دین کا طریقہ ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کا مطلقاً انکار کرنا بھی غیر اسلامی نظریہ اور قرآنِ کریم کے ارشادِ صریح کا انکار و کفر ہے، اسلامی عقیدہ یہ ہے تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ و السلام بشمول سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشر و انسان ہیں، مگر اُن کی بشریت سب سے ممتاز و منفرد ہے۔

علمِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں افراط و تفریط

کتاب و سنت کی واضح نصوص اور روشن تصریحات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علومِ عالیہ اور معارفِ عظیمہ کی ایک تابش کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، جس سے یہ بات درخشاں خورشید سے بھی زیادہ ظاہر و عیاں ہے کہ اولین و آخرین بلکہ پوری مخلوق میں اللہ تعالی نے سب سے زیادہ علم و معرفت اور فضل و کمال جس ذات کو عطا فرمایا ہے وہ امام المرسلین، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ امام بوصیری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمِ

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ أَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پیدائش اور اخلاق میں انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے برتر ہیں، کوئی بھی علم و کرم میں آپ کا ہم سر نہیں ہے، اور سبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بحرِ کرم سے ایک چلو یا ابرِ عطا سے ایک چھینٹا مانگ رہے ہیں۔

لیکن اِس کے برعکس بعض حضرات نے نامعلوم اسباب و وجوہ یا مادی مفادات کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کے علمی فضل و کمال میں تفریط و تقصیر کی تمام حدیں پار کرتے ہوئے یہاں تک لکھ ڈالا ہے کہ:

پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علومِ غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی (بچہ) و مجنون (پاگل) بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے حاصل ہے؛ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے۔

(حفظ الایمان، ص: ۱۳)

اِس عبارت میں علمِ مصطفی ﷺ کو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دے کر غلو و تفریط کی بدترین اعتقادی بدعت ایجاد کی گئی اور چند سطروں کے الحادی تیشے سے اپنے ایمان و عقیدہ کو کچل کر رکھ دیا گیا، بات اِسی پر ختم نہیں ہوئی بلکہ دلوں کا بخار اِس سے بھی زیادہ خطرناک صورت میں اِس طرح سامنے آیا کہ:

الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

(براہینِ قاطعہ، ص: ۵۵)

مصطفی جانِ رحمت ﷺ کے علمِ پاک کے سلسلہ میں تفریط کی یہ روش بایک فرقے کا باضابطہ شعار بن چکی ہے، جس کی ہر حال میں یہ کوشش رہتی ہے کہ اُن تمام نصوص و شواہد کو اپنی طبیعت کے مطابق ڈھال کر تحریف و ترمیم کا شکار بنا دیا جائے جن سے رسولِ اکرم ﷺ کی وسعتِ علمی ثابت ہوتی ہے، اور اِس فرقہ سے وابستہ افراد اپنی تقریر و تحریر میں بسا اوقات ایسا لب و لہجہ استعمال کرتے ہیں جن سے کھلے طور پر نبی کریم ﷺ کی شانِ

اطہر میں صریح اہانت وکھلی گستاخی ہوتی ہے اور عقیدۂ نبوت ورسالت پر صاف زد پڑتی ہے جو یقیناً کفر وارتداد ہے۔

علمِ مصطفی ﷺ میں تقصیر وتفریط پر مبنی یہ عقیدہ دیوبندی جماعت کا ہے نیز نام نہاد اہلِ حدیث بھی اِس عقیدہ میں اہلِ دیوبند کے ہم نوا نظر آتے ہیں، جیسا کہ اُن کی کتابوں سے ظاہر ہے۔ اہلِ سنت وجماعت روزِ اول سے تقریر وتحریر کے ذریعہ یہ بات عوام وخواص تک پہنچانے میں مصروف ہیں کہ مذکورہ عقیدہ کتاب وسنت کی تعلیمات کے منافی ہے، اِس سلسلہ میں دلائلِ شرعیہ پر مشتمل سیکڑوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن افسوس بدنصیبوں کو آج تک یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ اپنے اِس غیر اسلامی عقیدہ سے تائب ہوں، بلکہ چوری اور سینہ زوری کے بموجب جہاں موقع ملتا ہے بھولے بھالے عوام کو ضرور گمراہ کرتے رہتے ہیں، اور جب اہلِ سنت وجماعت کے کسی عالم سے سامنا ہوتا ہے تو پھر وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے علم کے بارے میں وہابی اور دیوبندی مکتبۂ فکر کے مذکورہ غیر اسلامی عقیدے کے مقابل بعض جاہلوں اور شریعت سے نادان لوگوں کا افراط وغلو یہ ہے کہ وہ کئی بار رسول اللہ ﷺ کی علمی وسعت وگیرائی کو بیان کرتے ہوئے عقیدت وجذبات میں افراط وغلو کے مرتکب ہوجاتے ہیں اور اِس سلسلہ میں شریعتِ اسلامیہ کی قائم کردہ حدود کو پار کر بیٹھتے ہیں، یا کم از کم اُن کے انداز واسلوب سے علمِ ذاتی اور علمِ عطائی کا فرق ظاہر نہیں ہوتا جو عوام کے لیے فسادِ عقیدہ کا سبب بن سکتا ہے۔ چونکہ اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی عطا کے بغیر کسی کے لیے خود بخود ایک ذرہ کا بھی علم ماننا کفر وارتداد ہے، لہذا تقریر وتحریر میں ایسا انداز اختیار کرنا بھی جائز نہیں ہے جس سے غلط معنی کا وہم پیدا ہوتا ہو، بلکہ جب بھی رسولِ اکرم ﷺ کے علومِ غیبیہ کی وست کو بیان کرنا ہو تو اِس بات کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ تحریر وتقریر میں یا تو ایسا واضح قرینہ موجود ہو جس سے یہ بات ظاہر ہوجائے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے علومِ مبارکہ اور اُن کی تمام تر وسعتیں اللہ تعالی کی عطا کردہ ہیں یا پھر صراحت کے ساتھ ایسی قید ذکر کر دی جائے جس کی وجہ سے یہ اندیشہ نہ رہے کہ عوام کوئی غلط معنی ومفہوم لے کر فسادِ عقیدہ کا شکار ہوجائیں گے۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز رقم طراز ہیں:

علمِ غیب عطا ہونا اور لفظِ عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلۂ اکابر کے کلام میں اگرچہ بندۂ مومن کی نسبت صریح لفظ "**یعلم الغیب**" وارد ہے، **کما فی مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح لملا علی القاری** (جیسا کہ ملا علی قاری کی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ہے) بلکہ خود حدیثِ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے:

کان رجلا یعلم علم الغیب۔ وہ مرد کامل ہیں جو علمِ غیب جانتے ہیں۔

مگر ہماری تحقیق میں لفظِ "عالم الغیب" کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اُس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے۔ کشاف میں ہے:

المراد به الخفی الذی لا ینفذ فیه ابتداء الا علم اللطیف الخبیر ولهذا لا یجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب۔

اِس سے مراد پوشیدہ شے ہے جس تک ابتداءً (بالذات) سوائے باریکی جاننے والے یا خبیر (اللہ تعالیٰ) کے کسی کے علم کی رسائی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علی الاطلاق یوں کہنا کہ فلاں غیب جانتا ہے جائز نہیں۔

اور اِس سے انکارِ معنی لازم نہیں آتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب و ما کان و ما یکون کے عالم ہیں مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے گا، جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطعاً عزت وجلالت والے ہیں تمام عالم میں اُن کے برابر کوئی عزیز وجلیل ہے نہ ہوسکتا ہے، مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں، بلکہ اللہ عزوجل و محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ غرض صدق وصورتِ معنی کو جوازِ اطلاقِ لفظ لازم نہیں نہ منعِ اطلاقِ لفظ کو نفیِ صحتِ معنی۔

امام ابن المنیر اسکندری کتاب الانتصاف میں فرماتے ہیں:

کم من معتقد لا یطلق القول به خشیة ایهام غیره مما لا یجوز اعتقاده فلا ربط بین الاعتقاد و الاطلاق۔

بہت سے معتقدات ہیں کہ جن کے ساتھ قول کا اطلاق اِس ڈر سے نہیں کیا جاتا کہ اُن

میں ایسے غیر کا ایہام ہوتا ہے جس کا اعتقاد جائز نہیں، لہذا اعتقاد اور اطلاق کے درمیان کوئی لزوم نہیں۔

یہ سب اِس صورت میں ہے کہ مقید بقیدِ اطلاق اطلاق کیا جائے، یا بلا قید علی الاطلاق، مثلاً عالم الغیب، یا عالم الغیب علی الاطلاق، اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطاء کی تصریح کردی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔

علامہ سید شریف قدس سرہ حواشی کشاف میں فرماتے ہیں:

وانما لم يجز الاطلاق فی غيره تعالی لأنه يتبادر منه تعلق علمه به ابتداء فيكون تناقضا وأما اذا قيد وقيل أعلمه الله تعالی الغيب أو أطلعه عليه فلا محذور فيه۔

علم غیب کا اطلاق غیر اللہ پر اِس لیے ناجائز ہے کہ اِس سے غیر اللہ کے علم کا غیب کے ساتھ ابتداء (بالذات) متعلق ہونا متبادر ہوتا ہے تو اِس طرح تناقض لازم آتا ہے، لیکن اگر علمِ غیب کے ساتھ کوئی قید لگادی جائے اور یوں کہا جائے کہ اللہ تعالی نے اُس کو غیب کا علم عطا فرمادیا ہے یا اُس کو غیب پر مطلع فرمادیا ہے تو اِس صورت میں کوئی ممانعت نہیں۔

(فتاوی رضویہ ۲۹/ ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶)

ناظرینِ کرام! جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ افراط وغلو نے عقائد ونظریات، عبادات ومعمولات، اخلاق وعادات اور تعلقات ومعاملات سب کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور دین کی اصل شکل کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے اور اُس کی جڑیں اسلامی معاشرہ میں اتنی مضبوط ہوچکی ہیں کہ اُن کے خلاف بولنا اور کوئی اصلاحی قدم اٹھانا تو بہت دور کی بات ہے، اب اُن کے عیب وجرم ہونے کا تصور بھی لگتا ہے کہ ختم ہو چکا ہے۔ ہم نے اِس سلسلہ میں اب تک جو کچھ لکھا ہے یہ محض ایک جھلک ہے، ابھی اِس سلسلہ میں لکھنے کے لیے بہت کچھ باقی ہے، ان شاء اللہ تعالی کبھی اِس موضوع پر مزید تفصیل کے ساتھ کچھ دیگر ضروری باتیں سپردِ تحریر کی جائیں گی۔ یہاں یہ حیرت انگیز پہلو نہیں بھولنا چاہیے کہ دیوبندی و وہابی حضرات جو دین میں سب سے خطرناک افراط وغلو کا شکار ہیں اُنہوں نے افراط وغلو اور تقصیر وتفریط کا جوارتکاب کیا

ہے وہ مطلقاً سب سے بدترین وتباہ کن ہے، لیکن طرفہ یہ ہے کہ اِن حضرات نے اپنے افراط وغلو کو **منزّل من السماء** کا درجہ دے رکھا ہے، اور دوسروں کا افراط وغلو جو اُن کے مقابلہ میں کہیں نہیں ٹھہرتا شب و روز اُسی کو بنیاد بنا کر شرک و بدعت کے نت نئے فتوے لگاتے رہتے ہیں۔ حالانکہ افراط وغلو جس شکل میں بھی ہو مذموم ہے، لیکن بدیہی اور فطری چیز یہ ہے کہ **الاھم فالاھم** کے اصول کے مطابق پہلے بڑی اور سب سے موذی بیماری کا علاج ہونا چاہیے بعد میں چھوٹی بیماریوں کے علاج کی طرف توجہ دینا چاہیے، اپنی آنکھوں کے شہتیر بھلا کر دوسروں کی آنکھ کے معمولی تنکوں پر ساری توجہات مرکوز کر دینا کم از کم کسی عقل والے کا کام نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر استقامت نصیب فرمائے اور ہر قسم کی بداعتقادی و بدمذہبی، الحادی و بے دینی، افراط وتعدّی اور غلو تقصیر سے محفوظ رکھے۔

افراط وغلو اور تقصیر وتفریط کی بیماری کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے عقائد ونظریات اور احکام ومسائل کے درمیان جو خاص فرقِ مراتب و مدارج رکھا ہے اور اُن میں سے ہر ایک کا جو مقام و مرتبہ بیان فرمایا ہے، سطحی اور سرسری نظر رکھنے والے اور خود کو دین کا سب سے بڑا ذمہ دار سمجھنے والے کچھ لوگ یا تو عقائد واحکام کے اِس فرقِ مراتب سے جاہل ہیں، یا پھر دانستہ طور پر اپنے مخصوص اغراض ومقاصد کی تحصیل کے لیے عقائد وفضائل اور احکام و مسائل کی ساری درجہ بندیاں اور حد بندیاں توڑ کر اُن کے درمیان اختلاط و التباس پیدا کرتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عوام ونیم خواندہ طبقہ میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جنہیں یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ اصل دین اور اُس کی روح کیا ہے، اُس کے بنیادی مطالبات اور اہم تقاضے کیا ہیں، ایمان وعقیدے کی اساس اور اُس کا مدار کیا ہے، کن چیزوں کا تسلیم کرنا بحیثیتِ مسلم فرض وضروری ہے، کن چیزوں سے اجتناب وگریز ہر حال میں لازم واہم ہے اور کیا چیزیں اصول کے دائرے میں آتی ہیں اور کیا چیزیں فروع میں شمار ہوتی ہیں۔ ہمارے کہنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ عوام کو ایک ماہر عالمِ دین اور اصولی محقق کی طرح تمام عقائد ومسائل کے درمیان فروق وامتیازات کا علم حاصل کرنا ضروری ہے، بلکہ مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ اہلِ علم وقلم اور اصحابِ دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری ہے کہ وہ

اپنی تحریر وتقریر کو ایسا محتاط ومتوازن بنائیں کہ عوام اُن کے انداز واسلوب اور طرز وروش سے کوئی غلط وفاسد عقیدہ نہ اخذ کرلیں، اور عالم وداعی کہلانے والی شخصیت کے جوشیلے اور جذباتی لہجے سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ضروری کو غیر ضروری اور غیر ضروری کو ضروری قرار دینے کا گمان نہ پیدا ہو جائے۔ اِس کو یقیناً علمی ودعوتی دنیا کا المیہ ہی کہا جائے گا کہ آج بہت سے اہلِ علم نے کم از کم عوام کے سامنے جو انداز اختیار کیا ہوا ہے اُس سے عقائد و مسائل کے درمیان درجات ومراتب کا لحاظ و پاس ختم سا ہو کر رہ گیا ہے، بلکہ حد تو یہ ہے کہ وہ امور جن کی حیثیت زیادہ سے زیادہ فضیلت واستحباب کی ہے اُن کو کچھ لوگ محکم ومسلّم عقائد اور فرض وواجب سے کم درجہ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ آیئے ذیل میں عقائد ومسائل کے درمیان فرقِ مراتب اور امتیازِ درجات کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں اور اُن کے شرعی احکام کو سمجھتے ہیں۔

ضروریاتِ دین

ضروریاتِ دین کا مفہوم یہ ہے کہ وہ عقائد ومسائل جن کا دینِ اسلام سے ہونا عوام و خواص سب کو معلوم ہو۔

امام محقق کمال الدین محمد بن عبدالواحد سیواسی معروف بابن ہمام حنفی (م ۸۶۱ ھ) اور علامہ قاضی شمس الدین محمد بن محمد معروف بابن امیر حاج حلبی حنفی (م ۸۷۹ ھ) رحمہما اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں:

ضروریات الدین، أی دین الاسلام: وهو مایعرفه منه الخواص والعوام من غیر قبول للتشکیک، کوجوب اعتقاد التوحید والرسالة ووجوب الصلوات الخمس وأخواتها من الزکوة والصیام والحج، یکفر منکره، والا اذا لم یکن من ضروریاته، بأن کان لایعرفه منه الا الخواص، کفساد الحج بالوطئ قبل الوقوف بعرفة، واعطاء السدس للجدة، وحرمة تزوج المرأة علی عمتها او خالتها، فلا یکفر منکره۔ (التقریر والتحبیر ۳/۱۴۵ دار الکتب العلمیة)

ضروریاتِ دین سے مراد وہ شرعی احکام ہیں جنہیں عوام وخواص سبھی نا قابلِ تشکیک طور پر جانتے ہوں، جیسے توحید ورسالت کا عقیدہ رکھنا، پانچوں وقت کی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی فرضیت، اِن میں سے کسی ایک کا بھی انکار کفر وارتداد ہے۔ اور جو امور ضروریاتِ دین کے قبیل سے نہیں ہیں یعنی جنہیں صرف خواص جانتے ہیں، جیسے وقوفِ عرفہ سے پہلے جماع سے حج کا فاسد ہوجانا، جدہ (دادی، نانی) کو ترکہ میں چھٹا حصہ دینا اور ایسی عورت سے نکاح کا حرام ہونا جس کی پھوپھی یا خالہ پہلے ہی سے نکاح میں موجود ہو، اِن باتوں میں سے کسی کا انکار کفر نہیں ہے۔

خیال رہے یہاں عوام سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں دین سے ذوق وشغف ہو، وہ لوگ جو اپنی غفلت وجہالت کی وجہ سے احکامِ شرعیہ سے بے خبر رہتے ہیں وہ یہاں مراد نہیں ہیں۔

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی ضروریاتِ دین کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

هومايعرف الخواص والعوام أنه من الدين كوجوب اعتقاد التوحيد والرسالة والصلوات الخمس أخواتها۔ (ردالمحتار ۲/۴۴۰، دارالکتب العلمیة)

وہ امور جن کا دین سے ہونا عوام وخواص سب کو معلوم ہو، جیسے توحید ورسالت اور نماز وغیرہ احکام کی فرضیت کا عقیدہ رکھنا۔

اور امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

وفسرت الضروريات بما يشترك في علمه الخواص والعوام ۔أقول: المراد العوام الذين لهم شغل بالدين واختلاف بعلمائه ، والا فكثيرمن جهلة الأعراب لاسيما في الهند والشرق لايعرفون كثيرا من الضروريات ، لابمعنى أنهم لها منكرون ، بل هم عنها غافلون ۔ فشتان ماعدم المعرفة ومعرفة العدم ، وان كان جهلا مركبا ۔ فلا تجهل ۔ والتحقيق عندى أن الضرورة ههنا بمعنى البداهة ، وقدتقرر أن البداهة والنظرية تختلف باختلاف الناس۔ فرب مسألة نظرية مبنية على نظرية أخرى ، اذا تبين المبنى عند قوم حتى صار أصلا مقررا

وعلما ظاهرا فالأخری التی لم تکن تحتاج فی ظہورھا الا الٰی ظہور الأولی تلتحق عندھم بالضروریات، وان کانت نظریۃ فی نفسھا۔

ضروریاتِ دین کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ دینی مسائل جن کو عوام وخواص سب جانتے ہوں ۔ میں کہتا ہوں عوام سے مراد وہ لوگ ہیں جو دینی مسائل سے ذوق وشغل رکھتے ہوں اور علماء کی صحبت سے فیضیاب ہوں، ورنہ بہت سے اعرابی جاہل خصوصاً ہندوستان اور مشرق میں ایسے ہیں جو بہت سے ضروریاتِ دین سے آشنا نہیں، اِس معنی میں نہیں کہ ضروریاتِ دین کے منکر ہیں بلکہ وہ اُن سے غافل ہیں۔ بڑا فرق ہے عدمِ علم اور علمِ عدم میں، خواہ یہ جہلِ مرکب ہی ہو۔تو اِس فرق سے بے خبری نہ رہے، اور میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ ضرورت یہاں بداہت کے معنی میں ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ مختلف لوگوں کے اعتبار سے بداہت ونظریت بھی مختلف ہوتی ہے۔ بہت سے نظری مسائل کی بنیاد کسی اور نظری مسئلہ پر ہوتی ہے۔ اگر وہ بنیاد کسی طبقہ کے نزدیک روشن وواضح ہو کر ایک مقررہ قاعدہ اور واضح علم کی حیثیت اختیار کرلے تو دوسرا مسئلہ جس کے واضح ہونے کے لئے بس اُسی پہلے مسئلہ کے واضح ہونے کی ضرورت تھی، اِس طبقہ کے نزدیک ضروریات کی صف میں آجاتا ہے اگر چہ وہ بذات خود نظری تھا۔(فتاوی رضویہ ۱/ ۲۴۲، ۲۴۳)

ضروریاتِ دین کی تعداد

شریعتِ اسلامیہ نے ضروریاتِ دین کی کوئی حتمی اور متعین فہرست بیان نہیں فرمائی ہے، لہذا اُن کی تعداد متعین نہیں کی جاسکتی ، بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ وہ تمام عقائد ومسائل ضروریاتِ دین کہلاتے ہیں جو کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہیں اور جن کا دینِ اسلام سے ہونا واضح وصریح دلائلِ شرعیہ کے سوا مزید کسی دلیل ونظر اور استدلال واستنباط پر موقوف نہیں ہے۔ اللہ تعالی ، انبیاءِ کرام ومرسلینِ عظام ، ملائکہ، تمام آسمانی کتابوں، تقدیر، موت کے بعد کی زندگی اور قیامت پر ایمان لانا، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کو فرض ماننا، جھوٹ، غیبت ، بہتان، سودخوری، زنا کاری، شراب نوشی اور جوابازی کو حرام

سمجھنا وغیرہ وغیرہ، یہ سب چیزیں ضروریاتِ دین سے ہیں، اِن کا انکار یا استخفاف کفر ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اتنا ایمان رکھنا ضروری ہے کہ اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ تمام احکام جن کا دین سے ہونا عوام وخواص سب پر ظاہر ہے وہ ضروریاتِ دین ہیں۔

ضروریاتِ دین کے دلائل

ضروریاتِ دین کا ثبوت اساطیر وفرسودہ روایات پر مبنی لچھے دار وجذباتی تقریروں اور شواہد ودلائل سے عاری سحر انگیز و پرفریب تحریروں یا کسی نام نہاد مفتی کے بے اصل فتووں اور لایعنی دعووں سے نہیں ہوتا، جیسا کہ آج کل کئی لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ دین کی بنیاد اِسی قسم کے پیشہ ور لوگوں کی تقریر وتحریر کی رہینِ منت ہے، حالانکہ یہ سوچ انتہائی غلط اور علمِ دین سے نابلد ہونے کا نتیجہ ہے، بلکہ اُن کا ثبوت کتاب اللہ، سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امتِ مسلمہ کے اجماعِ قطعی سے ہوتا ہے۔

☆ کتاب اللہ سے ثبوت کا معنی یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے ارشادات کی جن امور پر قطعی اور یقینی دلالت ہو وہ ضروریاتِ دین میں سرِفہرست ہیں۔ جیسے اللہ تعالی کی وحدانیت، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت، آسمانی کتابوں کا نزول، ملائکہ وجنات کا وجود، قیامت وبعث، حشر ونشر اور جنت ودوزخ وغیرہ، یہ تمام باتیں کتاب اللہ سے ایسی قطعی ویقینی دلالت کے ساتھ ثابت ہیں جس میں احتمال وتاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لہذا یہ تمام امور ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہیں۔

☆ سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مراد یہ ہے کہ وہ احادیثِ مبارکہ جو سنداً صحیح وحسن اور مرفوع ومتواتر ہیں اور اُن سے قطعی ویقینی طور پر جو عقائد ومسائل سمجھے جاتے ہیں وہ بھی ضروریاتِ دین کا حصہ ہیں اور اُن کا انکار واستخفاف کفر وارتداد ہے۔ جیسے نمازِ پنجگانہ میں رکعات کی تعداد کی فرضیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قصداً جھوٹ باندھنے کی حرمت اور خفین پر مسح کرنے کی مسنونیت کا اعتقاد رکھنا۔

☆ اجماع سے امتِ مسلمہ خصوصاً صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا وہ اجماعِ یقینی

مراد ہے جس کی دلالت قطعی ہو۔ جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جنت، دوزخ اور حشر ونشر کے وہی معنی ہیں جو تمام مسلمانوں کے درمیان معروف ومشہور ہیں، لہذا اِن الفاظ کو مشہور و متعارف معنی کے علاوہ کسی اور معنی ومفہوم پر محمول کرنا اجماعِ قطعی کے خلاف اور کفر وارتداد ہے۔

ضروریاتِ دین کا حکم

وہ تمام عقائد و مسائل جو مذکورہ دلائلِ قطعیہ ثابتہ کی دلالتِ قطعیہ یقینیہ سے ثابت ہوں کہ اُن میں کسی احتمال وتاویل کی کوئی گنجائش نہ ہو، اُن میں سے کسی بات کا انکار، یا اُن کا استخفاف، یا دلالتِ قطعیہ سے ثابت معروف ومتعین معنی ومفہوم میں تحریف وتبدیل کفر و ارتداد ہے اور ایسا کرنے والا شخص دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ومرتد ہے۔

علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الإسلام من حدوث العالم وحشر الأجساد ونفی العلم بالجزئیات وإن کان من أهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات۔ (ردالمحتار ۲/۳۰۰)

ضروریاتِ اسلام میں سے کسی بات کی مخالفت بالاتفاق کفر ہے اگرچہ وہ (بظاہر) اہلِ قبلہ سے ہو اور پوری عمر طاعات میں بسر کرے، جیسے یہ اعتقاد رکھنا کہ عالم حادث نہیں ہے، اجسام کا حشر نہیں ہوگا اور اللہ تعالی جزئیات کو نہیں جانتا ہے۔

اہلِ سنت وجماعت کا تعارف

اہلِ سنت و جماعت، طائفۂ منصورہ، فرقۂ ناجیہ، سوادِ اعظم، جماعت اور سلفِ صالح ایک ہی جماعت کے نام ہیں۔ اِس جماعت کا عقیدہ ومنہج کتاب وسنت اور اجماعِ امت کی مضبوط ومرصوص بنیادوں پر قائم ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کے متعدد پاکیزہ نام اُن کی حقانیت وصداقت کا اعلان ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صدق دل سے ایمان لانے والے مومنین ومسلمین کے مختلف اوصاف وعلامات ہیں، جن میں اہلِ

ایمان کی متعدد جہتوں اور نوع بہ نوع حیثیتوں کی طرف اشارہ کرکے اُن کی عظمت وشان کا اظہار کیا گیا ہے۔اصل نام وہ ہے جو ربِّ کریم نے قرآنِ مجید میں بیان فرمایا ہے:

{ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ } (سورۃ الحج، آیۃ:٧٨)

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے اُس نے تمہیں منتخب فرمایا اور تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی، اپنے باپ ابراہیم کے دین (پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو) اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، (اِس قرآن سے) پہلے (گذشتہ کتابوں میں) اور اِس (قرآن) میں تاکہ رسول تمہارے گواہ ہوجائیں اور تم اور لوگوں کے گواہ بن جاؤ، تو نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ کے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو، وہ تمہارا مالک ہے تو کیا ہی اچھا مالک ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالی نے دینِ اسلام قبول کرنے والی منتخب و پسندیدہ جماعت کا نام مسلمان رکھا ہے، یہ اللہ تعالی کا رکھا ہوا مبارک نام ہے، مومنِ صادق کے نزدیک اللہ و رسول جلّ جلالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رکھے ہوئے ناموں سے بہتر نام کا تصور ایمان و عقیدہ کی تباہی و بربادی کا پتہ دینے کے لیے کافی ہے۔

اہلِ ایمان کو ''اہلِ سنت و جماعت'' کے نام سے سب سے پہلے جس ذات نے متعارف کرایا ہماری دانست میں وہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما ہیں، جنہوں نے درج ذیل آیتِ کریمہ کی تفسیر میں اہلِ سنت و جماعت کو ایک عظیم ترین وصف کا مصداق قرار دیا ہے، اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۔ وَأَمَّا الَّذِينَ

ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ﴾

(سورۃ آل عمران، آیات: ۱۰۶، ۱۰۷)

جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ سیاہ، تو سیاہ چہرے والے (اُن سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ تو اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔ اور روشن چہرے والے اللہ تعالی کی رحمت میں داخل ہوں گے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بنِ عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں:

تبیض وجوہ أهل السنة و الجماعة و تسود وجوه أهل البدع و الضلالة۔

(التفسیر لابن أبی حاتم، ج: ۳، ص: ۷۲۹۔ و الدر المنثور، ج: ۳، ص: ۷۲۱۔ و التفسیر لابن کثیر، ج: ۲، ص: ۹۲)

یعنی اہلِ سنت و جماعت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہلِ بدعت و ضلالت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

ہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

تبیض وجوه أهل السنة و تسود وجوه أهل البدع۔

(الدر المنثور ۳/۷۲۲)

اہلِ سنت کے چہرے روشن ہوں گے اور بدعتیوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

لیکن اِس قول کی سند ضعیف ہے، اِسی طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ مرفوع روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تبیض وجوه أهل الجماعات و السنة و تسود وجوه أهل البدع و الأهواء۔

(الدر المنثور ۳/۷۲۲)

اہلِ سنت و جماعت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہلِ بدعت و اہواء کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

یہ روایت بھی سنداً ضعیف ہے۔ البتہ اہلِ سنت و جماعت کے تعارف میں صحابۂ کرام،

تابعین، تبعِ تابعین، ائمۂ دین، فقہاء ومجتہدین اور محدثین وصالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جو کچھ فرمایا ہے اگر اُن سب کو یکجا کر دیا جائے تو ایک مبسوط کتاب تیار ہوسکتی ہے۔ اسلافِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چند ارشادات ملاحظہ فرمایئے:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:

النظر الی الرجل من أهل السنة یدعو الی السنة وینهی عن البدعة عبادة۔

(شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالکائی ۱/ ۶۰)

ایسے سنی کو دیکھنا عبادت ہے جو سنت کی طرف بلاتا ہو اور بدعت سے روکتا ہو۔

جلیل القدر تابعی حضرت ابوبکر بن عیّاش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے دریافت کیا:

یا أبابکر! من السنیّ؟ قال: الذی اذا ذکرت الأهواء لم یتعصب لشیٔ منها۔

(شرح أصول اعتقاد أهل السنة للالکائی ۱/ ۷۳)

اے ابوبکر! سنی کون ہے؟ فرمایا: جس کے پاس بدعات وخواہشات کا ذکر ہو اور وہ اُن میں سے کسی کی حمایت نہ کرے۔

امام ابومحمد حسن بن علی بن خلف بربہاری رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۳۲۹ھ) اہلِ سنت کے تعارف میں فرماتے ہیں:

من عرف ما ترک أهل البدع من السنة وما فارقوا منها فتمسک به فهو صاحب سنة وصاحب جماعة وحقیق أن یتبع وأن یعاون وأن یحفظ وهو ممن أوصی به رسول اللہ ﷺ۔ (شرح السنة ۱/ ۴۶، دار ابن القیم، الدمام)

جو اہلِ بدعت کی متروکہ سنتوں کو پہچان کر اُن پر مضبوطی سے قائم ہو وہ صاحبِ سنت بھی ہے اور صاحبِ جماعت بھی، ایسے شخص کی اتباع، مدد اور حفاظت کرنا چاہیے، یہ اُن لوگوں میں سے ہے جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی ہے۔

امام ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

السنة: طریقة الرسول ﷺ والجماعة: جماعة المسلمین وهم الصحابة

و التابعون لهم بإحسان إلى يوم الدين، فاتباعهم هدى و خلافهم ضلال۔

(شرح العقيدة الطحاوية، ص: ۳۸۲، المكتب الاسلامی، بیروت)

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کو کہتے ہیں اور جماعت سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اُن کے طریقے کہ پیروی کرنے والے حضرات ہیں، اُن کی اتباع ہدایت اور اُن کی مخالفت گمراہی ہے۔

مذکورہ تمام اوصاف وامور کو پیشِ نظر رکھ کر اہلِ سنت و جماعت کی تعریف اِن الفاظ میں بھی کی جاتی ہے:

أهل السنة و الجماعة هم الفرقة الناجية و الطائفة المنصورة الذين أخبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنهم بأنهم يسيرون على طريقته و أصحابه الكرام دون انحراف ،فهم أهل الإسلام المتبعون للكتاب و السنة ، المجانبون لطرق أهل الضلال، كما قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : (إن بنی إسرائيل افترقوا على إحدى و سبعين فرقة ، وتفترق أمتى على ثلاث و سبعين فرقة ، كلها فى النار إلا واحدة ، فقيل له : ما الواحدة ؟ قال: ما أنا عليه اليوم و أصحابى) حديث حسن أخرجه الترمذی و غيره۔

(الموسوعة للأديان و المذاهب ۱/ ۳۸، الندوة العالمية، الرياض)

اہلِ سنت و جماعت وہ فرقۂ ناجیہ اور طائفۂ منصورہ ہے جو بغیر انحراف کے اسوۂ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ پر عمل پیرا ہو، کتاب وسنت کا متبع اور گمراہوں کے راستوں سے کنارہ کش ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (بنی اسرائیل اکہتر فرقے ہوئے اور میری امت تہتر فرقے ہوگی، سب جہنم میں جائیں گے مگر ایک، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: ایک کون؟ ارشاد فرمایا: جو اُس طریقہ پر ہے جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔

اہلِ سنت و جماعت کا جو تعارف پیش کیا گیا اُس سے یہ بات عیاں ہے کہ دورِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اہلِ سنت و جماعت مومنین و مسلمین ہی کا دوسرا نام ہے، البتہ یہ درست ہے کہ یہ لفظ ایک اصطلاح کے طور پر اُس وقت رائج نہیں تھا، یہ نام باقاعدہ

اصطلاح کے طور پر دورِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد اُس وقت رائج ہوا جب مسلمانوں میں ہی کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے جو دور از کار تاویلات اور لایعنی شبہات کے ذریعہ اعتقادی اور عملی بدعات و منکرات اور خواہشات و ضلالات کو دین میں داخل کرنے لگے اور اُن کی طرف عوام و خواص کو دعوت دینے لگے۔

سیدنا امام محمد بن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

لم يكونوا يسألون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة قالوا: سمّوا النا رجالكم، فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم، وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم۔

(صحیح مسلم ۱/۱۱)

پہلے لوگ سندِ حدیث کی تحقیق نہیں کرتے تھے، لیکن جب فتنوں کا دور شروع ہوا تو لوگ سند کی تفتیش کرنے لگے اور اہلِ سنت کی روایات کو قبول کرتے اور اہلِ بدعت کی روایات کو ترک کر دیتے۔

اِس سے ظاہر ہوا کہ عہدِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ''اہلِ سنت'' کوئی مستقل اصطلاح نہیں تھی، اِس کی ابتداء اُس وقت ہوئی جب دین میں بدعات اور فتنے داخل کیے جانے لگے، اہلِ علم و اجتہاد نے اصحابِ حق و صحیح العقیدہ مسلمانوں کا تعارف کرانے کے لیے ایسے مرکب نام کا انتخاب کیا جس کے دونوں اجزاء کی صراحت اور اہمیت و فضیلت خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ وحی ترجمان سے انتہائی واضح الفاظ میں بیان فرمائی ہے اور اہلِ باطل کے لیے ایسے ناموں کا انتخاب کیا گیا جن سے یہ ظاہر ہو کہ اِن ناموں کی طرح اِن کے افکار و عقائد بھی نئے اور اختراعی ہیں۔

''اہلِ سنت و جماعت'' کی اصطلاح اگرچہ عہدِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد شروع ہوئی تاہم اِس کو بدعت و محدث نہیں کہا جا سکتا؛ کیونکہ اِس کی نہ صرف اصل احادیثِ مبارکہ میں موجود ہے بلکہ یہ نام بھی عہدِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں موجود تھا گو بطورِ اصطلاح نہ تھا۔ بہرحال اہلِ سنت و جماعت وہ مبارک نام ہے جو اپنے ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے بدعت و اہلِ بدعت کے لیے پیغامِ موت اور مرگِ مفاجات ہے۔ بعض حضرات

نے نامعلوم اسباب کے مدِّ نظر دینِ اسلام اور مذہبِ اہلِ سنت و جماعت کے ایسے بہت سارے نام رکھ لیے ہیں جو کسی شخصیت، یا قبیلے، یا علاقے، یا مخصوص جغرافیے کی غمازی کرتے ہیں، ممکن ہے اُن ناموں کی وقتی طور پر کسی خاص ماحول میں کوئی اہمیت وافادیت ہو، لیکن در حقیقت ایسے تمام نام جو محدود جغرافیائی خصوصیات و ترجیحات کے تناظر میں رکھے گئے ہیں اُن ناموں کی حیثیت عموماً بدعت واختراع کی ہے اور اِن اختراعی ناموں سے دینِ اسلام کا صحیح اور کامل تعارف ہونے کے بجائے عام دنیا میں اُس کو دینِ جدید اور مذہبِ تازہ کا عنوان سمجھا جاتا ہے، بلکہ خود ساختہ ناموں کا ایک منفی اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ کئی لوگ طرح طرح کی عصبیت کا شکار ہو کر دینِ حق سے ہی دور بھاگنے لگتے ہیں۔

اہلِ سنت و جماعت کے اختراعی نام

اسلام اللہ تعالی کا پسندیدہ اور محبوب دین ہے اور یہ واحد دین ہے جو اپنی اصل شکل میں آج تک موجود ہے اور قیامت تک اِسی طرح موجود رہے گا۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَنْ يَبْرَحَ هَذَا الدِّينُ قَائِمًا يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۵۰۶۲۔ و مسند أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۲۱۰۲۳۔ والمعجم الکبیر، رقم الحدیث: ۱۸۹۸۔ وشرح السنة، رقم الحدیث: ۴۰۱۲)

یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا جس کی خاطر مسلمانوں کی ایک جماعت قیامت تک برسرِ پیکار رہے گی۔

یہ دین جس طرح اپنے اصول وقوانین اور عقائد واحکام میں اللہ ورسول جلّ جلالہ و صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات وتوجیہات سے عبارت ہے اِسی طرح اپنے امتیازات وتشخصات اور اسم وتعارف میں بھی ہر قسم کے اختراع وابتداع سے پاک ہے۔

کتاب وسنت کی تعلیمات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے کہ اللہ تعالی نے

اسلام کا تعارف یا تو اپنی نسبت سے کرایا ہے، جیسا کہ ربِّ کریم خود ارشاد فرماتا ہے:

{ أَفَغَيْرَ دِينِ اللّٰهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ } (سورۃ آل عمران، آیۃ: ۸۳)

تو کیا وہ اللہ کے دین کے سوا اور دین تلاش رہے ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرماں بردار ہیں خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے، اور اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

یا اپنے اُن محبوبین ومقربین کے حوالہ سے دین کی شناخت اور پہچان کو عام فرمایا ہے جنہیں حق وباطل کے درمیان نشانِ امتیاز بنا کر مبعوث فرمایا اور اُن کی شخصیت وسیرت کو مثالی، قابلِ تقلید اور اسوۂ حسنہ کا درجہ عطا کیا، جیسا کہ سیدنا ابراہیم علی نبیّنا وعلیہ افضل الصلوۃ واکمل التسلیم کی طرف نسبت کا قرآنِ کریم بار بار ذکر فرماتا ہے، ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

{ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرٰهِيمَ خَلِيلًا } (سورۃ النساء، آیۃ: ۱۲۵)

اور اُس سے بہتر دین والا کون ہے جو خود کو اللہ کا تابع کر دے اور ہو بھی نیکوکار، اور باطل سے جدا رہنے والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرے، اور اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا۔

انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد ہمارے علم میں ایسی کوئی شخصیت نہیں ہے جس کی نسبت سے دینِ اسلام کا عام تعارف کرایا گیا ہو، بعض مخصوص مواقع پر اور مخصوص حالات میں خال خال کسی شخصیت کے حوالہ سے دین کے تعارف کی جو چند مثالیں ہمارے پیشِ نظر ہیں اُنہیں نہ تو مثال بنایا جا سکتا ہے اور نہ اُن پر قیاس کی عمارت کھڑی کی جا سکتی ہے۔ عقلِ سلیم اِس بات کو اچھی طرح تسلیم کرتی ہے کہ دینِ اسلام کا تعارف انبیاءِ کرام ومرسلینِ عظام علیہم الصلوۃ والسلام کے علاوہ کسی اور شخصیت کے حوالہ سے نہ کرانے میں جہاں اور بہت ساری حکمتیں ومصلحتیں ہیں وہاں یہ حکمت بھی بڑی اہم ہے کہ غیرِ نبی کی شخصیت ہزار فضل وکمال کے باوجود اطاعت واتباع میں مستقل نہیں ہو سکتی، اُس کی ذات، اس کی سیرت اور اُس کے قول وفعل سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے، ایسی صورت میں دین کا

تعارف اگر اِس قسم کی شخصیات کے حوالہ سے کرایا گیا تو قوم و معاشرہ پر اُس کے منفی اثرات مرتب ہونے کا قوی اندیشہ ہے، بلکہ بات بہت دور نکل کر دین کے لیے سخت نقصان دہ بھی ہوسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ربِّ علیم وخبیر نے انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد دین کا تعارف کسی اور شخصیت کا نام لے کر نہیں کرایا، ہاں یہ ضرور ہے کہ تعیینِ اسمی کے بغیر صدیقین، شہداء اور صالحین کی جماعتوں کے حوالہ سے صراطِ مستقیم اور دینِ اسلام کا تعارف کرایا گیا ہے جو دعوتی نقطۂ نگاہ سے انتہائی مفید اور حکمتِ بالغہ پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

قال لی معاویة: أنت علی ملة علیّ؟ قلت: لا، و لا علی ملتک، و لا علی ملة عثمان، أنا علی ملة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(الابانة الکبری للامام ابن بطة العکبری ۱/۳۵۵، دار الرایة، الریاض۔ وشرح اصول اعتقاد أهل السنة ۱/۹۴)

مجھ سے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا آپ علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دین پر ہیں؟ میں نے کہا: نہیں، اور نہ آپ کے دین پر ہوں اور نہ حضرت عثمان کے دین پر، بلکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر ہوں۔

کیا معاذ اللہ! حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا دین اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین سے مختلف تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں، مذکورہ تینوں صحابۂ کرام اور دوسرے تمام اصحابِ مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہی دین تھا جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی جانب سے لے کر آئے، مگر اِس کے باوجود حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین کی نسبت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب فرمائی، تاکہ کسی قسم کی عصبیت و حمیت کی تمام جڑیں شروع ہی سے کٹ جائیں اور نفس وشیطان کو گمراہ گری کا کوئی موقع ہاتھ نہ لگنے پائے۔

حضرت امام ابوعبداللہ مالک بن مغول رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۱۵۹ھ) فرماتے ہیں:

اذا تسمی الرجل بغیر الاسلام و السنة فألحقه بأی دین شئت۔

(الابانة الصغری لابن بطة ۱/۱۳۴)

جب کوئی شخص اپنے نام میں اسلام وسنت کے علاوہ دوسری نسبت لگائے تو اُسے جس دین سے چاہو جوڑ دو۔

وہ حضرات جو دینِ اسلام کو مختلف دینی وعلمی شخصیات، مخصوص قبائل وعلاقہ جات اور محدود جغرافیے کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں اور اُس کا جواز ثابت کرنے کے لیے رطب و یابس جمع کرتے ہیں اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ آخر آپ کو کس نے پڑھا دیا کہ دینِ اسلام کی نسبت کسی غیر نبی کی جانب نہیں ہوسکتی؟ کون کہتا ہے کہ اسلام کی نسبت کسی عالم و دین دار شخصیت کی طرف نہیں ہوسکتی؟ یہ کس نے دعوی کیا ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کے مسلک کو مسلکِ امامِ اعظم نہیں کہہ سکتے؟ یہ کس کی بولی ہے کہ مسلکِ اعلی حضرت کہنا ممنوع و غلط ہے؟ جب اِن میں سے کوئی دعوی سرے سے ثابت ہی نہیں ہے تو پھر تقریری ولولے اور تحریری طنطنے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر کیوں اپنی توانائی کو غیر ضروری کام میں صرف فرما کر خود کو ضعیف و ناتواں بنانے میں لگے ہوئے ہیں؟ کیا دین و دنیا میں کرنے کے لیے کوئی ضروری کام باقی نہیں رہ گیا ہے؟ ہاں جو بات کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ دینِ اسلام اور مذہبِ اہلِ سنت و جماعت کو کسی غیر نبی کے حوالہ سے عام طور پر متعارف کرانا اور اُس کو ایسی مصطلح قرار دینے کی کوشش کرنا کہ اُس کا ماننا ضروریاتِ دین کے قبیل سے ہے، یہ یقیناً افراط ہے، دین میں غلو ہے، روحِ اسلام کے منافی ہے اور شرعی تقاضوں کے یکسر خلاف ہے۔ بلکہ سچ پوچھیے تو یہ ایسی عصبیت ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اہلِ علم وتقوی کی قدر و منزلت، عظمت وفضیلت، اُن کی دینی وعلمی وملی خدمات اور مختلف میدانوں میں اُن کی ہمہ جہت کاوشوں اور جلیل القدر مآثر ومفاخر کا اعتراف ہر ذی شعور اور صاحبِ عقل وانصاف کرتا ہے، لیکن اُس کا یہ مطلب قطعی نہیں ہوسکتا کہ کسی کے کارناموں کے اعتراف کی پاداش میں اُس سے علم وتحقیق کی ساری صلاحیتیں سلب کرلی جائیں، اُس کو اُس حق سے محروم کردیا جائے جو اللہ تعالی نے {فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ} کی صورت میں عطا فرمایا ہے اور اُس کو اِس بات کا پابند بنانے کے لیے کمر توڑ کوشش کی جائے کہ علم وتحقیق اور نقد ونظر

کا منتہائے کمال یہ ہے کہ اب ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوجاؤ اور غور وفکر کی ساری قوتوں کا عجز و نیاز کے اظہار کے ساتھ گلا گھونٹ دو۔

شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات

ضروریاتِ اہلِ سنت و جماعت

اسلام کے جو عقائد و مسائل ہیں وہی اہلِ سنت و جماعت کے عقائد و مسائل ہیں، دونوں کے درمیان کسی قسم کے فرق یا امتیاز کا تصور بھی لغو و بے معنی ہے، البتہ اسلام کے نام سے بہت سے اہلِ بدعت و ضلالت بھی اپنے عقائد و نظریات کو موسوم کرتے ہیں، جو سرتاسر فریب اور باطل تاویلات پر مبنی ہے، اِس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اسلام کے رخِ روشن پر جو گرد و غبار ڈالنے کی سازشیں رچی گئی ہیں اُن کو بے نقاب کر دیا جائے، لہذا اہلِ حق نے کتاب و سنت اور اجماعِ امت سے ثابت ایسے امتیازات و تشخصات کو ایمانیات و اسلامیات کے تعارف کے لیے ضروری قرار دیا جن سے ہر اعتقادی اور عملی بدعت کا پردہ چاک ہوجائے۔ ذیل میں کچھ اہم اور نمایاں امتیازات و تشخصات ملاحظہ فرمایئے:

☆ بنامِ اسلام اٹھنے والے تمام فتنوں اور بدعتوں سے فرق کرنے کے لیے سب سے پہلے نام میں امتیاز کیا گیا، یعنی اسلام کی حقیقی تعلیمات، واقعی نظریات اور صحیح عقائد و افکار کی ترجمانی کرنے والی جماعت نے اپنے لیے وہ نام منتخب کیا جو بطورِ وصف احادیثِ مبارکہ اور عہدِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں موجود تھا، یعنی ''اہلِ سنت و جماعت''۔ یہ نام کل بھی اصحابِ حق کا امتیاز تھا اور آج بھی بے شرکتِ غیر اہم مابہ الامتیاز ہے اور ان شاء اللہ تعالی آئندہ بھی باقی رہے گا۔

☆ اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک مصادرِ شریعت چار ہیں: کتاب اللہ، سنتِ مبارکہ، اجماعِ امت اور قیاسِ صحیح۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریعتِ اسلامیہ کے اساسی مصادر اور اصل سرچشمے ہیں، جمہور کے نزدیک اجماع بھی حجتِ شرعیہ اور اسلامی احکام کا اہم مصدر ہے اور اِن تینوں اصول کے بعد قیاسِ صحیح کا درجہ ہے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أما الكتاب و السنة فهما الأصلان اللذان يقدم الاحتجاج بهما فی أحكام الشرع علی ما سواهما ، ويتلوهما الإجماع ، وليس يعرفه إلا من عرف الاختلاف۔ (الفقيه و المتفقه ۲/۲۲۵)

کتاب وسنت وہ اصول ہیں جن سے احکامِ شریعت میں استدلال مقدم ہے، اُن کے بعد اجماع کا درجہ ہے جسے علمِ اختلاف جاننے والے ہی جانتے ہیں۔

☆ دینِ اسلام میں بدعتِ شرعیہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، شریعت ہر بدعت کو مطلقاً ضلالت و گمراہی اور اُس کے مرتکب کو جہنمی قرار دیتی ہے، خواہ اِس کا تعلق عقائد و نظریات سے ہو یا معمولات و مسائل سے۔ رہی یہ بات کہ اہلِ علم نے بعض آثار و اخبار کی وجہ سے بدعت کی پانچ قسمیں بیان فرمائی ہیں تو یہ بات بھی یقیناً درست ہے، لیکن اِس تقسیم کا تعلق بدعتِ شرعیہ سے نہیں بلکہ بدعتِ لغویہ سے ہے۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

بدعتِ لغویہ کہ تفاسیرِ مذکور حقیقۃً اُسی پر منطبق ہرگز سیئہ میں منحصر نہیں، اِس تقدیر پر قضیہ **كل بدعة ضلالة**، (ہر بدعت گمراہی ہے) قطعاً **عام مخصوص منه البعض**، (وہ عام جس سے بعض کو خاص کرلیا گیا ہو) ہاں اگر بدعتِ شرعیہ لیجئے یعنی: **مَا أُحْدِثَ عَلٰی خِلَافِ الْحَقِّ الْمُتَلَقّٰی عَنْ رَسُوْلِ اللهِ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول حق کے خلاف ایجاد کی گئی ہو) تو بیشک وہ اپنی صراحتِ عموم و محوضتِ اطلاق پر ہے۔

(فتاوی رضویہ ۲۱/۵۸۱، ۵۸۲)

بدعتِ شرعیہ اور احادیث و آثار

ام المؤمنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ۔

(صحيح البخاری، رقم الحديث: ۲۶۹۷۔ وصحيح مسلم، رقم الحديث: ۴۵۸۹۔ و السنن لأبی داؤد، رقم الحديث: ۴۶۰۸۔ و السنن لابن ماجة، رقم الحديث: ۱۴۔ و مسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۶۰۷۵۔ و الصحيح لابن حبان، رقم الحديث: ۲۶۔ و مسند أبی يعلی، رقم الحديث: ۴۵۹۴۔ و السنن للدارقطنی، رقم الحديث: ۴۵۳۴۔ و السنن الکبری للبيهقی، رقم الحديث: ۲۰۸۷۰۔ و مسند أبی عوانة، رقم الحديث: ۶۴۰۸)

جو ہمارے دین میں ایسی بات نکالے جو دین سے نہیں وہ مردود ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

کَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ، وَعَلَا صَوْتُهُ، وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ، حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ، يَقُولُ: صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ، وَيَقُولُ: بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ، وَيَقْرُنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ: السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى، وَيَقُولُ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهُدَى هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ، مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ۔

(صحيح مسلم، رقم الحديث: ۲۰۴۲۔ و صحيح ابن حبان، رقم الحديث: ۱۰۔ و والسنن الکبری للبيهقی، رقم الحديث: ۵۹۶۳۔ و مسند أبی يعلی، رقم الحديث: ۲۱۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہوتی اور جلال زیادہ ہوتا، یوں محسوس ہوتا کہ آپ صبح یا شام کو حملہ کرنے والے کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں، اور انگشتِ شہادت اور درمیان والی انگلی کو ملا کر ارشاد فرماتے مجھے اور قیامت کو اِن دو انگلیوں کی طرح ایک ساتھ بھیجا گیا ہے، اور حمد و ثنا کے بعد فرماتے: بہترین بات اللہ تعالی کی کتاب ہے اور بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے، اور بدترین کام بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے، پھر فرماتے: میں ہر مومن کا اُس کی جان سے زیادہ حق دار ہوں، جس شخص نے مال چھوڑا وہ اُس کے وارثوں کا ہے اور جس نے قرض یا اہل و عیال کو چھوڑا وہ میرے ذمہ ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ کی اِس روایت کی تخریج امام نسائی رحمہ اللہ

تعالی نے اِن الفاظ میں کی ہے:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ: يَحْمَدُ اللّٰهَ وَيُثْنِي عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ، ثُمَّ يَقُولُ: مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهُ، إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ، وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ، وَكُلَّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ، ثُمَّ يَقُولُ: بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ، وَكَانَ إِذَا ذَكَرَ السَّاعَةَ احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ، وَعَلاَ صَوْتُهُ، وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ كَأَنَّهُ نَذِيرُ جَيْشٍ يَقُولُ: صَبَّحَكُمْ مَسَّاكُمْ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلأَهْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ أَوْ عَلَيَّ، وَأَنَا أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خطبہ میں اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان فرماتے جس کا وہ اہل ہے، اُس کے بعد فرماتے: جس کو اللہ تعالی ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو گمراہ کردے اُس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں، بے شک سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے، اور سب سے اچھی سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت ہے، اور بدترین کام نو پید چیزیں ہیں، ہرنئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے، اُس کے بعد فرماتے: مجھے اور قیامت کو اِن دو انگلیوں کی طرح بھیجا گیا، اور جب قیامت کا ذکر فرماتے تو روئے انور سرخ ہوجاتا، آواز بلند ہوجاتی اور جلال دوبالا ہوجاتا یوں معلوم ہوتا گویا صبح یا شام کے وقت حملہ کرنے والے لشکر سے ڈرا رہے ہیں، پھر فرماتے: جس نے مال چھوڑا وہ اُس کے وارثین کا ہے اور جس نے قرض یا اہل وعیال کو چھوڑا وہ میرے ذمہ ہے۔ اور میں مومنوں کا سب سے زیادہ حق دار ہوں۔

حضرت عرباض بن ساریہ سُلَمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

وَعَظَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَوْمًا بَعْدَ صَلاَةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ، فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ؛ فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ يَرَى اخْتِلاَفًا كَثِيرًا، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّهَا ضَلاَلَةٌ،

فَمَنْ أَدْرَکَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَعَلَیْہِ بِسُنَّتِی وَسُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ الْمَهْدِیِّینَ عَضُّوا عَلَیْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔

(السنن للترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۷۶۔ السنن لابن ماجة، رقم الحدیث: ۴۳، و مسندأحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۱۷۱۸۲، و مسند البزار، رقم الحدیث: ۴۲۰۱، و السنن الکبری للبیهقی، رقم الحدیث: ۲۰۸۳۵، والمستدرک للحاکم، رقم الحدیث: ۳۳۱، والمعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۱۵۰۲۲، وشرح السنة، رقم الحدیث: ۱۰۲)

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ فجر کے بعد ایسا بلیغ وعظ فرمایا، جسے سن کر آنکھیں اشک بار ہوگئیں اور دل لرزہ براندام ہو گئے۔ ایک صاحب نے عرض کیا یہ تو چھوڑ کر جانے والے کی طرح نصیحت ہے، یارسول اللہ! آپ ہم سے کیا عہد لیتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ مضبوطی کے ساتھ اختیار کرو، (امیر کی بات) سننا اور ماننا لازم کرلو اگرچہ حبشی غلام ہو، تم میں سے میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ زبردست اختلاف دیکھے گا، تم (دین میں) نئی باتوں سے بچنا؛ کیونکہ وہ گمراہی ہیں، تم میں سے جس کا بھی بدعات کے ساتھ سابقہ پڑے وہ میری سنت اور خلفاءِ راشدین مہدیین کے طریقہ پر انتہائی مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ دَعَا إِلَی هُدًی، کَانَ لَهُ مِنَ الأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَه، لاَ یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَیْئاً، وَمَنْ دَعَا إِلَی ضَلاَلَةٍ، کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لاَ یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ آثَامِهِمْ شَیْئاً۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۶۹۸۰، والسنن لأبی داؤد، رقم الحدیث: ۴۶۱۱، و السنن للترمذی، رقم الحدیث: ۲۶۷۴، والسنن لابن ماجة، رقم الحدیث: ۲۰۶، ومسند أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۹۱۴۹، و صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۱۱۲، ومسند البزار، رقم الحدیث: ۸۳۳۸، و مسند أبی یعلی، رقم الحدیث: ۶۴۸۹، و مستخرج أبی عوانة، رقم الحدیث: ۴۶۹۹، والسنة لابن أبی عاصم، رقم الحدیث: ۱۱۲، و السنن للدارمی، ۵۱۳، وشرح السنة، رقم الحدیث' ۱۰۹)

جس شخص نے ہدایت کی دعوت دی اُسے ہدایت کی پیروی کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا اور اُن کے اجروں میں کوئی کمی نہیں ہوگی، اور جس شخص نے گمراہی کی دعوت دی اُسے گمراہی کی پیروی کرنے والوں کے برابر گناہ ہوگا اور اُن کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

مذکورہ تمام احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بدعت شرعی معنی ومفہوم میں مطلقاً مذموم اور قابلِ ردووانکار ہے، اِس اعتبار سے بدعت ہرگز حسنہ نہیں ہوتی، بلکہ صرف اور صرف سیئہ ہوتی ہے، احادیث وآثار اور دیگر شرعی نصوص وشواہد میں جہاں بھی بدعت کا اطلاق ہوتا ہے وہاں عموماً یہی شرعی معنی مراد ہوتے ہیں، اور جن نصوص میں بعض بدعات کو اچھا کہا گیا وہاں بدعت سے بدعتِ لغویہ مراد ہے۔

اہلِ سنت وجماعت کے مزید امتیازات

☆ اہلِ سنت وجماعت کے اعتقادی امتیازات میں ایک اہم عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کی ذات وصفات میں کسی کو کسی جہت سے شریک وسہیم اور نظیر ومثیل نہیں ٹھہراتے ہیں۔

☆ اللہ تعالی کی وہ تمام صفات جنہیں ربِّ کریم نے خود قرآنِ عظیم میں یا اُس کے رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیثِ مبارکہ میں بیان فرمایا ہے، اہلِ سنت وجماعت اُن سب صفات پر ایمان رکھتے ہیں اور اُنہیں اللہ تعالی کے لیے تحریف وتبدیل، تشبیہ وتمثیل، تکییف وتعطیل اور تحدید وتجسیم کے بغیر ثابت مانتے ہیں۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

{ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعٰمِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ }

(سورة الشورى، آية: ١١)

(اللہ تعالی) آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے، اُس نے تمہارے لیے تمہیں میں سے جوڑے بنائے اور چوپایوں کے جوڑے (پیدا فرمائے)، وہ تمہاری نسل کو پھیلاتا ہے، اُس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

من وصف اللّٰہ فشبّہ صفاتِہ بصفات أحد من خلق اللّٰہ فھو کافر باللّٰہ العظیم۔

(منح الروض الأزھر، ص: ۶۵)

جس نے اللہ تعالی کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دی وہ کافر ہے۔

حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اقتتلت طائفتان فی باب الصفات: فطائفۃ غلت فی النفی، و طائفۃ غلت فی الاثبات، و نحن صرنا الی الطریق المتوسط بین الغلوّ و التقصیر، فأثبتنا صفات الکمال و نفینا المماثلۃ من جمیع الأحوال۔ (منح الروض الأزھر، ص: ۱۲۰)

صفات کے باب میں دو گروہوں کے درمیان شدید سرپھٹول ہے: ایک گروہ صفات کی نفی میں غلو کرتا ہے، اور ایک گروہ صفات کے اثبات میں غلو کرتا ہے، اور ہم (اہلِ سنت و جماعت) غلو و تقصیر کے درمیان کا راستہ اختیار کرتے ہیں، لہذا ہم اللہ تعالی کے لیے صفاتِ کمالیہ ثابت مانتے ہیں اور ہر حال میں مماثلت کا انکار کرتے ہیں۔

☆ اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ ”ید، وجہ، عین، رجل، قدم، نفس، عرش پر استواء، آسمان پر نزول“ وغیرہ اللہ تعالی کی صفاتِ متشابہہ ہیں، جن کے لغوی معنی ظاہر اور ہمیں معلوم ہیں، لیکن ہم اللہ تعالی کی باقی صفات کی طرح اِن صفات کی بھی کنہ و حقیقت سمجھنے سے قاصر و عاجز ہیں اور یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالی کی تمام صفات اُس کی ذات کی طرح ہر نقص و عیب اور مخلوق کی مشابہت و مماثلت سے پاک ہیں، لہذا مذکورہ صفاتِ متشابہہ معلوم المعنی (معنی معلوم) مجہول الکیف (کیفیت نامعلوم) ہیں۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

لہ ید و وجہ و نفس، فما ذکرہ اللّٰہ تعالی فی القرآن من ذکر الوجہ و الید و النفس فھو لہ صفات بلا کیف، و لا یقال: ان یدہ قدرتہ أو نعمتہ، لأن فیہ ابطال الصفۃ، و ھو قول أھل القدر و الاعتزال، و لکن یدہ صفتہ بلا کیف۔

(الفقہ الأکبر مع منح الروض، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳)

اللہ تعالی کے لیے ہاتھ، وجہ اور نفس ثابت ہیں، اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں چہرے، ہاتھ اور نفس کا جو ذکر فرمایا ہے وہ سب بغیر کیفیت کے اللہ تعالی کی صفات ہیں، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ اللہ کے ہاتھ سے اُس کی قدرت مراد ہے؛ کیونکہ اِس میں صفت کا انکار ہے اور یہ قدریہ اور معتزلہ کا قول ہے، بلکہ اللہ کا ہاتھ بغیر کیفیت کے اُس کی صفت ہے۔

اِس کے تحت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وکذا لا یقال ان وجھہ ذاتہ، وعینہ بصرہ، واستواءہ علی العرش استیلاءہ۔

(منح الروض الأزھر، ص: ۱۲۲)

اِسی طرح یہ تاویل بھی نہیں کی جائے گی کہ اللہ کے وجہ سے اُس کی ذات، عین سے اُس کا دیکھنا اور عرش پر استواء سے اُس کا اُس پر قادر ہونا مراد ہے۔

جمہور اہلِ سنت و جماعت اور سلفِ صالحین کے برخلاف بعض متاخرین اللہ تعالی کی صفاتِ متشابہہ میں تاویل کے قائل ہیں، اگرچہ یہ مذہب خلافِ تحقیق ہے تاہم اگر تاویل کی وجہ سے صفاتِ الٰہیہ کی تعطیل و انکار لازم نہ آتی ہو اور وہ تاویل عربی استعمالات ومحاورات کے قریب ہو تو قبول کی جاسکتی ہے اور اِس طریقے کو ہمارے علماء اہلِ سنت و جماعت نے مذہبِ سالم کا نام دیا ہے۔**وللتفصیل مقام آخر۔**

☆ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان اجمالی طور پر فرقِ مراتب اور بعض کی بعض پر فضیلت ضروریاتِ دین سے ہے، اِس پر ایمان لانا فرض اور اِس کا انکار کفر ہے۔

☆ جمہور اہلِ سنت کے نزدیک نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الخلق ہیں، ملائکہ و انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور تمام مخلوقات کو اللہ تعالی نے جتنے فضائل وکمالات عطا فرمائے ہیں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن سب کے جامع، بلکہ ایسے بے شمار اوصاف ومناقب کے حامل ہیں جو اللہ تعالی نے آپ کے سوا کسی کو عطا نہیں فرمائے۔

☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت واتباع کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَوَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهٖ لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُونَ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ۔

(صحیح البخاری ۱/۱۰، رقم الحدیث: ۱۴۔ والسنن للنسائی، رقم الحدیث: ۵۰۱۵۔ والایمان لابن منده، رقم الحدیث: ۲۸۷۔ وشعب الایمان للبیهقی، رقم الحدیث: ۱۳۲۰۔ ومعجم ابن الأعرابی، رقم الحدیث: ۱۰۱۵)

اُس ذات کی قسم جس کے دستِ اقدس میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب و پیارا نہ ہو جاؤں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی أَکُونَ أَحَبَّ إِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِیْنَ

(صحیح البخاری ۱/۱۰، رقم الحدیث: ۱۵۔ وصحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۷۸۔ والسنن للنسائی، رقم الحدیث: ۵۰۱۳۔ والسنن لابن ماجة، رقم الحدیث: ۶۷۔ ومسند أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۱۲۸۳۷۔ ومسند البزار، رقم الحدیث: ۷۵۴۰۔ ومسند أبی یعلی، رقم الحدیث: ۳۰۴۹۔ والمعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحدیث: ۸۸۵۹۔ والسنن للدارمی، رقم الحدیث: ۲۷۴۱۔ وشعب الایمان للبیهقی، رقم الحدیث: ۱۳۱۱)

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوگا یہاں تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے والد، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ادنی گستاخی کفر و ارتداد ہے۔

امام ابوالفضل قاضی عیاض بن موسی بن عیاض یحصبی مالکی رحمہ اللہ تعالی (م ۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

جمیع من سبّ النبی صلی الله علیه وآله وسلم، أو عابه، أو ألحق به نقصا فی نفسه أو نسبه أو دینه أو خصلة من خصاله، أو عرّض به، أو شبهه بشیٔ علی طریق السبّ له، أو الإزراء علیه، أو التصغیر لشأنه، أو الغض منه والعیب له فهو سابّ له۔ والحکم فیه حکم السابّ۔ (الشفا ۱/۴۲۸، دار الحدیث، القاهرة)

جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہے، آپ کو عیب لگائے، یا آپ کی ذات، نسب، دین اور کسی مبارک خصلت میں کوئی کمی نکالے، یا آپ پر پھبتی کسے یا آپ کو توہین، یا عیب لگانے، یا شانِ عالی کو گھٹانے یا پست کرنے کی نیت سے کسی چیز سے تشبیہ دے، اِن تمام صورتوں میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گستاخ ہے اور اُس کا حکم گستاخ کا حکم ہے یعنی وہ مرتد ہے۔

امام محمد بن سحنون قیروانی مالکی رحمہ اللہ تعالی (م ۲۵۶ھ) گستاخِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں:

أجمع العلماء أن شاتم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المتقص له کافر، و الوعید جار علیه بعذاب اللّٰہ، و حکمه عند الأمة القتل و من شک فی کفره و عذابه کفر۔

(الشفا ۲/۴۲۹، دار الحدیث، القاهرة)

تمام اہلِ علم کا اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے، اُس پر عذابِ الٰہی کی وعید نافذ ہے اور وہ پوری امت کے نزدیک واجب القتل ہے، جو اُس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

☆ اہلِ سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی نے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے شمار علومِ غیبیہ عطا فرمائے ہیں، مثلاً جنت و دوزخ، لوح و قلم، عرش و کرسی اور حشر و نشر وغیرہ کی تمام تفصیلات اپنی حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرما دی ہیں، لہذا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل علومِ غیبیہ کی مطلقاً نفی کرنا کفر ہے؛ کیونکہ اِس سے اصل نبوت ہی کا انکار لازم آتا ہے، اور انکارِ نبوت یقیناً کفر و ارتداد ہے، ہاں مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہونے والے علوم کی تحدید و تعیین کے نہ ہم مکلف ہیں اور نہ اِس سلسلہ میں کتاب و سنت کی کوئی تصریح ہے، لہذا ہم اجمالاً اعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلم الخلق ہیں، پوری مخلوق میں آپ سے زیادہ علم والا نہ کوئی ہوا، نہ ہے اور نہ قیامت تک ہوسکتا ہے۔ رہی آپ کے علومِ عالیہ کی مقدار و حد تو اِس سلسلہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ مقدار و حد دینے والا ربِّ کریم جانے اور لینے والے اُس کے حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانیں، یہ بات ہماری قدرت و طاقت سے باہر ہے، لہذا ہم اِس بارے میں تعیین و تحدید اور تشریح و تفصیل سے قاصر و عاجز ہیں۔

امتیازاتِ اہلِ سنت و جماعت کا ایک اور زاویہ

یہ حقیقت ایک لمحہ کے لیے بھی ذہن سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ عقائدِ اسلام اور عقائدِ اہلِ سنت دو مختلف چیزیں نہیں ہیں، بلکہ جو عقائدِ اسلام ہیں وہی عقائدِ اہلِ سنت ہیں۔ اہلِ سنت کے امتیازات وتشخصات کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کسی ملک کے جمہوری نظام کی طرح اُن میں ترمیم وتبدیل اور ترویج وتنفیذ کا عمل جاری ہوتا ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ جب جب کسی جماعت نے سوادِ اعظم کے جن منصوص ومرصوص عقائد ونظریات سے اختلاف کیا، وہی عقائد اُس دور میں سوادِ اعظم کا امتیاز اور اہلِ سنت و جماعت کا شعار قرار پائے۔ مثال کے طور پر جس زمانہ میں خوارج نے مسئلۂ تحکیم اور فتنۂ تکفیر برپا کیا تو اُس وقت یہی مسائل اہلِ سنت اور غیر اہلِ سنت کے درمیان وجہِ امتیاز بن گئے، یعنی جو لوگوں کے مسائل کا شرعی فیصلہ کرنے کے لیے کسی کو حاکم مانتا اور مرتکبِ کبیرہ کی تکفیر نہ کرتا وہ اہلِ سنت و جماعت سے شمار ہوتا اور جو تحکیم کا انکار کرتا اور مرتکبِ کبیرہ کی تکفیر کرتا وہ اہلِ سنت سے خارج مانا جاتا، ایک دور میں تفضیلِ شیخین سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مسئلہ اہلِ سنت اور غیر اہلِ سنت کے درمیان فرق وامتیاز کا معیار تھا، تفضیلِ شیخین ماننے والا سنی اور نہ ماننے والا غیر سنی قرار دیا جاتا، کبھی خلقِ قرآن کا مسئلہ سنیت وغیر سنیت کی کسوٹی رہا، جو قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کی صفت اور غیر مخلوق مانتا وہ سنی کہلاتا اور جو قرآن کو مخلوق اور حادث مانتا وہ غیر سنی، کبھی بندوں کے افعال کے مخلوق ہونے کا مسئلہ پیمانۂ سنیت تھا، بندوں کے افعال کو مخلوق تسلیم کرنے والا سنی اور غیر مخلوق کہنے والا غیر سنی، اسی طرح کسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات، آخرت میں اُس کی رویت، صفاتِ متشابہہ میں تفویض، تاویل، تشبیہ، تمثیل، تعطیل، تکییف، تجسیم، تنزیہ اور انکار وتبطیل سوادِ اعظم اور دوسری جماعتوں کے درمیان وجہِ امتیاز رہے، اور کبھی مسئلۂ امامت وخلافت، مسئلۂ حفظِ قرآن ونقصِ قرآن، تعظیمِ صحابہ وتوہینِ صحابہ، اور جوازِ وعدمِ جوازِ متعہ وغیرہ صدہا مسائل اہلِ سنت وغیر اہلِ سنت کے درمیان نشانِ امتیاز ہوا کرتے تھے، بلکہ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی زمانہ میں دو الگ

الگ خطوں میں اہلِ سنت و جماعت کے امتیازات بھی جدا جدا رہے ہیں، مثلاً عراق وایران کے زمانۂ جنگ میں جب سنی شیعہ اختلافات اپنے عروج پر تھے تو وہاں خلافت و امامت اور متعہ وغیرہ کی بنیاد پر سنی اور غیر سنی ہونے کا فیصلہ کیا جاتا تھا، جب کہ اُسی دور میں اندلس و مراکش وغیرہ کے عوام اِن مسائل سے واقف ہی نہیں تھے۔ یہ صورتِ حال ہمارے یہاں برِّصغیر ہندو پاک میں بھی پائی جاتی ہے، مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ماکان و مایکون کا علم، مسئلۂ حاضر و ناظر، مسئلۂ نور و بشر وغیرہ اہلِ سنت و جماعت کے امتیازات وضروریات میں شمار کیے جاتے ہیں اور اِن سے اختلاف کرنے والے کو اہلِ سنت سے خارج مانا جاتا ہے، جب کہ اہلِ عرب کے یہاں یہ مسائل حق و باطل کی کسوٹی نہیں ہیں اور نہ اِن کی بنیاد پر کسی کے سنی وغیر سنی ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ بہت سے اہلِ عرب کے یہاں ابنِ تیمیہ حرانی کی تکفیر وعدمِ تکفیر اہلِ سنت وغیر اہلِ سنت کے یہاں وجہِ امتیاز ہے، جو ابنِ تیمیہ کی تکفیر کرے وہ سنی ہے اور جو تکفیر کا قائل نہ ہو وہ اُن کے یہاں سنیت سے خارج ہے، (**کمایقول الشیخ عبداللّٰہ الهرری وأتباعه من أصحاب جمعيّة المشاريع الخيريّة الاسلاميّة بلبنان**) جب کہ ہندو پاک کے اکابر علماءِ اہلِ سنت ابنِ تیمیہ کی تکفیر نہیں کرتے، بلکہ اُس کو گمراہ اور گمراہ گر کہتے ہیں۔

یہاں ایک ناقابلِ انکار حقیقت یہ بھی ہے کہ جو امور و مسائل اہلِ سنت و جماعت اور دوسری جماعتوں کے درمیان عمومی سطح پر دنیا کے مختلف ممالک میں، بلکہ ایک ہی ملک کے مختلف علاقوں میں نشانِ امتیاز قرار دیئے جاتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ سارے امور و مسائل اعتقادیات وضروریاتِ دین کے قبیل سے ہوں یا اصولی واساسی ہوں، بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ وجہِ امتیاز قرار پانے والے امور کی نوعیت و حقیقت خالص فرعی واستحبابی ہو اور مخصوص حکمتوں کے سبب عرف میں بطور وجہِ امتیاز اُن کی ترویج واشاعت کی گئی ہو، اِس بات کو مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ میت کا تیجہ، دسواں، چالیسواں، برسی وغیرہ شرعاً مباحات کے زمرے میں آتے ہیں، اِسی طرح محافلِ میلادِ پاک اور اولیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اعراس جب کہ مفاسد ومنکرات سے پاک ہوں یقیناً ایک مستحب معمول اور انتہائی سعادت مندی و

فیروز بختی کی دلیل ہیں، اِن کی برکات وخیرات کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جو ریاء وتفاخر سے ہٹ کر اپنے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت میں اُن کے ذکرِ عالی کی محفل منعقد کرتا ہو اور اولیاء اللہ کی یاد میں اُن کے مناقب کی مجلس سجاتا ہو، لیکن اِس سب کے باوجود مذکورہ امور خالص فروع کے قبیل سے ہیں، اصولِ دین اور بنیادی عقائد سے نہیں ہیں، چونکہ وہابی و دیوبندی مذکورہ امور کو بدعت وگمراہی کہتے ہیں اور اِس حوالہ سے اپنی قوت بھر تشہیری مہم بھی چلاتے ہیں، لہذا اہلِ سنت و جماعت نے اِن جماعتوں کے افراط وغلو کی تردید کے لیے مذکورہ امور کو جائز ماننا اہلِ سنت کا شعار قرار دیا اور عمومی سطح پر اِن امور کو اہلِ سنت و جماعت اور دوسری جماعتوں کے درمیان وجہِ امتیاز ٹھہرایا یعنی جو مذکورہ امور کو جائز و مستحب مانے وہ سنی اور جو اُن کے جواز واستحباب کا انکار کرے وہ غیر سنی۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ کیا وہابی و دیوبندی مذکورہ معمولات ومراسم کی وجہ سے اہلِ سنت و جماعت سے الگ ایک باطل فرقہ اور گمراہ جماعت ہیں؟ ظاہر ہے حقائق سے آشنا کوئی شخص اِس طرح کی بات نہیں کہہ سکتا؛ کیونکہ وہابی و دیوبندی اپنے اُن مخصوص غیر اسلامی افکار وعقائد کی بنیاد پر ایک فرقہ کے طور پر اہلِ سنت سے جدا ہیں جن کی وجہ سے علماءِ حرمین شریفین نے کفر وارتداد کا فتوی دیا ہے اور فرمایا ہے: (**من شک فی کفرہ و عذابہ فقد کفر**) جو اِن کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے، ہاں اِس اصولی اختلاف کے ساتھ ساتھ اِس فرقہ سے ہم اہلِ سنت کا مذکورہ فروعی امور میں بھی اختلاف ہے، چونکہ یہ فروعی امور معمولات ومراسم کے قبیل سے ہیں اور اِنہیں عوام وخواص بخوبی پہچانتے بھی ہیں، لہذا عرف میں یہی چیزیں وجہِ امتیاز بن گئیں اور عمومی وعوامی پیمانہ پر اِن علامات کے ذریعہ لوگ بآسانی سمجھ جاتے ہیں کہ کون سنی ہے اور کون غیر سنی۔

مگر کچھ ہماری سادگی اور کچھ حریف کی دانائی کی وجہ سے اہلِ سنت و جماعت اور دوسری جماعتوں کے درمیان اہم اصولی اختلاف کو محض بعض فروعی مسائل اور بعض مستحب اور مباح امور کے قبول ورد کے تناظر میں دیکھا جانے لگا ہے، جو تاریخی المیہ بھی ہے اور سنیت کے لیے زبردست چیلنج بھی۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اصحابِ علم ودانش اِس طرف

توجہ دیں اور تدارک کے لیے طاقت بھر کوشش صرف فرمائیں۔

مذکورہ معمولات ومراسم میں اہلِ سنت کے غیروں سے اختلاف کی نوعیت واضح ہونے کے بعد ہم اُن لوگوں کو بھی خوداحتسابی کی دعوت دیتے ہیں جومذکورہ امور میں دوسری جماعتوں کے غلو کارد کرتے کرتے شعوری یا غیرشعوری طور پر خودبھی افراط وغلو میں مبتلا ہوچکے ہیں اور اِن امور کے اہتمام میں اِس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ فرائض و واجبات کی پابندی تو کجا دیدہ ودانستہ اُنھیں ترک کرتے ہیں، مگر مذکورہ معمولات میں معمولی کمی کو بھی جرمِ عظیم اور گناہِ کبیرہ، بلکہ شعارِ وہابیت وامتیازِ دیوبندیت قرار دیتے ہیں اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کو گمراہ ٹھہرا کر اپنی جہالت وشیطنت اور گمراہی وضلالت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ حقیقت میں شیطان کا آلۂ کار ہوتے ہیں، وہ اُن کے دل و دماغ اور اعصاب وحواس پر مسلط ہوکر اُنھیں ایک خوبصورت فریب کے ذریعہ اندھا کردیتا ہے اور اُس کے بعد اِن آوارگانِ فکر ونظر سے اپنی مرضی کے مطابق شریعت کا خول چڑھا کر غیرشرعی حرکات کراتا ہے۔

برصغیر ہندو پاک میں اِس وقت اہلِ سنت و جماعت کے علاوہ کثیر فرقے موجود ہیں، جیسے دیوبندی، وہابی، غیرمقلدین، قادیانی، اہلِ قرآن، رافضی، چکڑالوی، رافضی، منہاجی وغیرہ۔ اِن سے اہلِ سنت و جماعت کا اختلاف اصولی بھی ہے اور فروعی بھی، عقائد میں بھی ہے اور معمولات میں بھی، جن میں سے بعض کا تعلق ضروریاتِ دین سے ہے اور بعض کا تعلق جواز ورعدمِ جواز سے، لیکن بعض چیزیں معمولی ہونے کے باوجود حالات کے پیشِ نظر غیر معمولی اور امتیازی حیثیت کی حامل ہوجاتی ہیں۔ عقائد ومعمولات کا یہ گوشوارہ ملاحظہ فرمائیے جن کا تسلیم کرنا اور اُن پر عمل کرنا اہلِ سنت و جماعت کے امتیازات سے ہے اور اُن کا انکار کرنا وہابیوں اور دیوبندیوں کی علامت بن چکا ہے:

- ندائے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
- اسمِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انگوٹھے چومنا۔
- عقیدۂ شفاعت۔

- عقیدۂ توسل و استعانت۔
- عقیدۂ حیاتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام۔
- میلاد و قیام، عرس و فاتحہ، نذر و نیاز، جلوسِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بارہویں شریف، گیارہویں شریف، صالحین کے مزارات پر گنبد بنانا، انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء و صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی قبروں کی زیارت کے لئے سفر کرنا، اذان کے بعد تثویب، جمعہ کی اذان ثانی کا خارجِ مسجد ہونا، اقامت میں حی علی الفلاح کے وقت کھڑا ہونا، نمازِ فجر و عصر کے بعد مصافحہ کرنا، اذانِ قبر وغیرہ۔ اِن چیزوں کا تعلق اگرچہ بنیادی عقائد اور ضروریاتِ دین سے نہیں ہے، لیکن عہدِ حاضر میں اہلِ سنت و جماعت کی واضح علامتیں ہیں اور عام طور پر غیر اہلِ سنت اِنہیں شرک و بدعت کہتے ہیں، اِس لیے افراط و غلو اور تشدد و تعدّی سے بچتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر اِن کا اہتمام کرنا سنیت و شعارِ سنیت کا اظہار بھی ہے اور باطل پرستوں اور اُن کے افکار و خیالات کا رد و انکار بھی۔

وہ لوگ سخت غلطی کا شکار ہیں جو اپنی نادانی کی وجہ سے اہلِ سنت و جماعت کے علاقائی تشخصات و امتیازات میں جبر و تشدد کا مظاہرہ کرتے ہیں، بلکہ باشعور علماءِ اہلِ سنت پر بھی نازیبا الفاظ کی بارش کرتے ہیں۔ اِس قسم کے نادانوں اور شریعت سے جاہل دین کے ٹھیکیداروں سے بعض مقامات پر سنیت کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ اِسی طرح بعض پیشہ ور مقررین اپنی تقریروں میں حد درجہ شدت کا مظاہرہ کرتے ہیں، جسے مسلمانوں کا سنجیدہ طبقہ قطعاً پسند نہیں کرتا اور نہ اسلام اِس طرح کی دھاندلی بازی کی اجازت دیتا ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کے پاس اپنے عقائد کے اثبات میں دلائل و شواہد کا ناقابلِ شکست ذخیرہ ہے، اگر پر تشدد لب و لہجہ ترک کر کے قرآن و سنت اور اجماعِ امت کے مستحکم دلائل پیش کئے جائیں تو اصلاحِ فکر و اعتقاد کی وسیع شاہراہیں کھل سکتی ہیں، دعوت و تبلیغ میں حکمت و موعظت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ایک سچے داعی کا مرکزی نقطۂ نظر یہ ہونا چاہئے کہ اُس کے ہم خیالوں کی تعداد میں اضافہ ہو، نہ یہ کہ جو پہلے سے جماعت کے سرگرم اور پر عزم سپاہی ہیں اُنہیں بھی

جماعت سے خارج کرنے کی مہم چلائی جائے۔ دین میں تصلب اور اصلاح وتذکیر کا مقصد اندھیری رات کے مسافروں کو صبحِ درخشاں کی طرف لے جانا ہے، نہ کہ راستے سے اٹھا کر کھائی میں ڈال دینا۔ یہ فکر وشعور کا دور ہے، انتہائی پیچیدہ مسائل کو بھی ناخنِ تدبیر سے حل کیا جاسکتا ہے۔ آج پوری دنیا جدید ذرائع استعمال کر کے فکری ہم نوائی کی جدو جہد کر رہی ہے، لیکن خاکِ ہند کے چند رہبر نما مولوی، دین سے کھلواڑ کرنے والے جاہل خطیب، بدعمل اور خلافِ شرع پیر اور اسلام وسنیت کو روزی روٹی کا ذریعہ بنا لینے والے نام نہاد قائدین جس قسم کی سنیت متعارف کرانے میں لگے ہوئے ہیں وہ اُس سنّیت سے بالکل مختلف ہے جس کے اصول وقواعد اور معمولات ومراسم ہمارے اکابر نے اپنی تصنیفات میں درج کیے ہیں۔

ہم ایک ایسی دنیا میں جی رہے ہیں جہاں رجال کی شناخت حق کے ذریعہ نہیں، بلکہ حق کی شناخت رجال کے ذریعہ کی جاتی ہے، یہاں مروجہ امتیازات وتشخصات اہلِ سنت جیسے نازک موضوع پر اظہارِ خیال کرنا سمندر میں رہ کر مگر مچھ کو دعوتِ مبارزت دینے سے کم نہیں ہے، لیکن ہم نے خالصۃً لوجہ اللہ الکریم بے خوفِ لومۃ لائم اپنی بات رکھ دی ہے، تسلیم وانکار توفیقِ الٰہی پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر استقامت ومواظبت عطا فرمائے اور اعتقادی وعملی انحراف وکج روی سے محفوظ رکھے۔

ہمیں نہیں معلوم کہ آپ ہماری اِس رائے سے اتفاق فرمائیں گے یا نہیں کہ آج ہمارے دین ومسلک کا تعارف وتذکرہ اور اُس کی تفہیم وتشریح اہلِ سنت وجماعت کے محکم عقائد ومسلّم مسائل پر مشتمل بنیادی کتابوں اور اصولی ودستاویزی تصنیفات کے بجائے عوامی رسم ورواج کی بنیاد پر کرانا دانا دشمنوں کی گہری سازش اور نادان دوستوں کی خطرناک فریب خوردگی کا نتیجہ ہے، جس سے براہِ راست ہر سطح پر سنّیت کو نقصان پہنچ رہا ہے، اگر وقت رہتے اِس کے سدّ باب کے لیے قدم نہیں اٹھایا گیا تو مستقبل میں کفِ افسوس ملنے کے سوا ہاتھ میں کچھ نہیں ہوگا۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فروعی اختلافات دو قسم کے ہیں،

ایک تو وہ جن میں تمام اہل سنت کا متفقہ موقف ہے اور دوسرے وہ جن میں خود اہلِ سنت کے اکابر کے درمیان دو موقف پائے جاتے ہیں۔ ایسے فروعی مسائل جن میں اکابرِ اہلِ سنت کا اتفاق ہے، اُن میں تصلب ہونا چاہئے اور وقتِ ضرورت ایسے مسائل میں شدت بھی برتی جاسکتی ہے، لیکن حکمت و مصلحت ہر جگہ پیشِ نظر رہنا چاہئے، نہ ہر جگہ شدت کے مظاہرے کو درست قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ایسی نرمی درست ہے جو مسلک کے لئے نقصان دہ ثابت ہو۔ ہاں البتہ ایسے فروعی مسائل جن میں ہمارا اختلاف غیر اہلِ سنت سے تو ہے ہی ساتھ ہی ساتھ خود اکابرِ اہلِ سنت میں بھی اُن مسائل میں دو رائے پائی جاتی ہوں تو ایسے مسائل میں ضرورت سے زیادہ شدت کا مظاہرہ کرنا خود جماعت اہلِ سنت کے حق میں مضر ہے، اِس قسم کے فروعی مسائل کی بنیاد پر سنیوں ہی کو سنیت سے خارج اور داخل کرنا غیر صحت مند طرزِ فکر اور شرعی اصول وقوانین سے غفلت و جہالت پر مبنی اقدام ہے۔ اِس قسم کی شدت اُنہیں لوگوں کو مبارک ہو جنہیں اہلِ سنت کے اتفاق واتحاد سے زیادہ اپنے منصب واقتدار کا تحفظ عزیز ہے۔

کیا اہلِ سنت کے عقائد و معمولات کی بنیاد ضعیف و موضوع روایات پر ہے؟

قارئینِ کرام! اہلِ سنت و جماعت کے مخالفین ہمارے معتقدات و معمولات اور مراسم و مسلّمات کے خلاف بسا اوقات یہ بات کہتے نہیں تھکتے اور تقریر و تحریر میں آئے دن یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ اِن کے عقائد و اعمال کی بنیاد ضعیف و منکر احادیث پر ہے، خصوصاً نام نہاد اہلِ حدیث یعنی غیر مقلدین کا طبقہ تو اتنا جری اور ڈھیٹ ہے کہ جو حدیث و روایت اُن کے مزعومہ عقائد و موہومہ معمولات کے خلاف ہوتی ہے اُس کو ضعیف و موضوع کہنے میں ایسی حیرت ناک عجلت و سبقت سے کام لیتے ہیں کہ محسوس ہوتا ہے اِنہوں نے ابلیس کے منہ میں ہاتھ ڈال کر اُس کی بات چھین لی ہے اور اپنا مادری حق ادا کر دیا ہے۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ الحمد للہ! اہلِ سنت و جماعت کے تمام عقائد و احکام کی بنیاد کتاب و سنت اور اجماعِ امت کے دلائلِ صحیحہ ثابتہ اور براہینِ قویہ قاطعہ پر ہے۔ ضعیف و منکر، واہی و شاذ اور موضوع و باطل روایات کا سہارا لے کر اپنے مذاہب و عقائد اور افکار و نظریات کی عمارت تیار کرنا اُن گمراہ و باطل فرقوں کا کام ہے جن کا وجود سراپا بدعت و ضلالت ہے اور اُن کا مقصد اسلامی عقائد و معمولات کو نقصان پہنچا کر اسلام دشمن قوتوں کو اندرونی طور پر رسد و کمک فراہم کرنا ہے۔ البتہ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اہلِسنت و جماعت کے یہاں ضعیف احادیث مطلقاً غیر معتبر اور نا قابلِ قبول بھی نہیں ہیں، جیسا کہ غیر مقلدین نے بیک جنبشِ قلم ضعیف و موضوع کو ایک خانہ میں رکھ کر مردود قرار دے رکھا ہے، بلکہ ضعیف احادیث سے متعلق اہلِ سنت و جماعت کا اعتدال و توازن پر مبنی ایک مضبوط موقف ہے، جسے ہمارے مخالفین یا تو جانتے ہی نہیں ہیں، یا پھر دانستہ انجان بن کر قوم کے درمیان غیر واقعی امور کی تشہیر کرتے ہیں اور افتراق و انتشار کا ماحول پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ذیل میں ضعیف احادیث سے متعلق محققین اہلِ علم و ائمۂ فن کے ارشادات و تصریحات کی روشنی میں اہلِ سنت و جماعت کا موقف اختصار و جامعیت کے ساتھ ملاحظہ فرمائیے۔

حدیثِ ضعیف کی تعریف واقسام

امام تقی الدین ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمن معروف بابن صلاح شہرزوری شافعی رحمہ اللہ تعالی (م ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں:

كل حديث لم يجتمع فيه صفات الحديث الصحيح، و لا صفات الحديث الحسن المذكورات فيما تقدم، فهو حديث ضعيف۔

(المقدمة لابن الصلاح، ص: ۱۸۸، دار المعارف، القاهرة)

ضعیف وہ حدیث ہے جس میں حدیثِ صحیح یا حدیثِ حسن کی تمام یا بعض شرائط نہ پائی جائیں۔

اِس تعریف کا ایک نقص یہ کہ اِس کی بنیاد پر لازم آئے گا کہ اگر کسی حدیث میں صحیح کی کوئی شرط فوت ہو تو اُس کو ضعیف کہا جائے، حالانکہ یہ غلط ہے؛ کیونکہ وہ حسن بھی ہوسکتی ہے۔ اِسی لیے حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی مذکورہ ایراد کے بعد فرماتے ہیں کہ اِس سے مختصر اور اعتراض سے پاک تعریف یہ ہے:

كل حديث لم تجتمع فيه صفات القبول۔

(النكت على مقدمة ابن الصلاح ۱/۴۹۲، دار الفكر، بيروت)

ضعیف وہ حدیث ہے جس میں قبولِ حدیث کی صفات نہ پائی جائیں۔

حدیثِ ضعیف کی بہت سی اقسام ہیں، حافظ ابنِ صلاح رحمہ اللہ تعالی نے تو امام ابنِ حبان بُستی رحمہ اللہ تعالی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ضعیف کی ۴۹/اقسام ہیں، اُس کے بعد لکھتے ہیں کہ حدیثِ ضعیف کی معروف ومشہور اقسام یہ ہیں: موضوع، مقلوب، شاذ، معلَّل، مضطرب، مرسل، منقطِع، معضل۔ **(المقدمة لابن الصلاح، ص: ۱۸۹)**

بلکہ بعض محققینِ فن نے حدیثِ ضعیف کی مختلف جہات وحیثیات کے مدِّ نظر اُس کی پانچ سو گیارہ اقسام بیان کی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(غيث المستغيث في علم مصطلح الحديث للسماحي، ص: ۷۰)

البتہ اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیثِ ضعیف کی تین اقسام ہیں:

(۱) ضعیف بضعفِ خفیف ویسیر، مثلاً یہ ضعف راوی کے سوءِ حافظہ، اختلاط، انقطاع، ارسال، تدلیس، سقوط، شذوذ، وہم اور علتِ قادحہ وغیرہ کی وجہ سے ہو۔ چونکہ اِس ضعف کی تلافی بآسانی ہوسکتی ہے لہٰذا اِس قسم کی حدیثِ ضعیف حسن لغیرہ اور صحیح لغیرہ تک ترقی کرجاتی ہے، اور اگر اِس کے ضعف کی تلافی نہ بھی ہوسکے تو کم ازکم یہ متابعت وشاہد کی ضرور صلاحیت رکھتی ہے۔

(۲) ضعیف بضعفِ قوی وشدید۔ مثال کے طور پر یہ ضعف راوی کے فسق وفجور، غفلتِ شدیدہ اور وہمِ کثیر وغیرہ ایسے قوادحِ قویہ کی وجہ سے ہو جس کی تلافی نسبتاً دشوار ہو۔ اِس کا حکم مستقل عنوان کے تحت ذیل میں مذکور ہے۔

(۳) موضوع۔ یہ بالاتفاق غیر معتبر ومردود ہے، بلکہ اِس کو حدیث کہنا مجاز ہے۔

حدیثِ ضعیف پر عمل کی تحقیق ومذاہب

جمہور اہلِ علم، فقہاءِ کرام اور محدثینِ عظام رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک عقائدِ قطعیہ وظنّیہ اور احکام کے اثبات میں احادیثِ ضعاف ناکافی وغیر معتبر ہیں، البتہ فضائل ومناقب، مغازی وسیر، ترغیب وترہیب، تشدید وترخیص اور مواعظ ونصائح کے ابواب میں معتبر ہیں۔

اگرچہ بعض اہلِ علم نے ضعاف پر مطلقاً عمل نہ کرنے کی بات کہی ہے لیکن ناصرالدین البانی جیسے نجدی ونام نہاد سلفی علماء نے اِس سلسلہ میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ خالص افراط وغلو اور تشدّد وتعنّت پر مبنی ہے، اِن حضرات کی تحریریں پڑھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ اِنہوں نے احادیثِ مبارکہ کی تحقیق کے نام پر تحریف کا خطرناک کھیل کھیلا ہے، وہ بے شمار احادیثِ صحیحہ وحسنہ ومقبولہ جن سے اِن کے مخصوص افکار ونظریات اور اغراض واہداف کی کھلی تردید ہوتی ہے اُن کو ضعیف وواہی، شاذ ومنکر، معلول ومعضل اور باطل وموضوع قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کردیا ہے، اِن متشدّدین کے اِس غلو کو ہند وپاک کے غیر مقلدین نے نعمتِ غیر مترقبہ، بلکہ صحیفۂ آسمانی ووحیِ ربانی سمجھ کر اپنے دین کا لازمی جزء بنالیا

ہے اور اسلافِ امت، محققین و مدققین، صالحین و متقین، فقہاء و محدثین اور ائمہ و مجتہدین کے علمی کارناموں، فقہی خدمات، دینی تعلیمات اور اُن کی مایہ ناز تصنیفات و تالیفات سے عوام و کم علم لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لیے اپنی پوری طاقت جھونک رکھی ہے۔ ائمۂ حدیث نے احادیثِ ضعاف پر عمل کے سلسلہ میں اہلِ علم کے موقف و مذہب کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ہم یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ خلاصہ پیش کر رہے ہیں:

حدیثِ ضعیف پر عمل و ترکِ عمل کے سلسلہ میں تین مذاہب ہیں:

مذہبِ اول

جمہور ائمہ و فقہاء اور محدثین و علماء رحمہم اللہ تعالی فضائل و محاسن اور ترغیب و ترہیب وغیرہ میں احادیثِ ضعاف کو معتبر و مقبول مانتے ہیں، البتہ عقائد و احکام کے اثبات کے لیے ناکافی و غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔

جمہور کے اِس موقف کی تفصیل یہ ہے کہ عموماً فقہاء و محدثین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین موضوع کے علاوہ تمام ضعیف احادیث کو بغیر کسی شرط و قید کے فضائل و مناقب، ترغیب و ترہیب، مواعظ و نصائح اور تاریخ و سیر وغیرہ میں معتبر مانتے ہیں نیز مواضعِ احتیاط میں احکام کے ثبوت کے لیے بھی قبول کرنے کو بہتر قرار دیتے ہیں، جب کہ بعض اہلِ علم حدیثِ ضعیف کو معتبر ماننے کے لیے غیر موضوع کی قید کے ساتھ مزید کچھ شرائط و قیود کو ضروری قرار دیتے ہیں، جیسا کہ آئندہ بیان کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالی۔ اِس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حدیثِ ضعیف کو معتبر ماننے کے سلسلہ میں جمہور محدثین و فقہاء رحمہم اللہ تعالی کے دو فریق ہیں، ہر فریق کے مشاہیر کے اقوال و ارشادات اِس طرح ہیں:

فریقِ اول کے مشاہیر کے اقوال و ارشادات

☆ امام حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت معروف بخطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالی (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

قد ورد عن غير واحد من السلف انه لا يجوز حمل الأحاديث المتعلقة بالتحليل والتحريم الا عمن كان بريئا من التهمة بعيدا من الظنة واما أحاديث الترغيب والمواعظ ونحو ذلک فإنه يجوز كتبها عن سائر المشايخ۔

(الكفاية فی الرواية، ص: ۱۳۳، المكتبة العلمية، المدينة المنورة)

بے شمار اسلاف سے مروی ہے کہ حرام و حلال سے متعلق احادیث صرف اُنہیں حضرات سے روایت کی جاسکتی ہیں جو تہمت سے بری اور گمان سے برتر ہوں، لیکن ترغیب و مواعظ وغیرہ کی احادیث تمام مشائخ سے روایت کی جاسکتی ہیں۔

☆ امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

لا تأخذوا هذا العلم فی الحلال والحرام الا من الرؤساء المشهورين بالعلم الذين يعرفون الزيادة والنقصان فلا بأس بما سوی ذلک من المشايخ۔

(الكفاية فی الرواية، ص: ۱۳۴، المكتبة العلمية، المدينة المنورة)

حرام وحلال کی احادیث اُنہیں معروف اہلِ علم سے حاصل کرو جو زیادتی وکمی سے آشنا ہیں، لیکن اِن کے سوا احادیث تمام مشائخ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

☆ امام ابوحاتم محمد بن ادریس رازی رحمہ اللہ تعالی بیان کرتے ہیں کہ عبدہ بن سلیمان رحمہ اللہ تعالی نے ہم سے بیان کیا:

قيل لابن المبارک وروی عن رجل حديثا، فقيل: هذا رجل ضعيف، فقال: يحتمل أن يروی عنه هذا القدر، أو مثل هذه الأشياء۔ قلت لعبدة: مثل أی شئ كان؟ قال: فی أدب وموعظة فی زهد أو نحو هذا۔

(الجرح والتعديل لابن أبی حاتم ۱/۳۰، ۳۱، دار احياء التراث العربی، بيروت)

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک شخص سے حدیث روایت کی، تو کسی نے آپ سے کہا: یہ شخص تو ضعیف ہے، آپ نے فرمایا: اِس طرح کی روایت اِس سے لی جاسکتی ہے۔ امام ابوحاتم فرماتے ہیں میں نے عبدہ سے کہا: وہ کس طرح کی روایت تھی؟ اُنہوں نے کہا ادب ونصیحت اور زہد وغیرہ سے متعلق تھی۔

☆امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

إذا روينا عن رسول الله ﷺ فی الحلال والحرام والسنن والأحكام تشددنا فی الأسانيد وإذا روينا عن النبی ﷺ فی فضائل الأعمال وما لا يضع حكما ولا يرفعه تساهلنا فی الأسانيد۔

(الكفاية فی الرواية، ص: ۱۳۴، المكتبة العلمية، المدينة المنورة)

جب ہم حرام وحلال اور سنن واحکام سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث روایت کرتے ہیں تو اسانید میں سختی سے کام لیتے ہیں اور جب فضائلِ اعمال وغیر احکام سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث روایت کرتے ہیں تو اسناد میں نرمی اختیار کرتے ہیں۔

☆ حدیثِ ضعیف سے متعلق امام محی السنہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ تعالی (م ٦٧٦ھ) نے اپنی کئی تصنیفات میں تفصیل سے لکھا ہے اور یہ موقف اختیار فرمایا ہے کہ عقائد واحکام کے علاوہ فضائل ومناقب وغیرہ میں حدیثِ ضعیف پر عمل کرنا بالاتفاق جائز ہے۔امام نووی رحمہ اللہ تعالی کی چند تصنیفات کے اقتباسات ملاحظہ فرمایئے:

قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف فی فضائل الأعمال۔

(الأربعون النووية، ص: ۵، المكتبة الفيصلية، مكة المكرمة)

تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔

اِس کے تحت علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن حجر ہیتمی مکی شافعی رحمہ اللہ تعالی علیہ (م ۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

لأنه ان كان صحيحا فی نفس الأمر فقد أعطى حقه من العمل به، والا لم يترتب على العمل به مفسدة تحليل ولا تحريم ولا ضياع حق للغير۔

(الفتح المبين بشرح الأربعين، ص: ۱۰۹، دار المنهاج)

اِس لیے کہ حدیثِ ضعیف اگر واقع میں صحیح ہے تو عمل کے ذریعہ اُس کا حق ادا ہو گیا، اور اگر واقع میں صحیح نہیں بھی ہے تو اُس پر عمل کرنے سے کسی چیز کو حلال وحرام ماننے یا کسی کی حق تلفی کی خرابی تو لازم نہیں آئی۔

☆امام نووی رحمہ اللہ تعالی مجموع میں فرماتے ہیں:

قدقدمنا اتفاق العلماء على العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الأعمال دون الحلال والحرام۔ (المجموع شرح المهذب ۳/۳۴۲، دار الكتب العلمية)

ہم بیان کر چکے ہیں کہ حرام وحلال میں نہیں بلکہ فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل کے سلسلہ میں علماء متفق ہیں۔

☆مشہور زمانہ تصنیف اذکار میں فرماتے ہیں:

قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم: يجوز ويستحب العمل فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعا، وأما الأحكام كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلک فلا يعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أو الحسن إلا أن يكون فى احتياط فى شئ من ذلک، كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة، فإن المستحب أن يتنزه عنه ولكن لا يجب۔ (الأذكار النووية، ص: ۸، دار الكتب العلمية)

محدثین وفقہاء وغیرہم علماء فرماتے ہیں: فضائلِ اعمال اور ترغیب وترہیب میں حدیثِ ضعیف پر عمل جائز ومستحب ہے جب کہ وہ موضوع نہ ہو، لیکن حرام وحلال، بیع ونکاح اور طلاق وغیرہ احکام میں حدیثِ صحیح یا حسن ہی پر عمل کیا جائے گا، ہاں اگر حدیثِ ضعیف اِن مواقع میں کسی احتیاطی پہلو سے متعلق ہوتو بچنا بہتر ہے گو واجب نہیں ہے، مثلاً بیع ونکاح کی کسی صورت سے متعلق حدیثِ ضعیف ہو (تو یہاں بطورِ سند اُس پر عمل کرنا بہتر ہے)۔

☆تقریب میں تحریر فرماتے ہیں:

يجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل فى الأسانيد ورواية ما سوى الموضوع من الضعيف، والعمل به من غير بيان ضَعفه فى غير صفات الله تعالى، والأحكام كالحلال والحرام ومما لا تعلق له بالعقائد والأحكام۔

(التقريب والتيسير، ص: ۱۶۲، دار الكتب العلمية)

اگر احادیث کا تعلق اللہ تعالی کی صفات اور عقائد واحکام سے نہ ہوتو محدثین وغیرہم

کے نزدیک اسناد میں تساہل ونرمی اور ضعف کا اظہار کیے بغیر موضوع کے علاوہ دوسری ضعیف احادیث کی روایت اور اُن پر عمل کرنا جائز ہے۔

☆ امام حاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حمدویہ نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۴۰۵ھ) بیان کرتے ہیں کہ امام ابوزکریا یحییٰ بن محمد بن عبداللہ عنبری رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۳۴۴ھ) فرماتے ہیں:

الخبر إذا ورد لم يحرم حلال ولم يحل حراما ولم يوجب حكما وكان فی ترغيب أو ترهيب أو تشديد أو ترخيص وجب الاغماض عنه والتساهل فی رواته۔ (المدخل، ص: ۸۴، مؤسسة الرسالة، بیروت۔ والکفایة فی الروایة، ص: ۱۳۴)

حدیث کا تعلق اگر حرام وحلال اور احکام سے نہ ہو بلکہ ترغیب وترہیب، یا تشدید وترخیص سے ہو تو رواۃ کے بارے میں چشم پوشی اور نرمی سے کام لینا ضروری ہے۔

☆ امام ابوعمر بن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

أهل العلم بجماعتهم يتساهلون فی الفضائل فيروونها عن كلٍّ، و انما يتشددون فی أحاديث الأحكام۔ (جامع بیان العلم ۱/۱۰۳، دارابن الجوزی، الدمام)

تمام علماء فضائل میں نرمی کرتے ہیں اور تمام رُوات سے احادیث کی روایت کرتے ہیں، ہاں احادیثِ احکام میں سختی کرتے ہیں۔

☆ اور تمہید میں فرماتے ہیں:

أحاديث الفضائل لا يحتاج فيها الی من يحتجّ به۔

(التمهید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید ۶/۳۹، مؤسسة القرطبة، بیروت)

احادیثِ فضائل میں قابلِ احتجاج رُوات کا ہونا ضروری نہیں۔

امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد حنفی معروف بابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

الضعيف غير الموضوع يعمل به فی فضائل الأعمال۔

(فتح القدیر ۱/۳۴۹، دارالفکر)

فضائلِ اعمال میں وہ ضعیف حدیث مقبول و معمول ہے جو موضوع نہ ہو۔

☆ امام جلال الدین عبدالرحمن بن کمال ابوبکر سیوطی رحمہ اللہ تعالی (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

يعمل بالضعيف أيضا في الأحكام اذا كان فيه احتياط۔

(تدريب الراوی ۱/۱۶۳، دار الكتب العلمية)

(فضائلِ اعمال کے علاوہ) احکام میں بھی حدیثِ ضعیف پر عمل کیا جائے گا جب کہ اُس میں احتیاط ہو۔

☆ علامہ سیوطی علیہ الرحمہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:

الحديث الضعيف يُتسامح به في فضائل الأعمال۔

(الحاوی للفتاوی ۲/۱۸۱، دار الكتب العلمية)

فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف کے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جاتا ہے۔

☆ امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی رحمہ اللہ تعالی (م ۹۰۲ھ) کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

الأحاديث الرقائق يحتمل أن يُتساهل فيها حتى يجئ شئ فيه حكم۔

(فتح المغيث ۲/۱۵۲، دار المنهاج، الرياض)

احادیثِ احکام کے برخلاف زہد وورع سے متعلق احادیث میں نرمی اختیار کی جاسکتی ہے۔

☆ تلمیذِ امام سیوطی شارحِ بخاری علامہ شمس الدین محمد بن عمر سفیری حلبی شافعی رحمہ اللہ تعالی (م ۹۵۶ھ) لکھتے ہیں:

اتفق العلماء على أن الحديث الضعيف والمرسل والموقوف يتسامح به في فضائل الأعمال ويعمل بمقتضاه۔ (شرح صحيح البخاری للسفيری ۶/۴۳)

علماء کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال کے متعلق حدیثِ ضعیف، مرسل اور موقوف میں نرمی سے کام لیا جائے گا اور اُن کے اقتضا کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

☆ علامہ ابنِ حجر مکی ہیتمی رحمہ اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں:

الحديث الضعيف والمرسل والمعضل والمنقطع يعمل به في فضائل

الأعمال اتفاقا بل إجماعا۔ (الفتاوی الحدیثیة، ص: ۲۷۴، دار المعرفة، بیروت)

فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف، مرسل، معضل اور منقطع پر عمل کرنا متفق علیہ اور اجماعی ہے۔

☆ علامہ نور الدین علی بن محمد بن سلطان قاری رحمہ اللہ تعالی (م ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

الضعیف یعمل به فی فضائل الأعمال اتفاقا۔

(الأسرار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة، ص: ۳۱۵، مؤسسة الرسالة، بیروت)

فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر بالاتفاق عمل جائز ہے۔

☆ علامہ شمس الدین محمد بن احمد رملی شافعی رحمہ اللہ تعالی (م ۱۰۰۴ھ) فرماتے ہیں:

قد حکی النووی فی عدة من تصانیفه إجماع أهل الحدیث علی العمل بالحدیث الضعیف فی الفضائل ونحوها خاصة۔ وقال ابن عبد البر: أحادیث الفضائل لا یحتاج فیها إلی من یحتج به۔ وقال الحاکم: سمعت أبا زکریا العنبری یقول: الخبر إذا ورد لم یحرم حلالا ولم یحلل حراما ولم یوجب حکما وکان فیه ترغیب أو ترهیب أغمض عنه وتسوهل فی روایته۔ ولفظ ابن مهدی فیما أخرجه البیهقی فی المدخل: إذا روینا عن النبی ﷺ فی الحلال والحرام والأحکام شددنا فی الأسانید وانتقدنا فی الرجال، وإذا روینا فی الفضائل والثواب والعقاب سهلنا فی الأسانید وتسامحنا فی الرجال۔

(فتاوی الرملی ۶/۲۷۶، دار الفکر، بیروت)

امام نووی رحمہ اللہ تعالی نے اپنی متعدد تصنیفات میں اِس بات پر محدثینِ کرام کا اجماع نقل فرمایا ہے کہ فضائل وغیرہ میں خصوصاً حدیثِ ضعیف پر عمل جائز ہے۔ امام ابنِ عبد البر فرماتے ہیں: فضائل کی احادیث میں قابلِ احتجاج رُوات کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں: میں نے ابو زکریا عنبری کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب احادیث حرام و حلال اور کسی حکم کے اثبات سے متعلق نہ ہوں، بلکہ اُن میں ترغیب وترہیب کا بیان ہو تو چشم پوشی اور روایت میں تساہل سے کام لیا جاتا ہے۔ امام بیہقی نے مدخل میں روایت کیا ہے کہ

امام عبدالرحمن بن مہدی فرماتے ہیں: جب حرام وحلال اور احکام کے بارے میں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث روایت کرتے ہیں تو اسانید میں سختی برتتے ہیں اور رجال کی تفتیش کرتے ہیں، اور جب فضائل وثواب وعقاب سے متعلق روایت کرتے ہیں تو اسناد میں نرمی برتتے ہیں اور رجال کے بارے میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔

فریقِ ثانی کے مشاہیر کے اقوال وارشادات

☆ امام حافظ ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ تعالی (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

اشتهر أن أهل العلم يتسامحون في إيراد الأحاديث في الفضائل وإن كان فيها ضعف، مالم تكن موضوعة. وينبغي مع ذلك اشتراط أن يعتقد العامل كون ذلك الحديث ضعيفا، وأن لا يشهر بذلك، لئلا يعمل المرء بحديث ضعيف، فيشرع ماليس بشرع، أو يراه بعض الجهال فيظن أنه سنة صحيحة.

(تبيين العجب بما ورد في فضل رجب، ص: ۲۳، مؤسسة قرطبة)

مشہور ہے کہ اہلِ علم احادیثِ فضائل میں نرمی سے کام لیتے ہیں اگرچہ وہ ضعیف ہوں، بشرطیکہ موضوع نہ ہوں، اِس کے ساتھ اِن شرائط کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ عمل کرنے والا اُس حدیث کے ضعیف ہونے کا اعتقاد رکھے، اور اُس کو شہرت نہ دے تاکہ انسان حدیثِ ضعیف کو معمول بنا کر غیر مشروع کو مشروع نہ سمجھ لے، یا بعض جاہل لوگ حدیثِ ضعیف پر عمل دیکھ کر اُسے سنتِ صحیحہ نہ سمجھ لیں۔

☆ امام جلال الدین سیوطی اور امام شمس الدین سخاوی رحمہما اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف کو معتبر ماننے کے لیے تین شرائط کا تحقق ضروری مانتے ہیں:

أحدها: أن يكون الضعف غير شديد، فيخرج من انفرد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه. نقل العلائي الاتفاق عليه۔

الثانی: أن يندرج تحت أصل معمول به، فيخرج ما يخترع بحيث لا يكون له أصل أصلا۔

الثالث: أن لا يعتقد عند العمل به ثبوته لئلا ينسب الى النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما لم يقله بل يعتقد الاحتياط۔

(تدریب الراوی ۱/۱۶۲۔ والقول البدیع، ص: ۲۵۵۔ وفتح المغیث ۲/۱۵۴)

پہلی شرط یہ ہے کہ ضعف شدید نہ ہو، لہذا کذاب، یا جس پر جھوٹ کی تہمت ہو، یا جو فحش غلطیوں کا مرتکب ہو، اگر یہ لوگ کسی حدیث کی روایت میں منفرد ہوں تو اِن کی روایت فضائلِ اعمال میں بھی غیر معتبر مانی جائے گی۔ امام علائی فرماتے ہیں کہ یہ شرط متفق علیہ ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ حدیثِ ضعیف کسی معمول بہ اصل اور قاعدہ کے تحت داخل ہو، اِس شرط سے وہ اختراعی روایات نکل جائیں گی جن کی کوئی اصل ہی نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ حدیثِ ضعیف پر عمل کے وقت اُس کے ثبوت کا عقیدہ نہیں رکھنا چاہیے؛ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب ایسی بات منسوب نہ ہو جائے جسے آپ نے فرمایا ہی نہیں ہے، بلکہ احتیاط کا عقیدہ رکھے (کہ میں اِس ضعیف روایت پر احتیاطاً عمل کر رہا ہوں)۔

فضائلِ اعمال کے سلسلہ میں ضعیف احادیث کو معتبر ماننے کے لیے حافظ ابنِ حجر عسقلانی اور علامہ علائی رحمہا اللہ تعالی کی بیان کردہ یہ شرائط محققین کے نزدیک ناقابلِ قبول ہیں، جس کی کچھ وجوہات یہ ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ شرائط ماقبل میں مذکور جلیل القدر ائمہ وفقہاء اور محدثین واہلِ علم کی تصریحات کے خلاف ہیں جنہوں نے بابِ فضائل میں حدیثِ ضعیف کی قبولیت کے لیے صرف یہ قید بیان فرمائی ہے کہ وہ موضوع نہ ہو، ضعفِ شدید سے خالی ہونے کی شرط کا تذکرہ اِن ائمہ کے یہاں نہیں پایا جاتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اِس شرط سے نہ تو کوئی نیا معنی حاصل ہوتا ہے اور نہ اِس کا کوئی خاص فائدہ نظر آتا ہے؛ کیونکہ جب آپ فریقِ اول کی طرح بابِ فضائل میں حدیثِ ضعیف کی قبولیت کے لیے ”غیر موضوع“ کی قید درست مانتے ہیں تو اِس کا واضح مطلب ہوا

کہ حدیثِ ضعیف کی سند میں راوی کے کذاب یا متہم بالکذب یا فاحش الغلط ہونے کے باوجود اُس حدیث کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور موجود ہے جس کی وجہ سے اُسے موضوع قرار نہیں دیا گیا، اور حدیثِ ضعیف کی اصل کا کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہونا بابِ فضائل میں عمل کرنے کے لیے کافی ہے؛ اِس لیے کہ یہاں کسی حکمِ شرعی کا استنباط واستخراج مقصود نہیں ہے جس کے لیے حدیث کا ثبوتِ متیقن ضروری ہے، بلکہ محض امیدِ ثواب وخوفِ عقاب مقصود ہے جو حدیث کے ثبوتِ مظنون کی صورت میں بھی موجود ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی کا عمل اپنی بیان کردہ اِن شرائط کے خلاف ہے، جیسا کہ "**القول المسدّد فی الذب عن المسند للامام أحمد**" اور "**الاصابة فی تمییز الصحابة**" وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔

مذہبِ دوم

بعض فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک ضعیف احادیث نہ صرف فضائلِ اعمال میں معتبر ہیں بلکہ نصوصِ صحیحہ وحسنہ کی غیر موجودگی میں احکام ومسائل کے اثبات کے لیے اُنہیں قیاس پر مقدم رکھا جائے گا۔

ائمۂ اربعہ رضی اللہ تعالی عنہم کے طرزِ استنباط واجتہاد سے ظاہر ہے کہ اِن اساطینِ امت کے یہاں حدیثِ ضعیف کا درجہ رائے اور قیاس سے بلند ہے۔

☆ امام سراج الدین ابوحفص عمر بن علی معروف بابن ملقن انصاری شافعی رحمہ اللہ تعالی (م ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

ونقل عن أحمد أنه يعمل بالضعيف اذا لم يوجد غيره ولم يكن ثم ما يعارضه۔ وقال مرة: الضعيف عندنا أولى من القياس۔

(المقنع فی علوم الحدیث، ص: ۱۰۴، دارفواز، السعودية)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی سے منقول ہے کہ اگر کوئی حدیثِ صحیح معارض نہ ہوتو ضعیف پر عمل کیا جائے گا، اور حدیثِ ضعیف قیاس سے بہتر ہے۔

☆علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں:

قیل: یعمل بہ مطلقا، وتقدم عزو ذلک الی أبی داؤد و أحمد وأنهما یریان ذلک أقوی من رأی الرجال۔ (تدریب الراوی ۱/۱۶۲)

حدیثِ ضعیف کے بارے میں ایک مذہب یہ ہے کہ اُس پر مطلقاً عمل کیا جائے گا، یہ مذہب امام ابوداؤد اور امام احمد بن حنبل رحمہا اللہ تعالی کی جانب منسوب ہے، یہ دونوں حضرات حدیثِ ضعیف کو قیاس ورائے سے زیادہ قوی سمجھتے ہیں۔

☆ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ازدی سجِستانی رضی اللہ تعالی عنہ (م ۲۷۵ھ) فرماتے ہیں:

وإن من الأحادیث فی کتابی السنن ما لیس بمتصل وهو مرسل ومدلس وهو إذا لم توجد الصحاح عند عامة أهل الحدیث علی معنی أنه متصل۔

(رسالة أبی داؤد الی أهل مکة، ص: ۳۰، دار العربیة، بیروت)

ہماری کتاب ''السنن'' میں کچھ احادیث متصل نہیں ہیں بلکہ مرسل اور مدلّس ہیں، اور عام محدثین کے نزدیک صحیح احادیث نہ ہونے کے وقت وہ متصل کے درجہ میں ہیں۔

☆ ابومحمد علی بن احمد بن حزم ظاہری اندلسی (م ھ) نے لکھا ہے:

وقال أبو حنیفة الخبر المرسل والضعیف عن رسول اللہ ﷺ أولی من القیاس ولا یحل القیاس مع وجوده۔

(الإحکام فی أصول الأحکام ۷/۳۶۸، دار الحدیث، القاهرة)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرسل یا ضعیف طریقہ پر مروی حدیث قیاس سے بہتر ہے، جس کے ہوتے قیاس جائز نہیں ہے۔

☆ شمس الائمہ امام ابوبکر محمد بن احمد بن ابوسہل سَرَخسی رضی اللہ تعالی عنہ (م ۴۸۳ھ) فرماتے ہیں:

لا خلاف بین العلماء فی مراسیل الصحابة رضی اللہ تعالی عنهم أنها حجة؛ لأنهم صحبوا رسول اللہ ﷺ، فما یروونه عن رسول اللہ ﷺ مطلقا یحمل

علی أنهم سمعوہ منه أو من أمثالهم، وهم کانوا أهل الصدق والعدالة، والی هذا أشار البراء بن عازب رضی اللہ تعالی عنه بقوله: ما کل مانحدثکم به سمعناہ من رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم، وانما کان یحدثه بعضنا بعضا، ولکنا لانکذب۔ فأما مراسیل القرن الثانی والثالث فهی حجة فی قول علمائنا رحمهم اللہ تعالی۔

(أصول السرخسی ۱/۳۵۹، ۳۶۰، دارالکتب العلمیة)

اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ مراسیلِ صحابہ حجت ہیں؛ اِس لیے کہ اُنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فیضِ صحبت حاصل ہے، چونکہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اہلِ صدق وعدالت ہیں لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منسوب اُن کی ہر روایت اِس پر محمول ہے کہ اُنہوں نے خود یا دوسرے صحابہ نے اُسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے۔ اِسی کی طرف سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ کے اِس ارشاد میں بھی اشارہ ہے کہ (ہم تم سے جو بھی حدیث بیان کرتے ہیں اُسے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے، اور ہم احادیث کو آپس میں بھی ایک دوسرے سے بیان کرتے تھے، لیکن ہم لوگ جھوٹ نہیں بولتے)، ہاں قرنِ ثانی اور قرنِ ثالث کی مرسل روایات تو ہمارے علماءِ کرام رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک وہ بھی حجت ہیں۔

☆ علامہ ابوالحسن نورالدین محمد بن عبدالہادی سندھی حنفی رحمہ اللہ تعالی (م ۱۱۳۸ھ) لکھتے ہیں:

المرسل حجة عندنا وعند الجمهور۔

(حاشیة السندی علی سنن النسائی ۱/۱۰۴، مکتب المطبوعات الاسلامیة)

حدیثِ مرسل ہم احناف اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔

☆ ابنِ قیم جوزیہ نے لکھا ہے:

وأما مالک فإنه یقدم الحدیث المرسل والمنقطع والبلاغات وقول الصحابی علی القیاس۔ (إعلام الموقعین ۱/۳۲، دارالجیل، بیروت)

امام مالک رحمہ اللہ تعالی حدیثِ مرسل، منقطع، بلاغات اور قولِ صحابی کو قیاس پر مقدم رکھتے ہیں۔

☆امام ابنِ عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں:

زعم الطبری أن التابعین بأسرھم أجمعوا علی قبول المرسل و لم یأت عنھم انکارہ و لا عن أحد الأئمة بعدھم إلی رأس المائتین۔ (التمھید ۱/۴)

امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حدیثِ مرسل کی قبولیت پر تمام تابعین کا اجماع ہے اور دوسری صدی ہجری کے اختتام تک کسی تابعی اور کسی امام نے اِس کا انکار نہیں کیا۔

مذہبِ سوم

چند علماء اِس بات کے قائل ہیں کہ حدیثِ ضعیف پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا، یعنی عقائد و احکام، فضائل و مناقب اور ترغیب و ترہیب وغیرہ ہر باب میں حدیثِ ضعیف نا قابلِ اعتبار ہے اور اُس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

اِس مذہب کے قائلین میں امام یحییٰ بن مَعین، امام محمد بن اسماعیل بخاری، امام مسلم بن حجاج قشیری، امام ابوبکر ابن العربی رحمھم اللہ تعالیٰ نیز ابنِ حزم ظاہری وغیرہم کے اسماء نمایاں ہیں۔

☆ حافظ ابوالفتح محمد بن محمد بن احمد معروف بابنِ سید الناس شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۷۳۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

و ممن حکی عنه التسویة فی ذلک بین الاحکام و غیرھا یحیی بن معین و فی ذلک بحث لیس ھذا موضعه۔

(عیون الأثر فی فنون المغازی و الشمائل و السیر ۱/۲۴، دار الکتب العلمیة)

احکام و غیر احکام میں یکساں طور پر حدیثِ ضعیف کے نا قابلِ اعتبار ہونے کا قول یحییٰ بن مَعین سے بھی منقول ہے، اور یہ محلِ نظر ہے، جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

یحییٰ بن مَعین کے موقف کی یہ حکایت نا قابلِ قبول ہے، جس کی جانب ابنِ سید الناس نے خود **و فی ذلک بحث** کہہ کر اشارہ بھی فرمایا ہے؛ کیونکہ اِس کے خلاف امام سخاوی رحمہ

اللہ تعالی نے حضرت یحییٰ بن معین کی جانب نسبت کرتے ہوئے لکھا ہے:

وهذا التساهل والتشديد منقول عن ابن مهدى عبد الرحمن وغير واحد من الأئمة كأحمد بن حنبل وابن معين وابن المبار والسفيانين بحيث عقد أبو أحمد بن عدى فى مقدمة كامله والخطيب فى كفايته لذلک بابا۔

(فتح المغيث ۲/۱۵۱، ۱۵۲)

احکام وفضائل میں سندِ حدیث کے اندر نرمی وسختی کا یہ قول امام عبدالرحمن بن مہدی اور اُن کے علاوہ دیگر ائمہ مثلاً احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، عبداللہ بن مبارک، سفیان ثوری، اور سفیان بن عیینہ رضی اللہ تعالی عنہم سے منقول ہے، چنانچہ ابواحمد بن عدی نے الکامل فی الضعفاء میں اور خطیب بغدادی نے کفایۃ الروایہ میں اِس سلسلہ میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے۔

☆ امام زین الدین عبدالرحمن بن احمد بغدادی معروف بابنِ رجب حنبلی رحمہ اللہ تعالی (م ۷۹۵ھ) تحریر فرماتے ہیں:

قال ابن معين فى موسى بن عبيدة: يكتب من حديثه الرقاق۔

(شرح علل الترمذی ۱/۱۲۶، دار الكتب العلمية)

ابنِ معین موسی بن عبیدہ کے بارے میں فرماتے ہیں: رقاق اور زہد وورع سے متعلق اِن کی احادیث لکھی جائیں گی۔

حالانکہ موسی بن عبیدہ ضعیف راوی ہیں، جیسا کہ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

موسى بن عبيدة، ابن نشيط، أبو عبدالعزيز المدنى ضعيف، ولا سيما فى عبدالله بن دينار۔ (التقريب، ص: ۹۸۳، رقم الترجمة: ۷۰۳۸، دار العاصمة، الرياض)

ابنِ نشیط ابوعبدالعزیز موسی بن عبیدہ مدنی ضعیف ہیں، خصوصاً عبداللہ بن دینار سے روایت کرنے میں۔

اِس سے معلوم ہوا کہ حدیثِ ضعیف کے سلسلہ میں حضرت یحییٰ بن معین کے دو قول ہیں، ایک جمہور کے موافق اور دوسرا جمہور کے خلاف، ظاہر ہے کہ جو قول جمہور کے موافق

ہے وہی قابلِ قبول اور لائقِ ترجیح قرار پائے گا۔

ہماری دانست میں حدیثِ ضعیف کو مطلقاً غیر معتبر ماننے والوں کی صف میں امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کو جس نے باضابطہ طور سے شمار کیا ہے وہ جمال الدین قاسمی دمشقی ہیں، وہ لکھتے ہیں:

الأول : لایعمل به مطلقا ، لافی الأحکام ، و لافی الفضائل، والظاهر أن مذهب البخاری و مسلم ذلک أیضا ، یدل علیه شرط البخاری فی صحیحه ، وتشنیع الامام مسلم علی رواة الضعیف ، و عدم اخراجهما فی صحیحیهما شیئا منه۔ (قواعد التحدیث، ص: ۱۶۵، مؤسسة الرسالة، بیروت)

حدیثِ ضعیف کے بارے میں پہلا مذہب یہ ہے کہ اُس پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا، احکام میں نہ فضائل میں، اور ظاہر یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کا بھی یہی مذہب ہے، اِس کی دلیل وہ شرط ہے جس کا بخاری نے اپنی صحیح میں التزام کیا ہے، اور امام مسلم نے ضعیف حدیث کے رُوات پر طعن و تشنیع کی ہے نیز اِن حضرات نے اپنی اپنی صحیح میں کوئی ضعیف روایت نہیں لی ہے۔

ہمیں قاسمی صاحب کی اِس بات سے بالکل اتفاق نہیں ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کا مذہب یہ ہے کہ وہ حدیثِ ضعیف کو احکام کی طرح بابِ فضائل میں بھی غیر معتبر مانتے ہیں؛ کیونکہ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جس نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کی تمام تصنیفات میں صرف صحیح بخاری کو دیکھا ہو (جب کہ حقیقت یہ ہے کہ خود صحیح بخاری بھی کلیۃً ضعیف احادیث سے خالی نہیں ہے، اِس میں بھی متعدد احادیث قدریہ، معتزلہ، روافض، خوارج اور گمراہ قسم کے ضعیف و واہی رُوات سے موجود ہیں، گوکہ اِن کی حیثیت قطرۃ فی البحر کی ہے تاہم یہ دعوی یقیناً باطل ہے کہ صحیح بخاری میں کوئی روایت ضعیف نہیں ہے) اور باقی تصنیفات سے ناآشنا و بے خبر ہو، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے ورنہ ہم امام بخاری کی دستیاب دیگر تصنیفات مثلاً "**التاریخ الکبیر، التاریخ الصغیر، کتاب الضعفاء، جزء القراءۃ خلف الامام، جزء رفع الیدین** اور **الأدب المفرد**" کا ایک اجمالی جائزہ پیش کرتے

جس سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوجاتا کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالی نے اپنی صحیح کے علاوہ دوسری کتابوں میں ضعیف ومجروح رجال کی مرویات کو نہ صرف بابِ فضائل میں معتبر مانا ہے بلکہ اُن سے بہت سے احکامِ شرعیہ کا استنباط واستخراج بھی کیا ہے، ذیل میں مؤخرالذکر کتاب "الأدب المفرد" کی چند روایات پیش کی جارہی ہیں جن سے احادیثِ ضعاف کے سلسلہ میں امام بخاری کا موقف بآسانی سمجھا جاسکتا ہے:

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

لَسْتَ مِنْ دَدٍ، وَلَا الدَّدُ مِنِّیْ بِشَیْءٍ۔

(الأدب المفرد، ص: ۱۸۹، رقم الحدیث: ۷۸۵، دارالصدیق، بیروت)

تمہارا کھیل کود سے تعلق نہیں، اور نہ میرا لغو وباطل چیز سے کوئی تعلق ہے۔

اِس حدیث کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن محمد بن قیس ہیں، جن کے بارے میں امام ابن حبان فرماتے ہیں:

کان یقلب الأسانید ویرفع المراسیل من غیر تعمد، لایحتج به۔ (ابن حبان)

یہ انجانے میں سندوں کو پلٹ دیتے اور مرسل روایات کو مرفوع بنا کر پیش کرتے تھے، یہ ناقابلِ احتجاج ہیں۔

اِس روایت کا ضعیف ہونا غیر مقلدین کے امامِ حدیث البانی کو بھی تسلیم ہے۔ دیکھیے:

(السلسلة الضعیفة، رقم الحدیث: ۲۴۵۳)

☆ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

الشاة فی البیت برکة، والشاتان برکتان، والثلاث برکات۔

(الأدب المفرد، رقم الحدیث: ۵۷۳)

گھر میں ایک بکری ایک برکت، دوبکریاں دوبرکتیں اور تین بکریاں بہت سی برکتیں ہیں۔

اِس حدیث کے ایک راوی ابوعمر دینار بن عمر بزّار کے بارے میں ازدی نے کہا ہے کہ متروک ہے اور خلیلی نے کہا کذاب ہے۔

(فضل اللّٰہ الصمد ۲/۳۳، مکتب المطبوعات الاسلامیة، بیروت)

لہٰذا یہ بھی ضعیف ہے، بلکہ البانی نے تو اِسے **ضعیفٌ جدًّا** لکھا ہے:

(الضعیفة، رقم الحدیث: ۳۷۵۱)

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

نزل ضیف فی بنی إسرائیل وفی الدار کلبة لهم، فقالوا: یا کلبة! لا تنبحی علی ضیفنا، فصحن الجراء فی بطنها، فذکروا لنبیٍّ لهم، فقال: إن مثل هذا کمثل أمة تکون بعدکم یغلب سفهاؤها علماءها۔

(الأدب المفرد، رقم الحدیث: ۴۷۴)

بنی اسرائیل کے یہاں کوئی مہمان آیا، گھر میں ایک کتیا تھی، اُنہوں نے اُس سے کہا: اے کتیا! ہمارے مہمان پر مت بھونکنا، تو پلے اُس کے پیٹ میں چیخنے لگے، اُنہوں نے اِس بات کا ذکر اپنے نبی سے کیا، اُنہوں نے کہا اِس کی حالت تمہارے بعد آنے والی امت کی طرح ہے جس کے بے وقوف لوگ اپنے علماء پر غالب آجائیں گے۔

امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک یہ روایت موقوف ہے لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی نے اِس روایت کی مرفوعاً تخریج کی ہے، ملاحظہ ہو۔

(مسند أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۶۵۸۸)

اِس حدیث کی سند میں عطاء بن سائب ہیں جو آخیر عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور چیزوں کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتے تھے، لہٰذا حضرت یحییٰ بن معین فرماتے ہیں:

لا یحتج بحدیثه۔

(التعلیق علی المسند لشعیب أرنؤط تحت الحدیث المذکور برقم: ۶۵۸۸)

اگرچہ ابوعوانہ وضّاح یشکری نے عطاء بن سائب سے اختلاط سے پہلے اور بعد دونوں زمانوں میں احادیث کی روایت کی ہے، لیکن یہ روایت زمانۂ اختلاط کی ہے، اِس پر قرینہ متن کا اضطراب ہے۔ اِس روایت کا ضعف محدثِ جانی ناصر الدین البانی نے بھی مانا ہے۔ ملاحظہ کیجیے: (السلسلة، رقم الحدیث: ۳۸۱۲)

یہ تین روایات ہم نے صرف بطورِ تمثیل بیان کردیں، ورنہ غیر مقلدین کے طوفانی محدث البانی نے تو امام بخاری رحمہ اللہ تعالی کی اِس کتاب کو اپنی تحریفات وتعدیات کا نشانہ بناتے ہوئے دو حصوں میں بانٹ دیا ہے ایک کا نام ”صحیح الأدب المفرد“ اور دوسرے کا نام ”ضعیف الأدب المفرد“ رکھا ہے، اِس دوسرے حصے میں امام بخاری کی بیان کردہ احادیث میں سے دوسوسترہ احادیث پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے اُنہیں ضعیف لکھا ہے، جن میں سے کچھ تو واقعی ضعیف ہیں اور کچھ میں البانی نے اپنی فطرت کے مطابق تعصب وعناد اور افراط وتعدی کا خوب مظاہرہ کیا ہے، بہرحال ہمیں عرض یہ کرنا ہے کہ جولوگ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی ضعیف احادیث کو مطلقاً غیر معتبر اور نا قابلِ عمل مانتے ہیں وہ زیادہ نہ سہی صرف اِسی ”الأدب المفرد“ کو سامنے رکھ لیں اُن پر خود واضح ہوجائے گا کہ اُن کا نظریہ غلط اور بے خبری کا نتیجہ ہے۔ حق یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالی حدیثِ ضعیف کے سلسلہ میں وہی موقف رکھتے ہیں جو جمہور فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ تعالی کا اعتدال وانصاف پر مبنی موقفِ متوسط ومذہبِ معتدل ہے۔

امام مسلم، امام ابوبکر بن العربی اور دو چند اہلِ علم کے سوا کسی کا یہ موقف نہیں ہے کہ ضعیف احادیث مطلقاً نا قابلِ اعتبار ہیں، بہرحال جلیل القدر ائمۂ حدیث اور جمہور اہلِ علم کے مقابل بعض اہلِ علم کا یہ موقف کہ حدیثِ ضعیف مطلقاً کسی باب میں معتبر نہیں ہے نا قابلِ قبول اور نا قابلِ تسلیم ہے، اِس سلسلہ میں جس کو تفصیل سے مطالعہ کرنا ہو وہ فنِ حدیث کی مبسوط کتابوں کی جانب رجوع کرے حقیقت خود واضح ہوجائے گی۔

ہم محل کی مناسبت سے اختصار کے ساتھ اُن اہم وجوہ کا ذکر کررہے ہیں جن سے حدیثِ ضعیف قوت پاکر حسن ومقبول ہوجاتی ہے۔

احادیثِ ضعاف کی تقویت کے اسباب ووجوہ

جلیل القدر ائمۂ کرام ومحدثینِ عظام رضی اللہ تعالی عنہم نے اُن اسباب ووجوہ اور ذرائع وطرق کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جن سے احادیثِ ضعاف کو تقویت حاصل

ہوجاتی ہے اور وہ قابلِ احتجاج و لائقِ استدلال بن جاتی ہیں، ہم یہاں مستند و معتمد محدثینِ کرام رحمہم اللہ تعالی کے ارشادات سے استفادہ کرتے ہوئے ذیل میں ایسے چند نمایاں اور اہم اسباب و وجوہ کا ذکر کر رہے ہیں جن سے حدیثِ ضعیف کو قوت حاصل ہوجاتی ہے۔

(۱) امتِ مسلمہ کی جانب سے تلقّی بالقبول

جس حدیث کو امت نے اپنے قول وعمل سے قبول کرلیا ہو اور اُس کے مدلول و مقتضیٰ کو اپنا معمول بنالیا ہو وہ حدیث یقیناً حجت اور قابلِ استدلال ہے، بلکہ بسا اوقات اُس کا درجہ و رتبہ حدیثِ متواتر کی منزل میں ہوتا ہے اور اُس سے دوسرے حکمِ قطعی کو منسوخ بھی کیا جاسکتا ہے، خواہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔

☆ امام سخاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وکذا إذا تلقت الأمة الضعیفَ بالقبول یعمل به علی الصحیح حتی انه ینزل منزله المتواتر فی أنه ینسخ المقطوع به، ولهذا قال الشافعی رحمه الله تعالی فی حدیث (لَا وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ) إنه لا یُثبته أهلُ الحدیث ولکن العامة تلقته بالقبول، وعملوا به حتی جعلوه ناسخا لآیة الوصیّة له۔ (فتح المغیث ۲/۱۵۳، ۱۵۴)

جب امت ضعیف حدیث کو قبول کرلے تو مذہبِ صحیح کے مطابق اُس پر عمل کیا جائے گا، یہاں تک کہ حکمِ قطعی کو منسوخ کرنے کے سلسلہ میں اُس کی حیثیت حدیثِ متواتر کی ہوگی، اِسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: یہ حدیث (وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں) محدثین کے کے نزدیک ثابت نہیں ہے تاہم اِسے قبولِ امت حاصل ہے اور اِس پر عمل بھی ہے یہاں تک کہ سب نے اِس حدیث کو آیتِ وصیت کے لیے ناسخ قرار دیا ہے۔

☆ امام شافعی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

روی بعض الشامیین حدیثا لیس مما یثبته أهل الحدیث، فیه أن بعض رجاله مجهولون، فرویناه عن النبی ﷺ منقطعا، وإنما قبِلناه بما وصفتُ من نقل أهل المغازی وإجماع العامة علیه۔ (الرسالة، ص: ۱۳۹، ۱۴۰)

بعض اہلِ شام نے ایک ایسی حدیث روایت کی ہے جو ائمۂ حدیث کے یہاں ثابت نہیں ہے؛ کیونکہ اُس کے بعض رجال مجہول ہیں، اور ہم نے اُس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقطعاً بھی روایت کیا ہے (یعنی اہلِ شام کے طریق سے اگرچہ وہ حدیث متصل ہے لیکن اُس کے کچھ رجال مجہول ہیں، اور دوسرے طریق سے جو کہ اہلِ حجاز کا ہے، رجال اگرچہ معروف ہیں تاہم اُس میں انقطاع ہے)، ہم نے اُس حدیث کو جہالت و انقطاع کے باوجود اہلِ مغازی اور جمہور اہلِ علم کے اجماع کی وجہ سے قبول کر لیا ہے۔

☆ حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر رحمہ اللہ تعالی (م ۷۷۴ھ) بیان کرتے ہیں:

وقفت بعد هذا على كلام لشيخنا العلامة ابن تيمية، مضمونه: أنه نقل القطع بالحديث الذى تلقته الأمة بالقبول عن جماعات من الأئمة: منهم القاضى عبد الوهاب المالكى، والشيخ أبو حامد الاسفرائينى، والقاضى أبو الطيب الطبرى، والشيخ أبو إسحق الشيرازى من الشافعية، وابن حامد، وأبو يعلى بن الفراء، وأبو الخطاب، وابن الزاغونى، وأمثالهم من الحنابلة، وشمس الأئمة السرخسى من الحنفية۔ قال: وهو قول أكثر أهل الكلام من الأشعرية وغيرهم: كأبى إسحاق الاسفرائينى، وابن فورك۔ قال: وهو مذهب أهل الحديث قاطبة ومذهب السلف عامة۔ (الباعث الحثيث، ص: ۳۴، دار الكتب العلمية)

میں نے اپنے استاذ ابنِ تیمیہ کی ایک عبارت دیکھی جس کا مضمون یہ ہے کہ: وہ حدیث جس کو امت نے قبول کر لیا ہو اُس کے قطعی ہونے کا قول ائمہ کی بہت سی جماعتوں سے منقول ہے، مثلاً قاضی عبد الوہاب مالکی، شیخ ابو حامد اسفرائنی، قاضی ابو طیب طبری، شیخ ابو اسحاق شیرازی شافعی، ابنِ حامد، ابو یعلی بن فراء، ابو خطاب، ابن زاغونی اور اِن جیسے دیگر حنابلہ اور احناف سے شمس الائمہ سرخسی۔ ابنِ تیمیہ کے بقول اشاعرہ وغیرہ اکثر متکلمین جیسے ابو اسحاق اسفرائنی اور ابنِ فورک اور تمام ائمۂ حدیث و جمہور اسلاف کا بھی یہی مذہب ہے۔

☆ علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی رحمہ اللہ تعالی (م ۴۶۴ھ) فرماتے ہیں:

الحديث إذا تلقته الأمة بالقبول ، والعمل به لم يحتج إلى إسناد صحيح ؛ لأن عمل الأمة به يقتضى العلم بصحته بتقرير الشرع ، وتصحيح إسناده لا يقتضى ذلك ، فكان العمل به على هذا الوجه أقوى۔

(المنتقى شرح المؤطأ ۱/۲۵۶ ، دار الكتب العلمية)

حدیث کو جب امت کی جانب سے تلقی بالقبول حاصل ہو اور وہ معمول بہ بن جائے تو صحیح سند کی حاجت باقی نہیں رہتی ؛ کیونکہ اُس پر امت کا عمل کرنا تقریرِ شرع کی روشنی میں اُس کی صحت کی دلیل ہے، جب کہ تصحیحِ اسناد کے لیے یہ لازم نہیں، لہٰذا اِس جہت سے حدیث پر عمل کرنا زیادہ قوی ہے۔

☆ حجۃ الاسلام امام ابوبکر احمد بن علی جصّاص رازی حنفی رحمہ اللہ تعالی (م ۳۷۰ ھ) فرماتے ہیں:

قد استعملت الأمة هذين الحديثين (يعنى حديثى عبدالله بن عمر و أم المؤمنين عائشة رضى الله تعالى عنهم) فى نقصان العدة وإن كان وروده (يعنى لفظ : طلاق الأمة تطليقتان ، و عدتها حيضتان) من طريق الآحاد فصار فى حيز التواتر ؛ لأن ما تلقاه الناس بالقبول من أخبار الآحاد فهو عندنا فى معنى المتواتر لما بيناه فى مواضع۔ (أحكام القرآن ۲/۸۳ ، دار احياء التراث العربى ، بيروت)

باندی کی عدت حرّہ کے مقابلہ میں کم ہونے کے بارے میں امت کا اِن دونوں حدیثوں (یعنی حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہم کی احادیث) پر عمل ہے، اگر چہ یہ احادیث (یعنی یہ الفاظ کہ باندی کی طلاق دو ہیں اور اُس کی عدت دو حیض ہے) بطریقِ آحاد مروی ہیں تاہم بمنزلۂ تواتر ہیں ؛ اِس لیے کہ جن اخبارِ آحاد کو امت نے قبول کرلیا ہو وہ ہمارے نزدیک تواترِ معنوی کے درجہ میں ہوتی ہیں، جیسا کہ ہم یہ بات کئی جگہ بیان کر چکے ہیں۔

☆ امام ابوالحسن علی بن محمد بغدادی معروف بماوردی شافعی رحمہ اللہ تعالی (م ۴۵۰ ھ) فرماتے ہیں:

قد جاءت السنة بما رواه مالک عن أبی الزناد، عن الأعرج، عن أبی هریرة أن النبی ﷺ قال: لا یجمع بین المرأة وعمتها، ولا بین المرأة وخالتها۔ وروی داؤد بن أبی هند، عن الشعبی، عن أبی هریرة أن النبی ﷺ قال: لا تنکح المرأة علی عمتها، ولا العمة علی بنت أخیها، ولا تنکح المرأة علی خالتها، ولا الخالة علی بنت أختها، ولا تنکح الصغری علی الکبری، ولا الکبری علی الصغری۔ وهذان الحدیثان نص، والثانی أکمل، وهما وإن کانا خبری واحد فقد تلقته الأمة بالقبول، وعمل به الجمهور، فصار بأخبار التواتر أشبه۔

(الحاوی الکبیر ۹/۲۰۴، دار الکتب العلمیة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (نکاح میں) عورت اور اُس کو پھوپھی کو جمع کیا جائے نہ عورت اور اُس کی خالہ کو۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: عورت سے نکاح نہ کیا جائے اُس کی پھوپھی کے ساتھ، نہ پھوپھی سے اُس کی بھتیجی کے ساتھ، نہ اُس کی خالہ کے ساتھ، نہ خالہ سے اُس کی بھانجی کے ساتھ، نہ چھوٹی بہن سے بڑی بہن کے ساتھ اور نہ بڑی سے چھوٹی کے ساتھ۔ یہ دونوں احادیث اگرچہ خبرِ واحد کے قبیل سے ہیں لیکن امت نے اِن کو قبول کرلیا ہے اور اِن پر جمہور کا عمل ہے، لہٰذا متواتر کے درجہ میں ہیں۔

☆ ابنِ قیم جوزیہ نے چند احادیث روایت کرنے کے بعد خطیب بغدادی کے حوالہ سے لکھا ہے:

وان کانت هذه الأحادیث لا تثبت من جهة الاسناد، ولکن لما تلقتها الکافة عن الکافة غنوا بصحتها عندهم عن طلب الاسناد لها، فکذلک حدیث معاذ (وهو عن بعثه النبی ﷺ الی الیمن) لما احتجوا به جمیعا غنوا عن طلب الاسناد له۔ (اعلام الموقعین ۱/۲۰۳، دار الجیل، بیروت)

اگرچہ یہ احادیث سنداً ثابت نہیں ہیں لیکن جب سب نے اِنہیں قبول کرلیا تو اِن کی

صحت کے لیے طلبِ سند کی حاجت نہ رہی ، اِسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث (یمن بھیجنے سے متعلق جو اجتہاد و قیاس کے باب میں اصل ہے) چونکہ اِس کو بھی سب نے قابلِ استدلال واحتجاج مانا ہے لہذا اِس کی سند طلب کرنے کی ضرورت نہیں ۔

(۲) تعددِ طرق و کثرتِ اسانید

اگر کسی حدیث میں ضعفِ خفیف ہے تو کثرتِ طرق اور تعددِ اسانید سے یہ ضعف زائل ہوجائے گا اور حدیث حسن لغیرہ یا صحیح لغیرہ ہوکر بابِ فضائل کی طرح احکام میں بھی قابلِ اعتبار و لائقِ استدلال تسلیم کی جائے گی ، اور اگر ضعفِ شدید ہے ، مثلاً اُس کا راوی کذّاب ، یا متّہم بالکذب ہے تو یہ ضعف تعددِ طرق اور کثرتِ اسانید سے ختم نہیں ہوگا ، البتہ ضعفِ شدید پر مشتمل یہ حدیث کثرتِ طرق کی وجہ سے اُن منکر و مردود روایات سے بہر حال بلند رتبہ ہے جن پر عمل کرنا کسی حال میں درست نہیں ہے ، لہذا فضائلِ اعمال میں یہ حدیث معتبر مانی جائے گی ۔

☆ امام نووی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

اذا روی الحدیث من وجوہ ضعیفة لایلزم أن یحصل من مجموعها حسن ، بل ما کان ضعفه لضعف حفظ راویه الصدوقِ الأمینِ زال بمجیئه من وجه آخر وصار حسنا ، وکذا اذا کان ضعفها لارسالٍ زال بمجیئه من وجه آخر ، وأما الضعف لفسق الراوی فلایؤثر فیه موافقة غیرہ ۔ (التقریب مع تدریب الراوی ۱/۱۹۱)

جب حدیث چند ضعیف طرق سے مروی ہو تو ضروری نہیں کہ اُن کے مجموعے سے کوئی حسن پیدا ہوجائے ، ہاں اگر ضعف اُس کے صدوق و امین راوی کے حفظ کی کمزوری ، یا ارسال کی وجہ سے ہے تو دوسرے طریق سے مروی ہونے کی وجہ سے وہ حدیث حسن ہوجائے گی ، لیکن اگر ضعف راوی کے فسق کی وجہ سے ہے تو دوسرے کی موافقت کا اِس حدیث پر کوئی اثر نہیں ہوگا ۔

امام نووی کے مذکورہ قول کے تحت علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

وأما الضعف لفسق الراوی أو کذبه فلایؤثر فیه موافقة غیره له اذا کان الآخر مثله، لقوة الضعف وتقاعد هذا الجابر؛ نعم یرتقی بمجموع طرقه عن کونه منکرا أو لا أصل له، صرح به شیخ الاسلام، قال: بل ربما کثرت الطرق حتی أوصلته الی درجة المستور السیئ الحفظ، بحیث اذا وجد له طریق آخر فیه ضعف قریب محتمل ارتقی بمجموع ذلک الی درجة الحسن۔

(تدریب الراوی ۱/۱۹۱)

اگر ضعف راوی کے فسق یا جھوٹ کی وجہ سے ہو تو دوسرے راوی کی اسی طرح کی روایت کا موافق ہونا کوئی اثر انداز و فائدہ مند نہیں ہوگا، اس لیے کہ ضعف شدید ہے اور جابر کمزور؛ ہاں تمام طرق کے مجموعے سے یہ حدیث منکر و بے اصل نہیں رہے گی، شیخ الاسلام حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اس کی صراحت فرمائی ہے، آپ فرماتے ہیں: بلکہ بسا اوقات کثرتِ طرق کی وجہ سے شدید ضعیف راوی، سوءِ حافظہ کے شکار مستور راوی کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی ایسا طریق موجود ہو جس میں ضعفِ قریب اور محتمل ہو تو سب کا مجموعہ حسن کے درجہ میں قرار پائے گا۔

☆ امام ابنِ صلاح شہرزوری شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لیس کل ضعف فی الحدیث یزول بمجیئه من وجوه، بل ذلک یتفاوت: فمنه ضعف یزیله ذلک، بأن یکون ضعفه ناشئا من ضعف حفظ راویه، مع کونه من أهل الصدق والدیانة۔ فإذا رأینا ما رواه قد جاء من وجه آخر، عرفنا أنه مما قد حفظه، ولم یختل فیه ضبطه له۔ وکذلک إذا کان ضعفه من حیث الإرسال زال بنحو ذلک، کما فی المرسل الذی یرسله إمام حافظ، إذ فیه ضعف قلیل، یزول بروایته من وجه آخر۔ ومن ذلک ضعف لا یزول بنحو ذلک، لقوة الضعف وتقاعد هذا الجابر عن جبره ومقاومته۔ وذلک کالضعف الذی ینشأ من کون الراوی متهما بالکذب، أو کون الحدیث شاذا۔

(مقدمة ابن الصلاح، ص:۱۷۸، دار المعارف، القاهرة)

تعددِطرق سے حدیث کا ضعف ہمیشہ ختم نہیں ہوتا ہے، بلکہ اُس میں تفصیل ہے: ایک ضعف تو وہ ہے جو کثرتِ اسانید سے ختم ہوجاتا ہے، مثلاً کسی حدیث کا راوی صادق وعادل ہو لیکن اُس کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہو، اب یہ حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہو تو ہم جان لیں گے کہ یہ حدیث محفوظ ہے اور اُس کے ضبط میں خلل نہیں ہے، اِسی طرح کسی حدیث میں ضعف امامِ حافظ کے ارسال کی وجہ سے ہو، تو چونکہ یہ معمولی ضعف ہے، لہٰذا دوسرے طریق سے یہ ضعف دور ہوجائے گا۔ اور دوسرا ضعف وہ ہے جو شدید ہونے کی وجہ سے کثرتِ طرق سے زائل نہیں ہوتا ہے، مثلاً راوی پر جھوٹ کی تہمت، یا حدیث کے شاذ ہونے کی وجہ سے جو ضعف ہو وہ دوسری سند سے مروی ہونے کے باوجود ختم نہیں ہوگا۔

☆ امام کمال الدین ابنِ ہمام حنفی رحمہ اللہ تعالی (م ۸٦۱ھ) فرماتے ہیں:

حدیث الضعیف للفسق لا یرتقی بتعدد الطرق الی الحجیّۃ، و لغیرہ یرتقی

(التحریر مع شرحہ التقریر و التحبیر ۲/۳۲۱، دار الکتب العلمیۃ)

اگر راوی فسق کی وجہ سے ضعیف ہے تو اُس کی حدیث تعددِطرق کی وجہ سے قابلِ حجت نہیں ہوسکتی، ہاں اگر فسق کے علاوہ کسی اور وجہ سے ضعف ہو (مثلاً راوی صدق ودیانت کے باوجود سوءِ حافظہ کا شکار ہو) تو کثرتِ طرق کی وجہ سے اُس کی حدیث لائقِ استدلال ہوجاتی ہے۔

☆ علامہ زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن بن حسین عراقی شافعی رحمہ اللہ تعالی (م ۸۰٦ھ) فرماتے ہیں:

فان یُقَلْ یُحتجّ بالضعیف فقل اذا کان من الموصوف
رواتہ بسوء حفظ یُجبر بکونہ من غیروجہ یذکر
وان یکن لکذب أو شذّا أو قوی الضعف فلم یُجبر ذا

(ألفیۃ الحدیث، ص:۷، رقم الأبیات: ۵۸، ۵۹، ٦۰)

اگر کہا جائے کہ ضعیف کو حجت کیوں مانا جاتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر راویِ حدیث میں

سوءِ حفظ ہے تو دوسرے طریق سے مروی ہونے کی وجہ سے اُس کی تلافی ہوجاتی ہے، اور اگر کذب یا حدیث میں شذوذ یا اور کوئی شدید ضعف ہے تو اُس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔

☆ علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

یصلح للعمل به، لکن فی ما تکثر طرقه، وقد قال النووی رحمه اللہ تعالی فی بعض الأحادیث: وهذه وان کانت أسانید مفرداتها ضعیفة، فمجموعها یقوی بعضه بعضا، ویصیر الحدیث حسنا ویحتج به۔ (فتح المغیث ۱/۱۲۶)

حدیثِ ضعیف جو کثرتِ طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ ہو وہ قابلِ عمل ہوتی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالی نے بعض احادیث کے بارے میں فرمایا ہے: اگرچہ الگ الگ اِن میں سے ہر ایک کی سند ضعیف ہے، مگر مجموعی طور پر اِن میں سے ایک دوسرے کے لیے مقوی ہے اور حدیث حسن ہو کر قابلِ استدلال ہے۔

یہی علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالی مذکورہ کتاب میں تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں:

وان یکن ضعف الحدیث لکذب فی راویه أو شذوذ فی روایته أو بغیرهما مما یقتضی الرد کفحش الخطأ فلم یجبر الضعف بواحد من هذه الأسباب ولو کثرت طرقه، کحدیث: من حفظ علی أمتی أربعین حدیثا (فی أمر دینها بعثه اللہ فقیها وکنت له شافعا و شهیدا) (تکمیل المتن من کاتب هذه السطور القادری) فقد نقل النووی اتفاق الحفاظ علی ضعفه مع کثرة طرقه، ولکن بکثرة طرقه القاصرة عن درجة الاعتبار، بحیث لایجبر بعضها ببعض یرتقی عن مرتبة المردود المنکر الذی لایجوز العمل به بحال الی رتبة الضعیف الذی یجوز العمل به فی الفضائل۔ وربما تکون تلک الطرق الواهیة بمنزلة الطریق التی فیها ضعف یسیر، بحیث لو فرض مجیئ ذلک الحدیث باسناد فیه ضعف یسیر کان مرتقیا بها الی مرتبة الحسن لغیره۔ (فتح المغیث ۱/۱۲۹)

اگر حدیث راوی کے کذب، یا متن کے شاذ یا کسی اور قابلِ رد وجہ سے ضعیف ہو تو اُس کا یہ ضعف کسی طریقہ سے زائل نہیں ہوگا خواہ یہ حدیث کتنے ہی طرق سے مروی ہو، جیسے یہ

حدیث :(من حفظ علی أمتی أربعین حدیثا) ، اِس کے بارے میں امام نووی فرماتے ہیں کہ تمام حفاظِ حدیث کا اتفاق ہے کہ کثرتِ طرق کے باوجود یہ حدیث ضعیف ہے، تاہم یہ کثیر طرق جو نا قابلِ اعتبار اور ضعفِ شدید کی تلافی سے قاصر ہیں اِن کا یہ فائدہ ضرور ہے کہ یہ حدیث ایسی مردود و منکر نہ رہی جس پر کسی حال میں عمل جائز نہیں ، بلکہ اُس حدیثِ ضعیف کی ہم رتبہ ہوگئی جس پر فضائل میں عمل جائز ہے۔ اور کبھی وہ کمزور طرق ایسے طریق کے درجہ میں ہوتے ہیں جس میں معمولی ضعف ہو، مثلاً فرض کرلیجیے کہ وہ حدیث کسی ایسی سند سے بھی مروی ہو جس میں معمولی ضعف ہے تو اِس صورت میں وہ شدید ضعف پر مشتمل حدیث حسن لغیرہ ہوجائے گی۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

المتروک والمنکر اذا تعددت طرقه ارتقی الی درجة الضعیف القریب ، بل ربما یرتقی الی الحسن۔

(النکت البدیعات علی الموضوعات، ص: ۳۴۱، دار مکة المکرمة)

متروک ومنکر احادیث تعددِ طرق سے ضعیفِ خفیف بلکہ کبھی حسن کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں۔

اعلی حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کر لیتے ہیں، بلکہ اگر ضعف غایتِ شدت وقوت پر نہ ہو تو جبرِ نقصان ہوکر حدیث درجۂ حسن تک پہنچتی اور مثلِ صحیح خود احکامِ حلال وحرام میں حجت ہوجاتی ہے۔ (فتاوی رضویہ ۵ / ۲۷۲، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(۳) حدیثِ ضعیف پر اہلِ علم کا عمل کرنا

اہلِ علم کا کسی حدیث پر عمل کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث قابلِ قبول اور لائقِ اعتبار وعمل ہے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ تعالی (م ۴۵۸ھ) نے جامعِ ترمذی اور سننِ ابی داوٗد کے حوالہ سے صلوۃ التسبیح سے متعلق ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

هذا حديث غريب من حديث أبي رافع۔

(جامع الترمذی ۲/۳۵۰، تحت رقم الحدیث: ۴۸۲)

حضرت ابورافع رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ حدیث غریب ہے۔

حدیث یہ ہے: حضرت ابورافع رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى ﷺ لِلْعَبَّاسِ : يَا عَمِّ أَلَا أَصِلُكَ ، أَلَا أَحْبُوكَ ، أَلَا أَنْفَعُكَ ؟ قَالَ: بَلٰى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ : صَلِّ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ، وَاقْرَأْ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَسُورَةٍ ، فَإِذَا انْقَضَتِ الْقِرَاءَةُ فَقُلْ :اللهُ أَكْبَرُ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ، وَسُبْحَانَ اللهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً قَبْلَ أَنْ تَرْكَعَ، ثُمَّ ارْكَعْ فَقُلْهَا عَشْرًا قَبْلَ أَنْ تَرْفَعَ رَأْسَكَ، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا قَبْلَ أَنْ تَسْجُدَ، ثُمَّ اسْجُدْ فَقُلْهَا عَشْرًا قَبْلَ أَنْ تَرْفَعَ رَأْسَكَ، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا قَبْلَ أَنْ تَسْجُدَ ثَانِيَةً، ثُمَّ اسْجُدْ فَقُلْهَا عَشْرًا قَبْلَ أَنْ تَرْفَعَ رَأْسَكَ، ثُمَّ ارْفَعْ رَأْسَكَ فَقُلْهَا عَشْرًا قَبْلَ أَنْ تَقُومَ فَتِلْكَ خَمْسَةٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، وَهِيَ ثَلَاثُمِائَةٍ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ، فَلَوْ كَانَتْ ذُنُوبُكَ مِثْلَ رَمْلِ عَالِجٍ لَغَفَرَهَا اللهُ لَكَ۔ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَنْ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَقُولَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ قَالَ: فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقُلْهَا فِي كُلِّ جُمُعَةٍ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقُلْهَا فِي كُلِّ شَهْرٍ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقُلْهَا فِي كُلِّ سَنَةٍ۔

قَالَ الْبَيْهَقِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: هٰذَا الْحَدِيثُ أَخْرَجَهُ أَبُو عِيسَى التِّرْمِذِيُّ فِي كِتَابِ الْجَامِعِ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ بِالْإِسْنَادِ الَّذِي ذَكَرْنَاهُ فِي كِتَابِ الدَّعَوَاتِ ، وَفِي كِتَابِ السُّنَنِ ، وَكَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ يَفْعَلُهَا، وَتَدَاوَلَهَا الصَّالِحُونَ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ، وَفِيهِ تَقْوِيَةٌ لِلْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ وَبِاللهِ التَّوْفِيقُ۔

(شعب الایمان ۲/۱۲۳، رقم الحدیث: ۲۰۲، مکتبۃ الرشد، الریاض)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے ارشاد فرمایا: اے چچا کیا آپ کے ساتھ صلہ رحمی نہ کروں، کیا آپ کو تحفہ نہ عطا کروں، کیا آپ کو فائدہ نہ پہنچاؤں؟ حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ عرض کیا: کیوں نہیں یارسول اللہ، آپ نے ارشاد فرمایا: چار رکعت نماز اِس طرح پڑھیے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھیے، قراءت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے (اللّٰهُ أَكْبَرُ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ) پندرہ مرتبہ پڑھیے، پھر یہی رکوع میں دس بار پڑھیے، پھر رکوع سے اٹھ کر دس بار پڑھیے، پھر سجدہ میں دس بار پڑھیے، پھر سجدہ سے اٹھ کر دس بار پڑھیے، پھر دوسرے سجدے میں دس بار پڑھیے، پھر سجدہ سے اٹھ کر قیام سے پہلے دس بار پڑھیے، اِس طرح یہ تسبیح ایک رکعت میں پچھتر مرتبہ اور چار رکعت میں تین سو مرتبہ ہوئی، اگر تمہارے گناہ جمی ہوئی ریت کے ڈھیر کے برابر بھی ہوں گے تو اللہ تعالی اُنہیں بخش دے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہر دن ایسا کون کرسکتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر دن نہ ہو سکے تو ہر جمعہ کو کرلو، ہر جمعہ نہ کرسکو تو ہر ماہ کرلو، اور ہر ماہ نہ کرسکو تو ہر سال کرلو۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: یہ حدیث امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں تخریج کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک اِس پر عمل فرماتے تھے اور صالحین ایک دوسرے سے سیکھ کر اِس پر عمل فرماتے رہے ہیں، اور علماء وصالحین کے اِس عمل میں اِس حدیثِ مرفوع کی تقویت ہے۔

اور اِس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالی (م) فرماتے ہیں:

و مما يستدل به على صحة هذا الحديث استعمال الأئمة من أتباع التابعين إلى عصرنا هذا إياه ، و مواظبتهم عليه ، و تعليمهم الناس ، منهم عبد الله بن المبارك رحمه الله تعالى۔

(المستدرك على الصحيحين ۱/۴۶۴، تحت رقم الحديث: ۱۱۹۶)

اِس حدیث کی صحت پر یہ بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ اتباعِ تابعین سے لے کر

ہمارے زمانہ تک ائمہ اِس پر پابندی کے ساتھ عمل پیرا رہے اور لوگوں کو اِس کی تعلیم دیتے رہے، اُن ائمہ میں حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالی عنہ بھی ہیں۔

امام حاکم اور امام بیہقی رحمہا اللہ تعالی کے مذکورہ ارشادات سے معلوم ہوا کہ اہلِ علم کے عمل سے حدیثِ ضعیف قوی ہوجاتی ہے۔

حضرت علی بن ابوطالب اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں:

قال النبیّ ﷺ إذَا أَتَی أَحَدُکُمُ الصَّلَاۃَ وَالْإِمَامُ عَلَی حَالٍ فَلْیَصْنَعْ کَمَا یَصْنَعُ الْإِمَام۔

قال أبو عیسی: ھذا حدیث غریب لانعلم أحدا أسندہ الا ماروی عن ھذا الوجہ۔ والعمل علی ھذا عند أھل العلم۔

(السنن للترمذی ۲/۴۸۵، رقم الحدیث: ۵۹۱)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے تو امام جس حال میں ہو تو اُسی طرح کرے جس طرح امام کر رہا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، ہمیں نہیں معلوم کہ یہ حدیث اِس طریق کے علاوہ کسی اور طریق سے مسنداً مروی ہے۔ اور اہلِ علم کا اِس حدیث پر عمل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من جمع الصلاتین من غیر عذر فقد أتی بابا من أبواب الکبائر۔

قال أبو عیسی: وحنش ھذا ھو أبو علی الرحبی وھو حسین بن قیس وھو ضعیف عند أھل الحدیث، ضعفہ أحمد وغیرہ، والعمل علی ھذا عند أھل العلم۔ (الجامع للترمذی ۱/۳۵۶، رقم الحدیث: ۱۸۸)

جس نے بغیر عذر کے دو نمازوں کو ملا کر پڑھا وہ گناہِ کبیرہ کے دروازے میں داخل ہوگیا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: (اِس حدیث کی سند میں) حنش نام کے جو راوی ہیں وہ ابوعلی رحبی ہیں، جن کا اصل نام حسین بن قیس ہے اور یہ ائمۂ حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں، اِنہیں امام احمد وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، تاہم اِس حدیث پر اہلِ علم کا عمل ہے۔

امام ترمذی کے قول (والعمل علی هذا عند أهل العلم) پر امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

فأشار بذلک الی أن الحدیث اعتضد بقول أهل العلم، وقد صرح غیر واحد بأن من دلیل صحة الحدیث قول أهل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله۔ (النکت البدیعات علی الموضوعات، ص: ۹۰)

یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدیث اہلِ علم کے قول وعمل سے قوی ہوجاتی ہے، اور اِس بات کی بہت سے (محدثین نے) صراحت فرمائی ہے کہ اہلِ علم کا قول وعمل حدیث کی صحت کی دلیل ہے اگرچہ اُس حدیث کی کوئی قابلِ اعتماد سند موجود نہ ہو۔

امام محقق کمال الدین ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ومما یصحح الحدیث أیضا عمل العلماء علی وفقه۔ وقال الترمذی عقیب روایته: حدیث غریب، والعمل علیه عند أهل العلم من أصحاب رسول اللہ ﷺ وغیرهم۔ وفی الدارقطنی: قال القاسم وسالم: عمل به المسلمون۔ وقال مالک: شهرة الحدیث بالمدینة تغنی عن صحة سنده۔

(فتح القدیر ۳/۴۹۳، دار الفکر، بیروت)

حدیث علماء کے عمل سے بھی درجۂ صحت کو پہنچ جاتی ہے۔ امام ترمذی نے حدیث کی روایت کے بعد فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، اور اِس پر رسولِ اکرم ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے اہلِ علم کا عمل ہے۔ دارقطنی میں ہے: امام قاسم وامام سالم فرماتے ہیں: اِس حدیث پر مسلمانوں کا عمل ہے۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مدینۂ منورہ میں کسی حدیث کا مشہور ہونا اُس کی سند کی صحت سے بے نیاز کردیتا ہے۔

امام ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث (هو

الطھور ماءہ الحل میتتہ) کی سند پر تفصیل کے ساتھ کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وھذا إسناد وإن لم یخرجه أصحاب الصحاح ، فإن فقهاء الأمصار ، وجماعة من أھل الحدیث متفقون علی أن ماء البحر طھور ، بل ھو أصل عندھم فی طھارة المیاہ الغالبة علی النجاسات المستھلکة لھا ، وھذا یدلک علی أنه حدیث صحیح المعنی یتلقی بالقبول والعمل الذی ھو أقوی من الإسناد المنفرد۔ (الاستذکار ۱۳۴/۱، دارالکتب العلمیة)

اِس اسناد کے ساتھ اگرچہ اصحابِ صحاح نے تخریج نہیں کی ہے، لیکن تمام فقہاء اور محدثین کی جماعت کا اتفاق ہے کہ سمندر کا پانی پاک ہے، بلکہ سمندر کا پانی اُن پانیوں کی پاکی کے بیان میں اصل ہے جو نجاستوں پر غالب آکر اُنہیں ختم کردیتے ہیں، اِس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث معنی کے اعتبار سے صحیح ہے اور اُسے قبول وعمل کی تلقی حاصل ہے جو تنہا سند سے زیادہ قوی ہے۔

قارئینِ کرام! اب تک ہم احادیثِ ضعاف کی تقویت کے تین اہم طریقے بیان کرچکے ہیں اور اِس سلسلہ میں معتمد ومستند ائمۂ کرام، فقہاءِ اعلام اور محدثینِ عظام رحمہم اللہ تعالی کی تصریحات سے یہ ثابت کردیا ہے کہ احادیثِ ضعاف مذکورہ تینوں طرق سے قوت پاکر بابِ فضائل کے علاوہ بابِ احکام ومسائل میں بھی معتبر وقابلِ عمل ہیں۔ اہلِ علم نے احادیثِ ضعاف کی تقویت وتائید کے مذکورہ تین اسباب کے علاوہ مزید مندرجہ ذیل اسباب ووجوہ کو بھی بیان کیا ہے:

- مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال واستنباط کرنا اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ حدیث صحیح ہے۔
- کسی حدیثِ ضعیف پر اہلِ علم کا اتفاق اُس حدیث کے مدلول ومعنی کی صحت کی علامت ہے۔
- اگر کسی مسئلہ میں حدیثِ صحیح میسر نہ آئے تو اہلِ علم واجتہاد حدیثِ ضعیف سے استدلال کرتے ہیں جو اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ضعف سے ترقی پاکر مقبول کے درجہ کو پہنچ گئی۔

- صالحین کے کشف وتجربہ سے بھی حدیثِ ضعیف کی صحت کا علم ہوجاتا ہے۔

فقیر قادری عرض کرتا ہے کہ مؤخر الذکر کشف وتجربہ کے علاوہ باقی تینوں وجوہ سے کسی نئے معنی کا افادہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ تینوں وجوہ کسی نہ کسی طور پر پہلے بیان کردہ تینوں اسباب میں ہی داخل ہیں، لہذا ہم نے اِن پر الگ سے مستقل گفتگو کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اب رہا کشف وتجربہ کا مسئلہ تو اِس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ صالحین کا کشف وتجربہ شرعاً حجت ودلیل نہیں ہوتا، لہذا اُس کی وجہ سے کسی حدیثِ ضعیف کی تصحیح وتقویت ہمارے نزدیک محلِّ نظر ہے۔ ہم اولیاءِ کرام رحمہم اللہ تعالی کے کشف کے منکر نہیں ہیں، بلکہ ہمیں اِس بات سے اختلاف ہے کہ محض کشف کی وجہ سے حدیثِ ضعیف صحیح وقابلِ قبول ہوجاتی ہے۔ حق یہ ہے کہ صالحین کے کشف کی حقیقت جاننے کے لیے شریعتِ مطہرہ کے دلائل کی جانب رجوع کیا جائے گا، اگر کشف دلائلِ شرعیہ کے مطابق ہو اور اُس کی وجہ سے کسی حکمِ شرعی کی مخالفت لازم نہ آتی ہو تو اُس کشف کا انکار کرنے کی کوئی حاجت نہیں؛ کیونکہ کشف کی یہ صورت جب دلائلِ شرعیہ کے مطابق ہے تو اِس سے حکمِ ثابت کی تائید وتوثیق ہی ہوگی، اور اِس سے کسی قسم کی کوئی شرعی خرابی بھی لازم نہیں آئے گی، تاہم کشف اِس صورت میں بھی حجتِ شرعیہ نہیں ہے؛ اِس لیے کہ کتاب وسنت کے دلائلِ واضحہ کی موجودگی میں اِس کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی ہے، اور اگر کشف شریعت کے احکام ودلائل کے خلاف ہے تو ایسا کشف باطل ومردود اور شیطانی وسوسے کے قبیل سے ہے اور اُس کے مطابق عمل کرنا حرام وسخت گناہ ہے۔

حضرت شیخ ابوسعید احمد بن عیسی خرّاز رحمہ اللہ تعالی (م ۲۸۶ھ) فرماتے ہیں:

كل باطن يخالفه ظاهر فهو باطل۔

(الرسالة القشيرية، ص: ٦١، دار الكتب العلمية)

ہر وہ کشف وباطن جو ظاہر کے خلاف ہو باطل ہے۔

شیخ محی الدین ابوبکر محمد بن علی معروف بابنِ عربی رحمہ اللہ تعالی (م ٦٣٨ھ) سید الطائفہ ابو القاسم حضرت جنید بن محمد قواریری بغدادی رحمہ اللہ تعالی سے نقل فرماتے ہیں:

علمنا هذا مقيد بالكتاب و السنة۔

(الفتوحات المکیة ۲/۷۲۸، دار احیاء التراث العربی)

ہمارا یہ علم کتاب وسنت کا پابند ہے۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری رحمہ اللہ تعالی (م ۴۶۵ھ) فرماتے ہیں:

علمنا هذا مشيّد بحديث رسول الله ﷺ۔

(الرسالة القشيرية، ص: ۵۱، دار الکتب العلمية)

ہمارا علم سنتِ رسول ﷺ سے مضبوط ہے۔

حضرت ابنِ عربی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

و قال الآخر: کل فتح لا يشهد له الکتاب و السنة فليس بشئٍ۔ (أيضا)

دوسرے صاحبِ دل کا قول ہے کہ ہر وہ کشف جس کی کتاب وسنت گواہی نہ دیں وہ کچھ بھی نہیں۔

امام عبدالوہاب بن احمد شعرانی رحمہ اللہ تعالی (م ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں:

فان قلت: فلأی شئ لم يوجب العلماء بالله تعالى العمل بما أخذه العالم من طريق الکشف مع کونه ملحقا بالنصوص فی الصحة عند بعضهم؟

فالجواب: ليس عدم ايجاب العلماء العمل بعلوم الکشف من حيث ضعفها و نقصها عما أخذه العالم من طريق النقل الظاهر، و انما ذلک للاستغناء عن عده فی الموجبات بصرائح أدلة الکتاب و السنة عند القطع بصحته، أی ذلک الکشف، فانه حينئذٍ لا يکون الا موافقا لها، أما عند عدم القطع بصحته فمن حيث عدم عصمة الآخذ لذلک العلم، فقد يکون دخل کشفه التلبيس من ابليس، فان الله تعالى قد أقدر ابليس کما قال الغزالی وغيره على أن يقيم للمکاشف صورة المحل الذی ياخذ علمه منه من سماء، أو عرش، أو کرسی، أو قلم، أو لوح، فربما ظن المکاشف أن ذلک العلم عن الله، فأخذ به فضل و أضل۔ فمن هنا أوجبوا على المکاشف أنه يعرض ما أخذه من العلم من طريق کشفه على الکتاب و السنة قبل العمل به، فان وافق فذاک و الا حرم عليه العمل

بہ۔ (میزان الشریعۃ الکبری ۱/۸۹، عالم الکتب، بیروت)

سوال: اہلِ علم نے کشف کے ذریعہ حاصل ہونے والے علم پر عمل کو لازم کیوں نہیں قرار دیا ہے جب کہ بعض حضرات نے کشف کو صحت میں بمنزلۂ نصوص رکھا ہے؟

جواب: علومِ کشفیہ پر عمل کو لازم قرار نہ دینے کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ علومِ ظاہر سے ضعیف و ناقص ہیں، بلکہ وجہ یہ ہے کہ کشف کی دو صورتیں ہیں: پہلا یہ کہ اُس کی صحت قطعی و یقینی ہو، اور دوسرا وہ جس کی صحت قطعی و یقینی نہ ہو، پہلا کشف ہمیشہ شریعت کے مطابق ہی ہوگا، لہٰذا کتاب و سنت کے دلائلِ صریحہ کی موجودگی میں اُس کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی ہے، اور دوسرا کشف اِس لیے حجت نہیں کہ کشف سے علم حاصل کرنے والا چونکہ غیر معصوم ہے، لہٰذا اُس کے کشف میں ابلیس کی دسیسہ کاری کا دخل ہوسکتا ہے؛ کیونکہ امام غزالی وغیرہ کی تصریح کے مطابق اللہ تعالی نے ابلیس کو یہ قدرت دی ہے کہ صاحبِ کشف آسمان، عرش و کرسی اور لوح و قلم جہاں سے بھی علم حاصل کرتا ہے وہ اُس جگہ کی بناوٹی صورت اُس کے سامنے پیش کردے اور صاحبِ کشف اُس علم کو اللہ تعالی کی طرف سے سمجھ کر عمل کر بیٹھے جس سے خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔ اِسی لیے علماء نے صاحبِ کشف پر لازم کیا ہے کہ جو علم بذریعۂ کشف حاصل ہو اُس پر عمل کرنے سے پہلے اُسے کتاب و سنت پر پیش کرے، اگر موافق ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ اُس پر عمل کرنا حرام ہے۔

محترم قارئین و ناظرین! احادیثِ ضعاف سے متعلق اللہ تعالی کی توفیق سے ہم نے جو کچھ لکھا ہے اُس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ وہ لوگ یقیناً بڑی غلطی یا خود فریبی کا شکار ہیں جو اہلِ سنت و جماعت کو یہ الزام دیتے نہیں تھکتے کہ اہلِ سنت و جماعت ضعیف و موضوع روایات پر عمل کرتے ہیں؛ کیونکہ الحمدللہ ہم عقائد و احکام اور فضائل و مناقب میں جمہور کے محکم و مرصوص طریقے کے مطابق احادیثِ مبارکہ پر عمل کرتے ہیں اور افراط و غلو سے مکمل اجتناب و گریز کرتے ہوئے انتہائی متوازن طور پر احادیث کی اسانید و طرق اور رُوات و رجال کی تحقیق و تنقیح اور جرح و تعدیل میں ائمۂ فن کی مستند و معتمد تصریحات پر عمل کرتے ہیں۔

اب ہم ذیل میں اولاً موضوع احادیث (موضوع کو حدیث کہنا مجاز ہے) کو پہچاننے

کے لیے محدثینِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ علامات میں سے بعض کا ذکر کریں گے اور اُس کے بعد چند مشہور احادیث کو بیان کریں گے، جن میں سے کچھ ضعیف ہیں اور کچھ موضوع و باطل ہیں، تاکہ وہ لوگ جو افراط و غلو کا شکار ہیں اُن پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اِن احادیث و روایات میں سے کسے بیان کرنا جائز ہے اور کس طور پر جائز ہے اور کسے بیان کرنا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا اور سخت گناہ ہے۔

احادیثِ موضوعہ کی معرفت کے قواعد وضوابط

موضوع اُس جھوٹی روایت کو کہتے ہیں جسے گڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا جائے۔

امام ابو عمرو ابن صلاح شہرزوری اور امام نووی رحمہما اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

الموضوع: هو المختلق المصنوع۔

(المقدمۃ لابن الصلاح، ص: ۲۷۹۔ التقریب للنووی، ص: ۱۴۸)

موضوع وہ حدیث ہے جسے گڑھ کر خود سے بنا لیا گیا ہو۔

موضوع روایات کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ حقیقت میں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو بدنام کرنے کی سازشوں میں سے بدترین سازش اور انتہائی گھناؤنی حرکت ہے، موضوع حدیث کو بیان کرنا حرام ہے، ایک سچے مسلمان کے لیے یہ تصور یقیناً ہلاکت خیز ہے کہ وہ کوئی بات خواہ کتنی ہی عمدہ کیوں نہ ہو اپنے پیٹ سے پیدا کرے، خود ہی اُس کا تانا بانا بنے اور اُس کے بعد اُسے اپنے آقا و مولیٰ، اصدق الصادقین، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دے، جھوٹی بات کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کا حکم کتنا شدید و خطرناک ہے اُس کا اندازہ اِس حدیثِ متواتر سے کیا جا سکتا ہے:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۱۰۔ وصحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴)

جو شخص عمداً میری طرف جھوٹ بات کی نسبت کرے اُسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے۔

موضوع حدیث اسلامیات و دینیات کے کسی شعبہ میں مطلقاً کسی کام کی نہیں، عقائد و احکام ہی نہیں، فضائل و مناقب اور ترغیب و ترہیب کے لیے بھی اِس کا بیان کرنا جائز نہیں، ہاں اگر کوئی بیان کرتا ہے تو اُس پر لازم ہے کہ یہ صراحت کردے کہ یہ روایت جھوٹی، موضوع، من گھڑت، مردود، باطل، بے اصل اور بے بنیاد ہے، یہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہرگز نہیں ہے، بلکہ اِس کو کسی کذاب و دجال اور وضاع و صناع نے اپنے غیر اسلامی مقاصد کے تحت گڑھ کر اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کردیا ہے، تاکہ کسی مسلمان کے ذہن میں اِس باطل و مردود روایت پر عمل کرنے کی سوچ بھی نہ پیدا ہونے پائے۔

امام ابنِ صلاح رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اعلم أن الحديث الموضوع شر الأحاديث الضعيفة ، ولا تحل روايته لأحد علم حاله فى أى معنى كان إلا مقرونا ببيان وضعه ، بخلاف غيره من الأحاديث الضعيفة التى يحتمل صدقها فى الباطن ، حيث جاز روايتها فى الترغيب والترهيب۔ (المقدمة لابن الصلاح، ۲۷۹)

ضعیف احادیث کی بدترین قسم حدیثِ موضوع ہے، جو شخص بھی اُس کا موضوع ہونا جانتا ہے اُسے کسی بھی مقصد کے تحت اِس کی روایت کرنا جائز نہیں، ہاں اُس کے موضوع ہونے کی صراحت کے ساتھ بیان کرسکتا ہے، برخلاف اُن ضعیف احادیث کے جن کے صدق کا احتمال ہوتا ہے، اُنہیں ترغیب و ترہیب کے لیے بیان کرنا جائز ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

واعلم وفقك الله تعالى أن الواجب على كل أحد عرف التمييز بين صحيح الروايات وسقيمها وثقات الناقلين لها من المتهمين أن لا يروى منها إلا ما عرف صحة مخارجه. والستارة فى ناقليه. وأن يتقى منها ما كان منها عن أهل التهم والمعاندين من أهل البدع۔ (مقدمة صحيح مسلم ۱/۶)

جان لیجیے کہ جو عالم صحیح و سقیم روایات اور ثقہ و متہم رُوات کے درمیان امتیاز کرسکتا ہو

اُس پر لازم ہے کہ وہ صرف ایسی احادیث کی روایت کرے جن کی صحیح سند اور محفوظ طریق جانتا ہو، اور ایسی احادیث کی روایت سے گریز کرے جن کے راوی جھوٹ سے متہم اور سنت کے مخالف و بدعتی ہوں۔

حدیثِ موضوع کی معرفت یوں تو دشوار ترین عمل ہے جسے ماہر محدثین اور اصحابِ علم ہی بخوبی سمجھ پاتے ہیں، تاہم محدثینِ کرام نے موضوعات کی معرفت کے لیے کچھ قرائن و قواعد بیان فرمادیئے ہیں جن سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ فلاں حدیث موضوع ہے۔ لیکن یہاں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہر کس و ناکس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی جانب سے کسی بھی حدیث کو موضوع کہہ دے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے، جیسا کہ آج کل کے وہابی و دیوبندی عموماً احادیثِ صحیحہ کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتے رہتے ہیں، تو یہ طریقہ بھی کوئی کم خطرناک و مہلک نہیں ہے، بلکہ بعض اوقات احادیثِ صحیحہ، حسنہ، ثابتہ کا انکار ضلالت و گمراہی اور کفر وارتداد تک پہنچادیتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

احادیثِ موضوعہ کی معرفت سے متعلق ائمۂ حدیث نے بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں جن کا مطالعہ ایک عالمِ دین کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

حدیثِ موضوع کی معرفت کے کچھ آثار وقرائن

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال ابن الجوزی: ماأحسن قول القائل: إذا رأيت الحديث يباين المعقول، أو يخالف المنقول، أو يناقض الأصول فاعلم أنه موضوع۔ قال: ومعنى مناقضته للأصول: أن يكون خارجا عن دواوين الاسلام من المسانيد والكتب المشهورة۔ (تدریب الراوی ۱/۱۵۱)

علامہ ابنِ جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کسی کہنے والے کی یہ بات کتنی عمدہ ہے کہ جب کسی حدیث کو دیکھو کہ وہ معقول، منقول اور اصول کے خلاف ہو تو سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے۔ علامہ ابنِ جوزی نے اصول کی مخالفت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ روایت تمام دفاترِ

اسلام، مسانید اور معروف کتابوں میں کہیں بھی نہ ہو۔

احادیث وروایات کے موضوع وباطل ہونے کے کچھ آثار وقرائن یہ ہیں:

☆ حدیث وضع کرنے والا کا صراحۃً یا اشارۃً اِس بات کا اقرار کرلینا کہ میں نے یہ حدیث گڑھی ہے۔

یہاں یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ واضع کے اقرار سے حدیث کے موضوع ہونے کا یقین نہیں ہوتا بلکہ ظن ہوتا ہے؛ کیونکہ ممکن ہے وہ اپنے اِس اقرار میں بھی کاذب ہو۔

☆ راوی کی حالت۔

☆ متن کی حالت۔

☆ خفیف عمل پر عظیم اجر وثواب کا وعدہ، یا معمولی تقصیر پر زبردست سزا وعذاب کی وعید۔

امام ابوعمرو ابنِ صلاح شہرزوری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وإنما يعرف كون الحديث موضوعا بإقرار واضعه ، أو ما يتنزل منزلة إقراره ، وقد يفهمون الوضع من قرينة حال الراوی أو المروی ، فقد وضعت أحاديث طويلة يشهد بوضعها ركاكة ألفاظها ومعانيها۔

(المقدمة لابن الصلاح، ص: ۲۷۹)

حدیث کا موضوع ہونا واضع کے اقرار یا مانندِ اقرار سے پہچانا جاتا ہے، اور کبھی محدثین راوی یا متن کی حالت دیکھ کر وضع کو سمجھ لیتے ہیں، کیونکہ ایسی لمبی لمبی احادیث وضع کی گئی ہیں جن کے الفاظ ومعانی کی رکاکت ہی اُن کے موضوع ہونے کا پتہ دیتی ہے۔

امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ومن جملة القرائن الدالة على الوضع: الافراط بالوعيد الشديد على الأمر اليسير ، أو بالوعد العظيم على الفعل اليسير ، وهذا كثير موجود فی حديث القصاص والطرقية۔

(النكت على مقدمة ابن الصلاح ۲/۸۴۴، المجلس العلمی، المدينة المنورة)

حدیث کے موضوع ہونے کا ایک اہم قرینہ یہ بھی ہے کہ معمولی تقصیر پر بہت سخت عذاب کی وعید ہو، یا خفیف عمل پر عظیم ثواب کی بشارت ہو، اور یہ بات قصہ گو اور بازاری قسم کے لوگوں میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی نے بالکل حق فرمایا ہے، بلکہ حدیث وضع کرنے والوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ اگر انصاف و دیانت کے ساتھ آج کل کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو علامہ عسقلانی رحمہ اللہ تعالی کی بات سے اختلاف کرنے کی گنجائش باقی نظر نہیں آتی، اِس زمانہ میں مذہبی اجتماعات، جلسے، کانفرنسیں اور محفلیں دیہات سے لے کر شہری سطح تک خوب منعقد ہوتی ہیں، جن کے دینی فوائد ومنافع سے انکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن اِن مجالس کا ایک منفی پہلو یہ بھی ہے کہ اب بہت سے لوگ علماء ومشائخ کے بجائے ایسے جاہل ورٹو مقرروں اور شریعت سے بیگانہ خطیبوں کو قوم کے سامنے داعی ومبلغ بنا کر پیش کرتے ہیں جو فرطِ عقیدت، جوشِ خطابت، زورِ تقریر اور جادو بیانی کی دھن میں ایسی بے سروپا باتیں بولتے ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بلکہ وہ باتیں دینی وعلمی نقطۂ نگاہ سے انتہائی مضحکہ خیز اور دین کے لیے سخت نقصان دہ ہوتی ہیں، ایسے لوگ احادیث وضع کرنے میں بالکل جھجک محسوس نہیں کرتے، جہاں موقع ملتا ہے جھٹ سے جھوٹی باتوں کی نسبت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کر کے وقتی طور سے قوم سے داد وتحسین حاصل کرتے ہیں اور اپنے لفافوں کے حجم ووزن میں خاطر خواہ اضافہ کرا لیتے ہیں، لیکن اِس روش کا دور رس نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سادہ لوح ایک جھوٹ بات کو ارشادِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں، جو روحِ دین اور مقاصدِ شریعت کے قطعاً منافی اور سخت زہرِ ہلاہل ہے۔

حدیثِ موضوع کی معرفت کے دلائل واصول

(۱) کسی روایت کا مضمون کتاب اللہ

(۲) یا سنتِ متواترہ

(۳) یا اجماعِ قطعی

(۴) یا عقلِ صریح کے معارض ومخالف ہو اور اِن سب صورتوں میں تاویل وتطبیق کی کوئی صورت نہ ہو۔

امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

منها جعل الأصوليين من دلائل الوضع أن يخالف العقل ولا يقبل تأويلا، لأنه لا يجوز أن يرد الشرع بما ينافي مقتضى العقل. ومنها: أن يكون مناقضا لنص الكتاب أو السنة المتواترة أو الإجماع القطعي.

(النكت على مقدمة ابن الصلاح ۲/۸۴۵، ۸۴۶، ملخصًا)

ائمۂ اصول نے وضع کی ایک دلیل یہ قرار دی ہے کہ وہ روایت عقل کے خلاف ہو اور تاویل کے قابل نہ ہو، اِس لیے کہ یہ ناممکن ہے کہ حکمِ شریعت مقتضائے عقل کے خلاف ہو۔ وضع کی دوسری دلیل یہ ہے کہ وہ روایت قرآنِ کریم، یا سنتِ متواترہ، یا اجماعِ قطعی کے معارض و منافی ہو۔ (اور تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو)

(۵) کسی روایت میں ایسی غیر اصولی اور بے تکی باتوں کا ذکر ہو جن کا کہنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متصور نہیں ہے۔

حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فمنها: اشتماله على أمثال هذه المجازفات التي لا يقول مثلها رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، وهي كثيرة جدا، كقوله في الحديث المكذوب:

من قال لا إله إلا الله خلق الله من تلك الكلمة طائرا له سبعون ألف لسان، لكل لسان سبعون ألف لغة، يستغفرون الله له، ومن فعل كذا وكذا أعطى في الجنة سبعين ألف مدينة، في كل مدينة سبعون ألف قصر، في كل قصر سبعون ألف حوراء۔ (الأسرار المرفوعة، ص: ۴۰۶، المكتب الاسلامی، بیروت)

کسی روایت کے موضوع ہونے کا ایک ضابطہ یہ ہے کہ وہ ایسی بے تکی باتوں پر مشتمل ہو جن کا بولنا زبانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متصور نہ ہو۔ اِس کی بہت سی مثالیں ہیں، جیسے ایک جھوٹی روایت میں ہے کہ:

جوشخص "لا الہ الا اللہ" کہے گا اللہ تعالیٰ اُس کلمہ سے ایک پرندہ پیدا فرمائے گا جس کی ستر ہزار زبانیں ہوں گی، اور ہر زبان کی ستر ہزار لغات اور بولیاں ہوں گی جن سے وہ پرندہ اُس شخص کے لیے دعاءِ مغفرت کرے گا۔اور جس نے فلاں فلاں کام کیا اُسے جنت میں ستر ہزار شہر ملیں گے، ہر شہر میں ستر ہزار محل ہوں گے اور ہر محل میں ستر ہزار حوریں ہوں گی۔

(٦) وہ روایت کسی بھدی وبھونڈی اور مضحکہ خیز بات پر مشتمل ہو۔

چند موضوع روایات کے نمونے

اِس ضابطہ نمبر ٦ کے تحت حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بطورِ مثال مندرجہ ذیل چند موضوع روایات بیان فرمائی ہیں:

☆ **لو كان الأرز رجلا لكان حليما، ما أكله جائع إلا أشبعه۔**

فهذا من السمج البارد الذى يصان منه العقلاء، فضلا عن سيد الأنبياء صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم۔

اگر چاول مرد ہوتا تو بردبار ہوتا، جو بھوکا اُسے کھائے گا اُس کا پیٹ بھر جائے گا۔

یہ بات کوئی عام عقل والا نہیں کہہ سکتا، چہ جائے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم۔

☆ **الجوز دواء، والجبن داء، فإذا دخل فى الجوف صار شفاء۔**

فلعن الله واضعه على رسول الله صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم۔

اخروٹ دوا ہے اور بزدلی بیماری ہے، جب یہ پیٹ میں جاتا ہے تو شفا بن جاتا ہے۔

اِس جھوٹ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی طرف منسوب کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

☆ **لو يعلم الناس مافى الحُلبَة لاشتروها بوزنها ذهبا۔**

اگر لوگ میتھی کے فوائد جان لیں تو اُسے ہم وزن سونے سے خرید لیں۔

☆ **أحضروا موائدكم البقل، فإنه مَطرَدَةٌ للشيطان۔**

اپنے دسترخوان پر سبزی حاضر کیا کرو؛ کیونکہ اِس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

☆ **مامن ورقة هندباء إلا عليها قطرة من ماء الجنة۔**

کاسنی کے ہر پتہ پر جنت کے پانی کا قطرہ ہوتا ہے۔

☆**بئست البقلة الجرجير، من أكل منها ليلا بات ونفسه تنازعه، ويضرب عرق الجذام في أنفه، كلوها نهارا وكفّوا عنها ليلا۔**

جرجیر (watercress) کیا ہی بری سبزی ہے، جو اُسے رات میں کھائے گا رات کو خود سے جھگڑتے ہوئے گذارے گا، اور کوڑھ کی رگ اُس کی ناک پر حملہ آور ہوگی، اُسے دن میں کھاؤ اور رات کو کھانے سے باز رہو۔

☆**فضل دهن البنفسج على الأدهان كفضل أهل البيت على سائر الخلق۔**

تمام تیلوں پر بنفشہ کے تیل کی فضلیت ایسی ہے جیسے اہلِ بیت کی فضیلت تمام مخلوق پر۔

☆**فضل الكراث على سائر البقول كفضل البر على الحبوب۔**

کراث کی فضلیت تمام سبزیوں پر ایسی ہے جیسے گیہوں کی فضیلت تمام غلوں پر۔

☆**الكمأة والكَرَفُس طعام إلياس واليسع۔**

مشروم (سانپ کی چھتری) اور اجوائن حضرت الیاس اور حضرت یسع علیہما السلام کی غذا ہیں۔

☆**ربيع أمتي العنب والبطيخ۔**

میری امت کی بہار انگور اور تربوز ہیں۔

☆**عليكم بمداومة أكل العنب مع الخبز۔**

روٹی کے ساتھ انگور کھانے کی پابندی کرو۔

☆**عليكم بالملح؛ فإن فيه شفاء من سبعين داء۔**

نمک کو لازم کرلو؛ کیونکہ اِس میں ستر بیماریوں سے شفا ہے۔

☆**من أكل فولة بقشرها أخرج الله تعالى منه من الداء مثلها۔**

لعن الله واضعها۔ قلت أورده ابن حبان في الضعفاء من حديث عائشة مرفوعا۔

جس نے لوبیا کو چھلکے کے ساتھ کھایا اللہ تعالی اُس سے بیماری کو بھی اسی طرح نکال دے گا جس طرح لوبیا کو چھلکے سے نکالا جاتا ہے۔

اِس کے گڑھنے والے پر اللہ تعالی کی لعنت ہو۔ امام ابنِ حبان نے ''الضعفاء'' میں اِسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔

(الأسرار المرفوعة، ص: ۴۰۹، ۴۱۰)

(۷) ہر وہ روایت جس میں یہ دعوی کیا گیا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے سامنے کوئی کام علی الاعلان کیا، لیکن تمام صحابۂ کرام نے باہم اتفاق کرلیا کہ اِس فعل کو چھپانا ہے اور کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرنا ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ومنها أن يدّعى على النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أنه فعل أمرا ظاهرا بمحضر من الصحابة كلهم، وأنهم اتفقوا على كتمانه ولم يفعلوه ۔ كما يزعم أكذب الطوائف أنه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أخذ بيد عليّ بمحضر الصحابة كلهم، وهم راجعون من حجة الوداع، فأقامه بينهم حتى عرفه الجميع، ثم قال: هذا وصيّي، وأخي، والخليفة من بعدی، فاسمعوا له وأطيعوا له، ثم اتفق الكل على كتمان ذلک، وتغييره، ومخالفته۔ فلعنة الله على الكاذبين۔ (الأسرار المرفوعة، ص: ۴۱۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ دعوی کرنا کہ آپ نے کوئی کام تمام صحابۂ کرام کے سامنے علانیہ طور سے کیا، مگر تمام صحابہ اُس کو چھپانے اور بیان نہ کرنے پر متفق ہو گئے، جیسا کہ سب سے بڑے جھوٹے گروہ (روافض) کا گمان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجِ وداع سے واپسی میں تمام صحابۂ کرام کے سامنے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ کر اُن کے سامنے کھڑا کیا، یہاں تک کہ سب نے پہچان لیا، پھر ارشاد فرمایا: یہ میرے وصی، میرے بھائی اور میرے بعد میرے خلیفہ ہیں، اِن کی بات سننا اور اِن کی اطاعت کرنا، اُس کے بعد تمام صحابۂ کرام اِس واقعہ کو چھپانے اور اُس کو بدلنے اور اُس کی مخالفت کرنے پر متفق ہو گئے۔ اللہ کی لعنت ہو جھوٹوں پر۔

(۸) وہ روایت کسی ایسے باطل ومردود معنی ومفہوم پر مشتمل ہو جس کے نفسِ مضمون سے ظاہر ہو کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام نہیں ہوسکتا۔

جیسے یہ روایات:

☆ **إذا غضب الرب أنزل الوحی بالفارسیة و إذا رضی أنزله بالعربیة۔**

جب اللہ تعالی غضب وجلال فرماتا ہے تو فارسی میں وحی نازل کرتا ہے اور جب رضا و رحمت فرماتا ہے تو عربی میں وحی نازل کرتا ہے۔

☆ **من لم یکن له مال یتصدق به فلیلعن الیهود و النصاری۔**

جس کے پاس صدقہ کرنے کے لیے مال نہ ہو تو وہ یہود ونصاری پر لعنت بھیجے۔

مذکورہ قاعدہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

أن یکون الحدیث باطلا فی نفسه ، فیدل بطلانه علی أنه لیس من کلامه ﷺ۔ (الأسرار المرفوعة، ص: ۴۱۳)

حدیث فی نفسہ باطل ہو اور اُس کا بطلان اِس بات پر دلالت کرے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں ہوسکتا۔

(۹) جس روایت کے کذب و بطلان پر ایسی جماعت گواہی دے جن کا عادۃً جھوٹ اور ایک دوسرے کی تقلید پر متفق ہونا محال ہو۔

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عرّاق کنانی رحمہ اللہ تعالی (م ۹۶۳ھ) فرماتے ہیں:

و منها: أن یصرح بتکذیب راویه جمع کثیر یمتنع فی العادة تواطؤهم علی الکذب، أو تقلید بعضهم بعضا۔

(تنزیه الشریعة المرفوعة ۱/۶، دار الکتب العلمیة)

حدیث کے موضوع ہونے کا ایک ضابطہ یہ ہے کہ اُس کے راوی کے جھوٹا ہونے کی صراحت ایسی جماعت کرے جن کا جھوٹ پر یا ایک دوسرے کی تقلید و پیروی پر متفق ہونا محالِ عادی ہو۔

(۱۰) راوی رافضی ہو اور روایت اہلِ بیت رضی اللہ تعالی عنہم کے ایسے فضائل پر مشتمل ہو جو کسی اور سے قابلِ اعتبار اور لائقِ اعتماد طریقے سے ثابت نہ ہو۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ومن القرائن كون الراوی رافضيا والحديث فی فضائل أهل البيت ۔

(تدريب الراوی ۱/۱۵۱)

حدیث کے موضوع ہونے کا ایک قرینہ یہ ہے کہ راوی رافضی ہو اور حدیث فضائلِ اہلِ بیت سے متعلق ہو۔

کسی روایت کے موضوع ہونے کا پتہ لگانے کے لیے مذکورہ قرائن وقواعد کے سوا اور بھی علامات و امارات کو اہلِ علم نے تفصیل سے بیان کیا ہے جنہیں اصولِ حدیث بلکہ خاص موضوعات کے عنوان سے لکھی گئی مبسوط کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

کچھ مشہور موضوع و بے اصل روایات

(۱) يكون فی أمتي رجل يقال له محمد بن إدريس أضر على أمتي من إبليس، ويكون فی أمتي رجل يقال له أبو حنيفة هو سراج أمتي.

میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کا نام محمد بن ادریس ہوگا، وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ نقصان دہ ہوگا، اور میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا، وہ میری امت کا چراغ ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

موضوع باتفاق المحدثين ۔ (الأسرار المرفوعة، ص: ۱۰۱)

اِس روایت کے موضوع ہونے پر تمام محدثین کا اجماع ہے۔

(۲) اتقوا مواضع التهم ۔

تہمت کی جگہوں سے بچو۔

امام ابوالفضل زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی رحمہ اللہ تعالی (م ۸۰۶ ھ) فرماتے ہیں:

لم أجد له أصلا ۔

(المغنی عن حمل الأسفار ۲/۷۲۱، رقم الحديث: ۲۶۴۳، مكتبة طبرية، الرياض)

مجھے اِس کی کوئی اصل نہیں ملی۔

جلیل القدر ائمہ ومحدثین رحمہم اللہ تعالی نے اگرچہ مرفوعاً اِس روایت کو بے اصل قرار دیا ہے، تاہم اِس کے معنی کو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے اِس ارشاد کے مطابق درست فرمایا ہے جسے امام ابوبکر محمد بن جعفر خرائطی رحمہ اللہ تعالی (م ۳۲۷ھ) نے روایت کیا ہے:

من أقام نفسه مقام التهمة فلا يلومن من أساء الظن به۔

(مكارم الأخلاق، ص: ۴۷۵، دار الكتب العلمية)

جو خود کو تہمت کی جگہ سے نہ بچائے وہ اپنے بارے میں بدگمانی کرنے والے کو ملامت نہ کرے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اِس روایت کو حدیثِ مرفوع کے طور بیان کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

(۳) إن العالم والمتعلم إذا مرا على قرية فإن الله تعالى يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوما۔

بے شک عالم وطالبِ علم جب کسی بستی کے پاس سے گذرتے ہیں تو اللہ تعالی اُس بستی کے قبرستان سے چالیس دن کے لیے عذاب اٹھالیتا ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قال الحافظ جلال الدين: لا أصل له۔

(المصنوع فی الحدیث الموضوع، ص: ۶۵، مکتب المطبوعات الاسلامیة)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اِس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(۴) البخيل عدو الله ولو كان راهبا۔

بخیل اللہ تعالی کا دشمن ہے اگرچہ وہ عابد ہو۔

امام سخاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لا أصل له۔ (المقاصد الحسنة، ص: ۲۳۴، دار الكتاب العربی، بیروت)

اِس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(۵) حديث حب الوطن من الإيمان ۔

وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں:

لا اصل له عند الحفاظ ۔ (المصنوع، ص: ۹۱)

حفاظِ حدیث کے نزدیک اِس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(۶) الحديث فى المسجد يأكل الحسنات كما تأكل البهائم الحشيش ۔

مسجد میں بات کرنا نیکیوں کو ایسے ہی کھا جاتا ہے جیسے چوپائے گھاس کھا جاتے ہیں۔

امام تاج الدین علی بن عبد الکافی سبکی رحمہ اللہ تعالی (م ۷۷۱ھ) نے اِسے احیاء العلوم کی اُن احادیث میں شمار فرمایا ہے جن کی کوئی اصل نہیں ہے، ملاحظہ فرمایئے:

(طبقات الشافعية الكبرى ۶/۲۹۴، دار هجر، القاهرة)

حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

لم أقف له على أصل ۔ (المغنى عن حمل الأسفار ۱/۱۰۷)

مجھے اِس کی کوئی اصل نہیں ملی۔

(۷) حسنات الأبرار سيئات المقربين ۔

صالحین کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں۔

امام سخاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

هو من كلام أبي سعيد الخرّاز ۔ (المقاصد الحسنة، ص: ۳۰۵)

یہ حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ تعالی کا قول ہے (حدیث نہیں ہے)

(۸) عن أبى سعيد الخدرى قال: أوصى رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم على بن أبى طالب، فقال: يا على! إذا دخلت العروس بيتك فاخلع خفيها حين تدخل، واغسل رجليها، وصبّ الماء من باب دارك إلى أقصى دارك؛ فإنك إذا فعلت

ذلک أخرج اللہ من دارک سبعین بابا من الفقر ، وأدخل فیه سبعین بابا من البرکة ، وأنزل علیها سبعین رحمة ، وتأمن العروس من الجنون ، والجذام ، والبرص مادامت فی تلک الدار ، وامنع العروس فی أسبوعها الأول من اللبان ، والخل ، والکزبرة ، والتفاحة الحامضة۔ قال علی : یا رسول اللہ ! لأی شیء أمنعها هذه الأشیاء الأربعة ؟ قال : لأن الرحم یعقم ، ویعوق من هذه الأشیاء عن الأولاد ، والحاصیر فی ناحیة البیت خیر من امرأة لا تلد۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ کو وصیت فرمائی کہ اے علی ! جب دلہن تمہارے گھر آئے تو اُس کے موزے اتار کر اُس کے پیر دھونا اور دھووَن کو گھر کے دروازے سے آخری حصہ تک چھڑک دینا ؛ جب ایسا کرلو گے تو اللہ تعالی تمہارے گھر سے محتاجی کے ستر حصے باہر کردے گا ، برکت کے ستر حصے داخل کردے گا ، ستر رحمتیں نازل فرمائے گا اور دلہن جب تک اُس گھر میں رہے گی جنون ، جذام اور برص سے محفوظ رہے گی ، اور پہلے ہفتے اُسے دہی ، سرکہ ، دھنیا اور کھٹا سیب مت کھانے دینا۔ حضرت علی نے کہا : یا رسول اللہ ! یہ چاروں چیزیں نہ دینے کی کیا وجہ ہے ؟ فرمایا : اِن چیزوں سے رحم بانجھ اور اولاد سے محروم ہوجاتا ہے ، اور گھر کے گوشے میں پڑی ہوئی چٹائی بچہ نہ دینے والی عورت سے بہتر ہے۔

علامہ ابنِ جوزی رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے :

عبد اللہ بن وهب شیخ دجال یضع الحدیث علی الثقاة ، لا یحل ذکره فی الکتب إلا علی سبیل الجرح فیه ۔ (الموضوعات ۲/۲۶۸)

اِس روایت کا راوی عبد اللہ بن وہب شیخِ دجال ہے ، ثقہ راویوں کے نام سے احادیث وضع کرتا ہے ، کتابوں میں اِس کا بیان کرنا جائز نہیں ، ہاں جرح اور رد کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔

امام شمس الدین ذہبی ، حافظ ابنِ حجر عسقلانی ، علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ ابنِ عرّاق کنانی وغیرہم رحمہم اللہ تعالی نے بھی اِس حدیث کے موضوع و باطل ہونے کی صراحت

فرمائی ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(میزان الاعتدال للذهبی ۲/۵۲۳ ۔ لسان المیزان للعسقلانی ۳/۳۷۵ ۔ اللآلی المصنوعة ۲/۱۴۲ ۔ تنزیه الشریعة المرفوعة لابن عراق الکنانی ۲/۱۹۸)

(۹) سین بلال عند الله شین ۔

حضرت بلال کی ''س'' اللہ کے نزدیک ''ش'' ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

قال ابن کثیر: لیس له أصل ۔ (الأسرار المرفوعة، ص: ۲۲۵)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(۱۰) الشیخ فی قومه کالنبی فی أمته ۔

شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسے نبی اپنی امت میں۔

(۱۱) الشیخ فی جماعته کالنبی فی أمته ، یتعلمون من علمه ، ویتأدبون من أدبه ۔

شیخ اپنی جماعت میں اسی طرح ہوتا ہے جیسے نبی اپنی امت میں، لوگ اُس سے علم وادب حاصل کرتے ہیں۔

امام ابوعبداللہ بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۷۹۴ھ) فرماتے ہیں:

هذا لیس من کلام النبی ﷺ، وانما یقوله بعض أهل العلم ۔

(التذکرة فی الأحادیث المشتهرة، ص: ۱۹۰، دار الکتب العلمیة)

علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ذکره ابن حبان فی ترجمة عبد الله بن عمر بن غانم الأفریقی، وأنه رواه عن مالك عن نافع عن ابن عمر مرفوعا، قال: وهذا موضوع ۔

(المقاسد الحسنة، ص: ۴۱۲)

ابنِ حبان نے اِسے عبداللہ بن عمر بن غانم افریقی کے ترجمہ کے تحت بیان کیا ہے، اور اِفریقی نے مالک، نافع، ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق سے مرفوعاً اِس کو روایت کیا ہے،

حالانکہ یہ روایت موضوع ہے۔

علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

هذا موضوع ۔ (تهذيب التهذيب ۵/۲۹۰، دار الكتب العلمية)

یہ روایت موضوع ہے۔

(۱۲) علماء أمتى كأنبياء بني اسرائيل ۔

میری امت کے علماء انبیاءِ بنی اسرائیل کی طرح ہیں۔

علامہ زین الدین محمد عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ تعالی (م ۱۰۳۱ھ) کہتے ہیں:

سئل الحافظ العراقى عما اشتهر على الألسنة من حديث علماء أمتى كأنبياء بنى إسرائيل، فقال: لا أصل له ولا إسناد بهذا اللفظ، ويغنى عنه: العلماء ورثة الأنبياء وهو حديث صحيح ۔

(فيض القدير ۵/۵۰۴، دار الكتب العلمية)

حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ تعالی سے حدیثِ مشہور (علماء أمتى كأنبياء بنى إسرائيل) کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اِس کی کوئی اصل ہے اور نہ اِن الفاظ کے ساتھ اِس کی کوئی سند ہے، اور حدیثِ صحیح (العلماء ورثة الأنبياء) کے ہوتے ہوئے اِس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی، امام بدر الدین زرکشی، علامہ دمیری، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ شمس الدین سخاوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لايعرف له أصل، ولايذكر فى كتاب معتبر ۔

(التذكرة فى الأحاديث المشتهرة، ص: ۱۶۶ ۔ المقاصد الحسنة، ص: ۴۵۹ ۔ الدرر المنتثرة، ص: ۳۱۲ ۔ اللآلى المنثورة، ص: ۱۶۷ ۔ الأسرار المرفوعة، ص: ۲۴۷ ۔ تذكرة الموضوعات للفتنى ۔ كشف الخفاء ومزيل الالباس للعجلونى ۲/۶۴)

اِس کی کوئی معروف اصل ہے اور نہ کسی معتبر کتاب میں اِس کا ذکر ہے۔

(۱۳) الفقر فخرى، وبه أفتخر ۔

فقر ومحتاجی میرا فخر ہے اور میں اِسی پر فخر کرتا ہوں۔

علامہ سراج الدین عمر بن علی معروف بابنِ ملقن رحمہ اللہ تعالی (م ۸۰۴ھ) فرماتے ہیں:

لا أصل له ۔ (البدر المنير ۷/۵۸۷، دار الهجرة، الرياض)

اِس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

جزم الصغاني بأنه موضوع ۔ (التلخيص الحبير ۳/۲۴۱)

علامہ صغانی نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے۔

(۱۴) كنت كنزا لا أعرف ، فأحببت أن أعرف ، فخلقت خلقا ، فعرّفتُهم بي، فعرفوني ۔

میں ایک غیر معروف خزانہ تھا، میں نے پسند فرمایا کہ میں پہچانا جاؤں، تو میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا، انہیں اپنی معرفت کرائی تو انہوں نے مجھے پہچان لیا۔

امام بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قال بعض الحفاظ : ليس هذا من كلام النبي ﷺ ، ولا يعرف له سند صحيح و لا ضعيف ۔ (التذكرة في الأحاديث المشتهرة، ص: ۱۳۶)

بعض حفاظِ حدیث نے کہا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے نہیں ہے، اور اِس کی کوئی صحیح یا ضعیف کسی طرح کی سند نہیں جانی جاتی ہے۔

امام ابنِ حجر عسقلانی، امام سیوطی، امام سخاوی، علامہ ابنِ عراق کنانی، علامہ محمد طاہر پٹنی، علامہ علی قاری اور شیخ اسماعیل عجلونی رحمہم اللہ تعالی نے بھی اِسے بے اصل وغیر ثابت قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(المقاصد الحسنة، ص: ۵۲۱ ۔ الدرر المنتثرة، ص: ۳۵۲ ۔ تدريب الراوي ۲/۳۷۰ ۔ المصنوع في معرفة الموضوع، ص: ۱۴۱ ۔ تذكرة الموضوعات، ص: ۱۱ ۔ كشف الخفاء و مزيل الالباس ۲/۱۳۲)

(۱۵) في ليلة من الليالي سقطت من يد عائشة إبرتها ، ففقدت ،

فالتمستها ولم تجد، فضحك النبي ﷺ وخرجت لمعة أسنانه فأضاءت الحجرة، ورأت عائشة بذلك الضوء إبرتها۔

ایک رات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے ہاتھ سے سوئی گر کر گم ہوگئی، آپ نے اُس کو تلاش کیا مگر وہ نہیں ملی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دیکھ کر مسکرا دیئے، آپ کے دندانِ مبارک سے ایک روشنی نکلی جس سے حجرہ روشن ہوگیا اور اُس کی روشنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اپنی گم شدہ سوئی دیکھ لی۔

ابوالحسنات حضرت علامہ عبدالحی فرنگی محلی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وهذا وان كان مذكورا في معارج النبوة وغيره من كتب السير الجامعة للرطب واليابس، فلا يستند بكل مافيها الا النائم و الناعس، ولكنه لم يثبت رواية ولا دراية ۔ (الآثار المرفوعة ٤٦)

یہ روایت اگرچہ معارج النبوت جیسی رطب و یابس کی جامع کتبِ سیرت میں موجود ہے جن پر بے خبر و غافل کے سوا کوئی بھروسہ نہیں کرسکتا، لیکن یہ بات روایت و درایت دونوں کے اعتبار سے غیر ثابت ہے۔

(١٦) من عرف نفسه فقد عرف ربه ۔

جس نے خود کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

إن هذا الحديث ليس بصحيح، وقد سئل عنه النووي في فتاويه، فقال: إنه ليس بثابت، وقال ابن تيمية: موضوع، وقال الزركشي في الأحاديث المشتهرة: ذكر ابن السمعاني أنه من كلام يحيى بن معاذ الرازي. (الفتاوى الحديثية، ص: ٦٧٧، دار الكتب العلمية)

یہ حدیث صحیح نہیں ہے، امام نووی رحمہ اللہ تعالی سے معلوم کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ حدیث ثابت نہیں ہے، ابنِ تیمیہ نے کہا: موضوع ہے، امام زرکشی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: ابنِ سمعانی نے بیان کیا ہے کہ یہ یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے۔

امام بدر الدین زرکشی، علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ شمس الدین سخاوی، امام ابنِ حجر مکی ہیتمی، علامہ علی قاری اور علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہم اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قال النووی لیس بثابت ۔ وقال الامام ابو المظفر بن السمعانی فی القواطع فی الکلام علی التحسین والتقبیح العقلی : هذا لا يثبت عن النبی ﷺ وانما هو لفظ محکی عن یحیی بن معاذ الرازی ۔

(التذکرة فی الأحادیث المشتهرة للزرکشی، ص: ۱۲۹ ۔ واللآلی المنثورة للسیوطی، ص: ۱۲۹ ۔ والمقاصد الحسنة للسخاوی، ص: ۶۵۷ ۔ وکشف الخفاء و مزیل الالباس للعجلونی ۲/۲۶۲ ۔ والأسرار المرفوعة للقاری، ص: ۳۵۱ ۔ والفتاوی الحدیثیة للهیتمی، ص: ۶۷۷ ۔ وتذکرة الموضوعات للفتنی، ص: ۱۱ ۔ والفوائد المجموعة للشوکانی، ص: ۱۰۳)

امام نووی رحمہ اللہ تعالی نے کہا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ امام ابو المظفر ابنِ سمعانی رحمہ اللہ تعالی نے القواطع فی الکلام میں تحسین وتقبیحِ عقلی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: یہ بطورِ حدیثِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثابت نہیں ہے، ہاں یحییٰ بن معاذ رازی کے قول کے طور پر منقول ہے۔

(۱۷) صلاة بعمامة تعدل خمسا وعشرين صلاة بغير عمامة، وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة بغير عمامة، إن الملائكة ليشهدون الجمعة معتمين، ولا يزالون يصلون على أصحاب العمائم حتى تغرب الشمس ۔

عمامہ کے ساتھ ایک نماز بغیر عمامہ والی پچیس نمازوں کے برابر ہے، عمامہ کے ساتھ ایک جمعہ بغیر عمامہ کے ستر جمعوں کے برابر ہے، یقیناً فرشتے عمامہ باندھ کر جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں، اور غروبِ آفتاب تک عمامہ باندھنے والوں کے لیے دعاءِ مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

امام سخاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

هو موضوع کما قال شیخنا ۔ (المقاصد الحسنة، ص: ۴۲۳)

ہمارے شیخ امام ابنِ حجر عسقلانی رضی اللہ تعالی عنہ کے بقول یہ موضوع ہے۔

(۱۸) رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعةً بلا عمامةٍ ۔

عمامہ کے ساتھ دو رکعت نماز بغیر عمامہ کے ستر رکعت نماز سے بہتر ہے۔

(۱۹) الصلاة فی العمامة تعدل بعشرة آلاف حسنةٍ ۔

عمامہ کے ساتھ نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

قال المنوفی فذلك كله باطل ۔ (الأسرار المرفوعة، ص: ۲۳۲)

منوفی نے کہا ہے یہ ساری روایات باطل ہیں۔

(۲۰) ما أعلم خلف جداری هذا ۔

مجھے اِس دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں ہے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قال ابن حجر ليس بحديث۔

(المصنوع فی معرفة الحديث الموضوع، ص: ۱۵۶)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں یہ حدیث نہیں ہے۔

علامہ محمد طاہر بن علی ہندی پٹنی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

قال شيخنا لا أصل له۔ (تذكرة الموضوعات، ص: ۸۷)

ہمارے شیخ فرماتے ہیں اِس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔

غیر مقلدین کے پیشوا قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

قال ابن حجر لا أصل له۔ (الفوائد المجموعة، ج: ۱، ص: ۳۲۷)

امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اِس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

قارئینِ کرام! یہاں موضوع روایات کا تفصیلی گوشہ اور مبسوط خاکہ پیش کرنا مقصد نہیں ہے، بلکہ مذکورہ موضوع روایات کو بطورِ نمونہ و مثال بیان کر کے اِس جانب توجہ مبذول کرانا ہے کہ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات اور مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرنور ارشادات کو بدنام کرنے کے لیے وضع و افترا، جھوٹ و دغا اور سازش و فریب کا کھیل کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ جب سے اسلامی تاریخ میں بدعات و منکرات اور غیر اسلامی افکار و نظریات کو فروغ و رواج

دینے کے لیے نام نہاد کلمہ گو افراد نے دسیسہ کاری و ریشہ دوانی شروع کی ہے اُسی وقت سے بدوضع و بدنہاد لوگوں نے سید الصادقین، امام المرسلین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نامِ پاک سے روایات و خرافات وضع کرنے کا عمل بھی شروع کر رکھا ہے، آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو کلمہ پڑھتے ہیں بلکہ بزعمِ خویش طریقت و معرفت کے علم بردار بھی کہلاتے ہیں، لیکن معلوم و نامعلوم اسباب کے تحت جھوٹی احادیث و روایات کو فروغ دینے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھتے ہیں، حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ یہ طبقہ حدیث وضع کرنے کے بعد کوئی خوف و عار بھی محسوس نہیں کرتا بلکہ داد و تحسین کا خواہاں نظر آتا ہے۔ دوسری جانب ایسے لوگ بھی خوب پنپتے نظر آرہے ہیں جنھوں نے اپنے مخصوص خیالات کو بڑھاوا دینے اور اُنہیں دنیا کے سامنے حق ثابت کرنے کے لیے بہت سی صحیح و ثابت احادیثِ مبارکہ کو باطل و بے اصل قرار دے رکھا ہے اور اِس کے لیے اپنی تمام تر جماعتی قوت کو جھونک دیا ہے، یہ دونوں گروہ افراط و تفریط اور غلو و تقصیر کا شکار ہو کر اسلام کے نام پر کلنک بن چکے ہیں، ایسے افراد کا وجود بنامِ دین صریح دھوکہ ہے۔ سورج سے زیادہ درخشاں و تاباں اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط و محکم دینِ الٰہی کی سیدھی و سچی اور روشن و پکی تصویر پر اغیار و اعداءِ دین کو زبان درازی کا موقع فراہم کرنے میں اِن دونوں گروہوں کا بڑا ہاتھ ہے، ہمارے اسلاف نے ارشاداتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ڈالی گئی گرد و غبار کو صاف کرنے کے لیے عظیم خدمات انجام دی ہیں اور حدیث وضع کرنے والوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ فقیر نے بھی اِس سلسلہ میں ایک کتاب کی ترتیب کا کام شروع کر دیا ہے جس میں موضوع و ضعیف روایات اور اِس سلسلہ میں برتے گئے افراط و تفریط کو دلائل و شواہد کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ **أدعو اللہ سبحانہ و تعالی أن یوفقنی لاتمام ما أردت فی أقرب وقت۔**

یہاں ایک بار پھر ہم اپنے قارئینِ کرام کو اِس طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ موضوع روایات کی دین میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اِن سے عقائد و احکام، فضائل و مناقب اور ترغیب و ترہیب کے کسی باب میں استدلال کرنا محض جہالت و غفلت اور خالص حماقت و جنون ہے، بلکہ سچ بات یہ ہے کہ موضوع و من گھڑت روایت کا معنی اگر اسلامی تعلیمات کے

منافی ومخالف نہ بھی ہو، بلکہ جو بات اُس موضوع روایت سے سمجھی جارہی ہو وہ اگرچہ واقع کے مطابق ہو، پھر بھی ایک سچے مسلمان پرلازم ہے کہ وہ اُس بات کو مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادوفرمان سمجھ کر ہرگز قبول نہ کرے؛ کیونکہ جو بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہی نہیں ہے اُس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب منسوب کرنا اُس حدیثِ صحیح ومشہور ومتواتر کی صریح خلاف ورزی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے قصداً مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

ناظرینِ کرام! یہاں نفس وشیطان کے ایک خطرناک فریب سے باخبر ہونا انتہائی ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ آپ جلیل القدر محدثین کوئی بار یہ فرماتے ہوئے ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہ روایت اگرچہ موضوع ہے لیکن معنی درست ہے۔ محدثینِ کرام واہلِ علم کے اِس ارشاد سے کئی لوگ دھوکہ کھاجاتے ہیں اور سمجھ بیٹھتے ہیں کہ جب اِس روایت کا معنی صحیح ہے تو اِس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، حالانکہ یہ شیطان کا زبردست دھوکہ اور انتہائی تباہ کُن فریب ہے؛ کیونکہ محدثین کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جب اِس روایت کا معنی صحیح ہے تو اِس کو بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اِس روایت سے جو معنی سمجھے جارہے ہیں وہ معنی دوسرے دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہیں، لہٰذا اِس روایتِ موضوعہ سے سمجھے جانے والے اِس معنی کو مطلقاً غلط کہہ کر مردود وباطل قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ اِس درست وصحیح معنی کی وجہ سے موضوع وبے اصل روایت کو ہرگز درست نہیں کہا جاسکتا، بلکہ وہ روایت تو معنی کی درستگی کے باوجود باطل وموضوع اورمکذوب ومطرود ہی رہے گی اور اُس کو بیان کرنا بہرحال شرعاً جرم وگناہ ہے۔

چند ضعیف ومنکر روایات وآثار

قارئینِ کرام! ہم ضعیف احادیث سے متعلق فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ تعالی کے مذاہب کا جوخاکہ بیان کرچکے ہیں اگر اُس کو ایک بار پھر سے پڑھ لیا جائے تو مندرجہ ذیل احادیث وآثار سے متعلق ذہن بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہونے سے محفوظ رہے گا، ان شاء اللہ تعالی۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي إِذَا صَلَحَا صَلَحَ النَّاسُ، وَإِذَا فَسَدَا فَسَدَ النَّاسُ: السُّلْطَانُ، وَالْعُلَمَاءُ۔

(الفوائد لتمّام الرازی ۲/۱۹۶، رقم الحديث: ۱۵۱۶، مكتبة الرشد، الرياض ۔ و جامع بيان العلم لابن عبدالبر ۱/۳۳۰، رقم الحديث: ۲۰۶، مؤسسة الريان، مكة المكرمة۔ الفردوس بمأثور الخطاب للديلمی ۲/۴۰۲، رقم الحديث: ۳۷۸۴، دارالكتب العلمية ۔ و حلية الأولياء ۴/۹۶، دارالكتاب العربی بيروت)

میری امت کے دو گروہ اگر درست ہو جائیں تو سب لوگ درست ہو جائیں اور اگر یہ دونوں خراب ہو جائیں تو سب لوگ خراب ہو جائیں: بادشاہ اور علماء۔

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قال الحافظ العراقی: سنده ضعيف۔

(فيض القدير ۴/۲۷۶، دارالكتب العلمية)

حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِس کی سند ضعیف ہے۔

جلیل القدر ائمہ و محدثین نے اِس حدیث کے معنیٰ کو درست اور اِس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن غیر مقلدین کے محققِ مبتدع اور مشہور غالی و متعصب البانی نے اپنی سرشت کے مطابق اِسے موضوع قرار دیا ہے، جو یقیناً باطل و مردود ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

(الضعيفة ۱/۷۰، رقم الحديث: ۱۶، دارالمعارف، الرياض)

(۲) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

شَهْرُ رَمَضَانَ مُعَلَّقٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَا يُرْفَعُ إِلَى اللهِ إِلَّا بِزَكَاةِ الْفِطْرِ۔

(الفردوس بمأثور الخطاب ۱/۲۳۵، رقم الحديث: ۹۰۱ ۔ والعلل المتناهية لابن

الجوزی ۲/۲۴۹ ، رقم الحدیث : ۸۲۴ ، دارالکتب العلمیة ، لسان المیزان للعسقلانی ۷/۳۳۴، رقم الحدیث: ۲۱۴۲، مکتب المطبوعات الاسلامیة)

رمضان کا مہینہ آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتا ہے اور جب تک صدقۂ فطر ادا نہ کردیا جائے اُسے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش نہیں کیا جاتا ہے۔

علامہ عبدالرحمن بن علی بن جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ اِس کے تحت فرماتے ہیں:

لایصح، فان فیه محمد بن عبید مجهول۔ (العلل المتناهیة ۲/۲۴۹)

یہ حدیث صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ اِس کی سند میں محمد بن عبید مجہول راوی ہے۔

امام ابومحمد عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۸۸۸ھ) فرماتے ہیں:

رواه أبوحفص بن شاهین فی فضائل رمضان، وقال: حدیث غریب، جید الاسناد۔

(الترغیب والترهیب ۲/۹۷، رقم الحدیث: ۱۶۵۳، دارالکتب العلمیة)

ابوحفص بن شاہین نے اِس حدیث کی روایت کرکے کہا ہے یہ غریب ہے، اسناد عمدہ ہے۔

علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

قضیة کلام المصنف أنه لم یره مخرجا لأحد من المشاهیر الذین وضع لهم الرموز وهو عجب، فقد خرّجه الدیلمی باللفظ المزبور عن جریر المذکور، وفیه ضعف۔ (فیض القدیر ۲/۵۷۸)

مصنف (علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ) کی بات کی حقیقت یہ ہے کہ اُنہوں نے جن مشاہیر (ابنِ شاہین اور احمد بن عیسیٰ مقدسی) کے اشاریے لکھے ہیں اُن کی اصل کتابوں کو نہیں دیکھا ہے، اور یہ عجیب بات ہے، ہاں مذکورہ الفاظ کے ساتھ دیلمی نے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ضرور تخریج کی ہے لیکن اِس میں ضعف ہے۔

(۳) امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ زَارَ قَبْرَ وَالِدَيْهِ كُلَّ جُمُعَةٍ فَقَرَأَ عِنْدَهُمَا أَوْ عِنْدَهُ يٰس غُفِرَلَهُ

بِعَدَدِ كُلِّ آيَةٍ أَوْ حَرْفٍ۔

(الكامل فى ضعفاء الرجال ٦/٢٦٠، دار الكتب العلمية ۔ و أخبار أصبهان لأبى نعيم ۳/۴۵۷، رقم الحديث: ۹۱۸، دار الكتب العلمية ۔ ومكارم الأخلاق لابن أبى الدنيا، ص: ۸۳، رقم الحديث: ۲۴۹، مكتبة القرآن، القاهرة۔)

جو شخص ہر جمعہ کو اپنے والدین کی قبر کی زیارت کرے اور اُن دونوں یا کسی ایک کی قبر کے پاس سورۂ یٰسٓ پڑھے تو ہر آیت یا ہر حرف کی تعداد کے مطابق اُس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

حافظ ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی رحمہ اللہ تعالی (م ۳۶۵ھ) لکھتے ہیں:

هذا الحديث بهذا الاسناد (محمد بن الضحاك بن عمرو بن أبي عاصم النبيل ۔ يزيد بن خالد الأصبهاني ۔ عمرو بن زياد ۔ يحيى بن سليم الطائفي ۔ هشام بن عروة ۔ أبوه عروة ۔ عائشة رضى الله تعالى عنها ۔ أبو بكر الصديق رضى الله تعالى عنه) باطل، ليس له أصل۔ ولعمرو بن زياد غير هذا من الحديث منها سرقة يسرقها من الثقات ومنها موضوعات وكان هو يتهم بوضعها ۔ (الكامل ٦/٢٦٠)

یہ حدیث مذکورہ سند کے ساتھ باطل ہے، اِس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ عمرو بن زیاد کی اِس کے علاوہ بھی روایات ہیں، کچھ کو اِس نے ثقہ راویوں سے چوری کر رکھا ہے اور کچھ موضوع ہیں، اور اِس پر حدیث وضع کرنے کی تہمت ہے۔

ابنِ عدی کی مذکورہ جرح پر امام جلال الدین سیوطی، علامہ ابنِ عراق کنانی اور علامہ محمد طاہر پٹنی رحمہم اللہ تعالی کہتے ہیں:

قلت له شاهد۔

(اللآلى المصنوعة ۲/۳۶۵ ۔ و تنزيه الشريعة ۲/۳۷۳ ۔ و تذكرة الموضوعات، ص: ۲۱۹)

یہ حدیث اگرچہ اِس سند کے ساتھ باطل ہے، لیکن اِس کا شاہد موجود ہے (یہ شاہد بھی

ضعیف ہے)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالی نے جس شاہد کی بات کی ہے وہ یہ ہے:

(۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَارَ قَبْرَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدِهِمَا فِي كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهُ وَ كُتِبَ بَرًّا ۔

(المعاجم الثلاثة للطبرانی: الکبیر ۱۹/۸۵، رقم الحدیث: ۱۹۳، والأوسط ۶/۱۷۵، رقم الحدیث: ۶۱۷۵، و الصغیر ۲/۱۶۰، رقم الحدیث: ۹۵۵، و شعب الایمان للبیهقی ۱۰/۲۹۷، رقم الحدیث: ۷۵۲۲، و الترغیب والترهیب لأبی القاسم اسماعیل بن محمد الأصبهانی ۱/۲۸۲، دارالحدیث، القاهرة، و الفردوس بمأثور الخطاب ۳/۴۹۵، رقم الحدیث: ۵۵۷۵)

جو ہر جمعہ کو اپنے والدین یا اُن میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے گا اُسے بخش دیا جائے گا اور اُسے نیکوکار لکھ دیا جائے گا۔

حافظ نور الدین ہیثمی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فیه عبد الکریم أبو أمیة، وهو ضعیف ۔ (مجمع الزوائد ۳/۸۷)

اِس کی سند میں ایک راوی عبد الکریم ابو امیہ ہیں، اور وہ ضعیف ہیں۔

لیکن امام زین الدین عراقی رحمہ اللہ تعالی نے عبد الکریم ابو امیہ کے سوا اِس روایت کے مزید دو راویوں پر جرح کی ہے، فرماتے ہیں:

محمد بن النعمان مجهول، و شیخه عند الطبرانی یحیی بن العلاء البجلی متروك ۔ (المغنی عن حمل الأسفار ۲/۱۲۸۸)

اِس حدیث کا راوی محمد بن نعمان مجہول ہے اور امام طبرانی کی روایت میں اِس کا شیخ یحییٰ بن علاء بجلی متروک ہے۔

اِس حدیث کو مذکورہ باطل روایت کا شاہد قرار دینے پر علامہ مناوی نے علامہ سیوطی پر تعقب کرتے ہوئے لکھا ہے:

وذلك غير صواب؛ لتصريحهم ، حتى هو بأن الشواهد لا أثر لها في الموضوع ،بل في الضعيف ونحوه ـ (فيض القدير ۶/۱۸۲)

یہ درست نہیں ہے؛ کیونکہ ائمۂ فن نے صراحت کردی ہے کہ شاہد سے موضوع روایت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ ضعیف اور اُس جیسی منکر روایات پر بھی کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

فقیر قادری کے نزدیک علامہ سیوطی کی بات درست ہے؛ کیونکہ شاہد سے حدیثِ موضوع کی تقویت یا اُس پر کسی طرح کی اثر انگیزی مقصود نہیں ہے، بلکہ بتانا یہ ہے کہ اُس باطل روایت کا معنی صحیح ہے جو دوسری روایت میں موجود ہے، گو کہ وہ بھی ضعیف ہے۔ ابنِ عدی کے اسلوب سے بھی یہی بات ظاہر ہے، چنانچہ ابنِ عدی نے مذکورہ روایت کو اُس خاص سند کے اعتبار سے باطل کہا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا، مطلقاً باطل نہیں کہا ہے۔

(۵) عليكم بدين العجائز ـ

بوڑھی عورتوں کا دین لازم پکڑلو۔

ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی ظاہری لکھتے ہیں:

ليس له أصل من رواية صحيحة ولا سقيمة إلا لمحمد بن عبد الرحمن البيلماني بغيير هذه العبارة ،له نسخة كان يتهم ـ

(معرفة التذكرة، ص: ۱۶۶، مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت)

اِس کی کسی صحیح وسقیم روایت میں کوئی اصل نہیں ہے، ہاں محمد بن عبدالرحمن بیلمانی نے اِس سے مختلف الفاظ میں روایت کی ہے، ابنِ بیلمانی کے پاس احادیث کا ایک مجموعہ تھا جس کی وضع کی تہمت ابنِ بیلمانی کے سر تھی۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

لا أصل له بهذا اللفظ ، ولكن عند الديلمي من حديث محمد بن عبد الرحمن البيلماني عن أبيه عن ابن عمر مرفوعا (إذا كان في آخر الزمان واختلفت الأهواء فعليكم بدين أهل البادية والنساء) وابن البيلماني ضعيف جدا ، قال ابن حبان: حدث عن أبيه بنسخة شبيها

بمائتي حديث كلها موضوعة لا يجوز الاحتجاج به ولا ذكره إلا على وجه التعجب ۔ (المقاصد الحسنة، ص: ۴۶۴)

ان الفاظ میں اِس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے، ہاں دیلمی نے محمد بن عبدالرحمن بیلمانی کے طریق سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ (جب آخری زمانہ ہو، اور خواہشات مختلف ہو جائیں تو دیہات والوں اور عورتوں کے دین کو مضبوطی سے پکڑلو) اور یہ ابنِ بیلمانی سخت ضعیف ہے، ابنِ حبان فرماتے ہیں: ابنِ بیلمانی کے پاس اِس کے باپ کی روایت کردہ تقریباً دوسو احادیث پر مشتمل ایک مجموعہ تھا جو سب کی سب موضوع تھیں، یہ نا قابلِ احتجاج ہے اور اِس کا ذکر بھی صرف تعجب وحیرت کے طور پر جائز ہے ورنہ نہیں۔

(۶) اختلاف أمتي رحمة ۔

میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

امام ابنِ ملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی مصری شافعی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

هذا الحديث لم أر من خرجه مرفوعا بعد البحث الشديد ۔

(تذکرة المحتاج، ص: ۱۷، المکتب الاسلامی، بیروت)

تلاشِ بسیار اور زبردست تحقیق کے باوجود مجھے پتہ نہیں چل سکا کہ اِس حدیث کی مرفوعاً تخریج کس نے کی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

اختلاف أمتي رحمة ۔ نية المؤمن خير من عمله ۔ من بورك له في شيء فليلزمه ۔ الخير عادة ۔ عرفوا ولا تعنفوا ۔ جبلت القلوب على حب من أحسن إليها ۔ أمرنا أن نكلم الناس على قدر عقولهم ۔ وكلها ضعيفة ۔ (تدریب الراوی ۲/۱۷۵)

یہ سب احادیث مشہور ہونے کے باجود ضعیف ہیں: میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ مومن کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے۔ جس چیز میں برکت ملے اُسے لازم پکڑلو۔

بھلائی ایک عادت ہے۔تعارف کراؤ سختی نہ کرو۔بھلائی کرنے والے کے ساتھ دلوں کو فطری طور پر محبت ہوتی ہے۔ہمیں حکم ہے کہ ہم لوگوں کی عقلوں کے مطابق بات کریں۔

علامہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:

البیهقی فی المدخل من حدیث سلیمان بن أبی کریمة عن جویبر عن الضحاك عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: (مهما أوتیتم من کتاب الله فالعمل به، لا عذر لأحد فی ترکه، فإن لم یکن فی کتاب الله فسنة منی ماضیة، فإن لم تکن سنة منی فما قال أصحابی، إن أصحابی بمنزلة النجوم فی السماء، فأیما أخذتم به اهتدیتم، واختلاف أصحابی لکم رحمة)، ومن هذا الوجه أخرجه الطبرانی والدیلمی فی مسنده بلفظه سواء۔ وجویبر ضعیف جدا والضحاك عن ابن عباس منقطع۔

وقد عزاه الزرکشی إلی کتاب الحجة لنصر المقدسی مرفوعا من غیر بیان لسنده ولا صحابیه وکذا عزاه العراقی لآدم بن أبی ایاس فی کتاب العلم والحکم بدون بیان بلفظ (اختلاف أصحابی رحمة لأمتی) قال وهو مرسل ضعیف، وبهذا اللفظ ذکره البیهقی فی رسالته الأشعریة بغیر اسناد وفی المدخل له من حدیث سفیان عن أفلح بن حمید عن القاسم بن محمد قال اختلاف أصحاب محمد رحمة لعباد الله ومن حدیث قتادة أن عمر بن عبد العزیز کان یقول ما سرنی لو أن أصحاب محمد لم یختلفوا لأنهم لو لم یختلفوا لم تکن رخصة ومن حدیث اللیث بن سعد عن یحیی بن سعید قال أهل العلم أهل توسعة وما برح المفتون یختلفون فیحل هذا ویحرم هذا فلا یعیب هذا علی هذا إذا علم هذا وقد قرأت بخط شیخنا إنه یعنی هذا الحدیث حدیث مشهور علی الألسنة وقد أورده ابن الحاجب فی المختصر فی مباحث

القياس بلفظ (اختلاف أمتي رحمة للناس) وكثر السؤال عنه وزعم كثير من الأئمة أنه لا أصل له لكن ذكره الخطابي في غريب الحديث مستطردا وقال اعترض على هذا الحديث رجلان أحدهما ماجن والآخر ملحد وهما إسحاق الموصلي وعمرو بن بحر الجاحظ وقالا جميعا لو كان الاختلاف رحمة لكان الاتفاق عذابا ثم تشاغل الخطابي برد هذا الكلام ولم يقع في كلامه شفاء في عزو الحديث ولكنه أشعر بأن له أصلا عنده ثم ذكر شيخنا شيئا مما تقدم في عزوه۔

(المقاصد الحسنة، ص: ٦٩، ٧٠)

امام بیہقی نے مدخل میں سلیمان بن ابوکریمہ، جویبر، ضحاک، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے طریق سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (کتاب اللہ سے تمھیں جو حکم ملے اُس پر عمل کرو، اُس کے ترک کرنے کی کسی کے لیے کوئی گنجائش نہیں، اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو میری گذشتہ سنت پر عمل کرو، اگر میری سنت میں بھی نہ ہو تیرے میرے صحابہ کے اقوال کو اختیار کرو، بے شک میرے صحابہ آسمان کے تاروں کی طرح ہیں، اِن میں سے جس کا دامن پکڑ لوگے ہدایت پا جاؤ گے، اور میرے صحابہ کا اختلاف تمھارے لیے رحمت ہے)، اِسی سند سے اور اِنھیں الفاظ کے ساتھ طبرانی اور دیلمی نے اپنی اپنی مسند میں بھی تخریج کی ہے۔ جویبر شدید ضعیف ہیں اور ضحاک وحضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان انقطاع ہے۔

امام زرکشی نے سند اور روایت کرنے والے صحابی کا نام بیان کیے بغیر اس کی نسبت نصر مقدسی کی کتاب الحجۃ کی طرف مرفوعاً کی ہے۔ اِسی طرح حافظ عراقی نے کتاب العلم والحکم میں آدم بن ابوایاس کی طرف نسبت کی ہے، لیکن (اختلاف أصحابي رحمة لأمتي) کے الفاظ ذکر نہیں کیے ہیں، اُس کے بعد لکھا ہے کہ یہ مرسل ضعیف ہے۔

اِنھیں الفاظ کے ساتھ بغیر سند کے بیہقی نے رسالۂ اشعریہ میں ذکر کیا ہے، اور اپنی کتاب المدخل میں سفیان، افلح بن حُمید کے طریق سے ہے کہ قاسم بن محمد نے کہا:

(محمد ﷺ کے صحابہ کا اختلاف اللہ تعالی کے بندوں کے لیے رحمت ہے)، اور حضرت قتادہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے تھے (اگر محمد ﷺ کے صحابہ کے درمیان اختلاف نہ ہوتا تو مجھے خوشی نہیں ہوتی؛ کیونکہ اگر اختلاف نہ ہوتا تو رخصت نہ ہوتی)، اور لیث بن سعد کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید فرماتے تھے: (اہلِ علم وسعت دینے والے ہوتے ہیں، جب تک اہلِ فتوی میں اختلاف رہے گا کہ یہ حلال ہے، یہ حرام ہے تو جاننے کے بعد ایک دوسرے پر عیب نہیں لگائیں گے)۔

میں نے اپنے شیخ (حافظ ابنِ حجر عسقلانی) کی یہ تحریر دیکھی ہے کہ یہ حدیث زبانوں پر مشہور ہے اور ابنِ حاجب نے مختصر الاصول کے مباحثِ قیاس میں اِس روایت کو اِن الفاظ میں ذکر کیا ہے: (میری امت کا اختلاف لوگوں کے لیے رحمت ہے)۔ اِس حدیث کے بارے میں سوالات بھی کثرت کے ساتھ ہوتے ہیں، بہت سے ائمہ نے تو فرمایا ہے کہ اِس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ لیکن امام خطابی نے غریب الحدیث میں ضمناً ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اِس حدیث پر دو لوگوں کو اعتراض ہے: پہلا اسحاق بن ابراہیم موصلی مسخرہ و بے ہودہ ہے اور دوسرا عمرو بن بحر جاحظ ملحد و بے دین ہے، دونوں کا کہنا ہے کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو اتفاق عذاب ہونا چاہیے۔ امام خطابی نے اگرچہ اِس اعتراض کا جواب دیا ہے، مگر حدیث کے اصل مخرج کی کوئی تسلی بخش نسبت بیان نہیں کی ہے، البتہ اُن کے اسلوب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک اِس کی کوئی نہ کوئی اصل ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانی نے اِس کے بعد وہی باتیں بیان کی ہیں جن کا اوپر ذکر ہو چکا۔

(۷) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ۔

(الابانة لابن بطة العكبرى ٥٦٥/٢، دار الراية، الرياض۔ و الكامل فى ضعفاء الرجال لابن عدى ٢٦٣/٣۔ جامع بيان العلم لابن عبدالبر ١٨١/٢، مؤسسة الريان۔ و المنتخب من مسند عبد بن حميد، ص: ٢٥٠، رقم الحديث: ٧٨٣، عالم الكتب، القاهرة۔ و غرائب

مالک للدارقطنی، ص: ۵۶)

میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں، ان میں سے جس کی اقتدا کروگے ہدایت پا جاؤگے۔

سند الحفاظ امام شہاب الدین ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

حديث (أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم) ، عبد بن حميد في مسنده من طريق حمزة النصيبي، عن نافع، عن ابن عمر ، وحمزة ضعيف جدا ، ضعفه ابن معين وغيره، ورواه الدارقطني في "غرائب مالك" من طريق جميل بن زيد، عن مالك، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، عن جابر ، وجميل لا يعرف، ولا أصل له في حديث مالك، ولا من فوقه، وذكره البزار من رواية عبد الرحيم بن زيد العمّي، عن أبيه، عن سعيد بن المسيب، عن عمر ، وعبد الرحيم كذاب، ومن حديث أنس أيضا وإسناده واهٍ، ورواه القضاعي في مسند الشهاب له من حديث الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة، وفي إسناده جعفر بن عبد الواحد الهاشمي، وهو كذاب، ورواه أبو ذر الهروي في "كتاب السنة" من حديث مندل، عن جويبر، عن الضحاك بن مزاحم منقطعا، وهو في غاية الضعف، قال أبو بكر البزار : هذا الكلام لم يصح عن النبي ﷺ ۔ وقال ابن حزم : هذا خبر مكذوب موضوع باطل، وقال البيهقي في "الاعتقاد" عقب حديث أبي موسى الأشعري الذي أخرجه مسلم بلفظ : (النجوم أمنة أهل السماء ، فإذا ذهبت النجوم أتى أهل السماء ما يوعدون، وأصحابي أمنة لأمتي، فإذا ذهب أصحابي أتى أمتي ما يوعدون) قال البيهقي : روي في حديث موصول بإسناد غير قوي يعني : حديث عبد الرحيم العمي وفي حديث منقطع يعني : حديث الضحاك بن مزاحم (مثل أصحابي كمثل النجوم في السماء ، من أخذ بنجم منها اهتدى) قال : والذي رويناه ههنا من الحديث الصحيح يؤدي بعض

معناه.

قلت: صدق البيهقي، هو يؤدي صحة التشبيه للصحابة بالنجوم خاصة، أما في الاقتداء فلا يظهر في حديث أبي موسى، نعم يمكن أن يتلمح ذلك من معنى الاهتداء بالنجوم، وظاهر الحديث إنما هو إشارة إلى الفتن الحادثة بعد انقراض عصر الصحابة: من طمس السنن، وظهور البدع، وفشو الفجور في أقطار الأرض، والله المستعان۔

(تلخيص الحبير ۴/۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، دار الكتب العلمية)

(میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں ، ان میں سے جس کی اقتدا کروگے ہدایت پا جاؤ گے) اِس حدیث کی تخریج عبد بن حمید نے اپنی مسند میں حمزہ نصیبی ، نافع ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق سے کی ہے۔حمزہ شدید ضعیف ہیں، یحییٰ بن معین وغیرہ نے اِن کو ضعیف کہا ہے۔اور دارقطنی نے غرائبِ مالک میں جمیل بن زید، مالک، جعفر بن محمد، اِن کے والد محمد، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریق سے تخریج کی ہے۔اور جمیل غیر معروف ہیں ، اور اِس حدیث کی مرویاتِ امام مالک میں کوئی اصل ہے نہ آپ سے اوپر۔اور بزّار نے عبدالرحیم بن زید عمی ، اِن کے والد زید عمی ،سعید بن مسیّب ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔اور عبدالرحیم کذاب ہے۔امام بزار نے بطریقِ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی روایت کی ہے، مگر اُس کی سند واہی و کمزور ہے۔اور شہاب قضاعی نے اپنی مسند میں اعمش، ابوصالح، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔لیکن اِس کی سند میں جعفر بن عبدالواحد ہاشمی ہے جو کذاب ہے۔اور ابوذر ہروی نے کتاب السنۃ میں مندل ، جویبر، ضحاک بن مزاحم سے منقطعاً روایت کی ہے، اور یہ طریق انتہائی ضعیف ہے۔امام ابوبکر بزار فرماتے ہیں: یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطریقِ صحت مروی نہیں ہے۔ ابنِ حزم نے کہا ہے یہ خبر جھوٹی ، موضوع اور باطل ہے۔امام مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اِس حدیث کی تخریج کی ہے کہ: (تارے اہلِ آسمان کے لیے امان ہیں، جب تارے ختم ہوجائیں گے تو آسمان والوں کا وعدہ آجائے گا

(یعنی قیامت آجائے گی) اور میرے صحابہ میری امت کے لیے امان ہیں، جب میرے صحابہ ختم ہوجائیں گے تو میری امت کا وعدہ (فتنوں کا ظہور) آجائے گا)، امام بیہقی الاعتقاد میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کی اِس حدیث کے بعد فرماتے ہیں: غیر قوی سند (یعنی بطریقِ عبدالرحیم عمی) حدیثِ موصول میں اور دوسری سند سے حدیثِ منقطع (یعنی بطریقِ ضحاک بن مزاحم) میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (میرے صحابہ کی حالت آسمان کے تاروں کی مانند ہے، جو شخص اِن میں سے کسی تارے کو پکڑلے گا وہ ہدایت پاجائے گا) ہم نے یہاں جو حدیثِ صحیح (حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث) بیان کی ہے اُس میں اِس منقطع روایت کے بعض معنی کا ذکر موجود ہے۔ میں (حافظ ابنِ حجر عسقلانی) کہتا ہوں: بیہقی نے بالکل سچ فرمایا؛ کیونکہ صحابہ کی ستاروں سے تشبیہ والی بات دونوں روایتوں میں موجود ہے، لیکن اقتدا والی بات حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت میں ظاہر نہیں ہے، ہاں اقتدا کا معنی ستاروں سے رہنمائی حاصل کیے جانے کے معنی سے تلمیحاً ثابت و درست مانا جاسکتا ہے، اور ظاہرِ حدیث سے دورِ صحابہ کے بعد نمودار ہونے والے فتنوں یعنی سنتوں کے مٹانے اور روئے زمین پر بدعات اور فسق و فجور کے ظہور کی طرف اشارہ ہے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

زينوا مجالسكم بالصلاة علي فإن صلاتكم علي نور لكم يوم القيامة۔

(الفردوس بمأثور الخطاب للديلمي ۲/۲۹۱، رقم الحديث: ۳۳۳۰)

تم اپنی مجلسوں کو مجھ پر درود پڑھ کر آراستہ کرلو؛ کیونکہ تمہارا مجھ پر درود پڑھنا قیامت کے دن تمہارے لیے نور ہوگا۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالی سے پوچھا گیا:

ما يقوله بعض المداح على أنه حديث: (زينوا مجالسكم بالصلاة

على فإن صلاتكم تبلغني أو تعرض على)، هل هو حديث ؟ وهل هو حسن أو صحيح أو ضعيف وما لفظه ؟.

کچھ نعت خواں حضرات کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے (تم اپنی مجلسوں کو مجھ پر درود پڑھ کر آراستہ کرلو؛ کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے، یا مجھ پر پیش کیا جاتا ہے)، کیا یہ حدیث ہے؟ اگر حدیث ہے تو یہ حدیث حسن ہے، یا صحیح ہے، یا ضعیف ہے، اور اُس کے الفاظ کیا ہیں؟

علامہ سیوطی جواب میں فرماتے ہیں:

هذا الحديث ضعيف أخرجه الديلمي في مسند الفردوس بلفظ : (زينوا مجالسكم بالصلاة عليّ ؛ فإن صلاتكم عليّ نور لكم يوم القيامة)، وأما قوله : (فإن صلاتكم تعرض عليّ أو تبلغني) فقطعة من حديث آخر ثابت قوي، أوله :(صلوا عليّ حيثما كنتم فإن صلاتكم تبلغني) رواه الطبراني من حديث الحسن بن علي.

(الحاوي للفتاوى ۱/۳۵۹ ، دار الكتب العلمية)

یہ حدیث ضعیف ہے، دیلمی نے مسند الفردوس میں اِن الفاظ میں تخریج کی ہے: (اپنی مجلسوں کو مجھ پر درود سے سجالو؛ اِس لیے کہ تمہارا مجھ پر درود بھیجنا قیامت کے دن تمہارے لیے نور ہوگا) رہے یہ الفاظ کہ: (تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، یا مجھ تک پہنچتا ہے) تو یہ دوسری ثابت وقوی حدیث کا حصہ ہیں، جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے: (تم جہاں ہو مجھ پر درود پڑھو؛ کیونکہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے) طبرانی نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اِس کو روایت کیا ہے۔

امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الديلمي بسند ضعيف ۔ (المقاصد الحسنة، ص: ۳۸۰)

دیلمی نے سندِ ضعیف سے اِس کو روایت کیا ہے۔

امام شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هو حديث ضعيف۔ (الفتاوى الحديثية، ص: ۳۵۵، مصطفى الحلبى، مصر)

یہ حدیث ضعیف ہے۔

اِسی طرح علامہ عبدالرؤف مناوی، علامہ محمد طاہر پٹنی اور شیخ اسماعیل بن محمد عجلونی رحمہم اللہ تعالی نے بھی اِس روایت کو واضح الفاظ میں ضعیف لکھا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(فيض القدير بشرح الجامع الصغير ۴/۹۱۔ و التيسير بشرح الجامع الصغير ۲/۸۹۔ و تذكرة الموضوعات، ص: ۸۹۔ وكشف الخفاء و مزيل الالباس ۱/۴۴۴)

(۹) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

رجب شهر الله عز وجل، وشعبان شهري، ورمضان شهر أمتي۔

(الفردوس بمأثور الخطاب ۲/۳۹۶۔ والترغيب و الترهيب للأصبهانى ۲/۳۹۶۔ و معجم شيوخ ابن عساكر ۱/۱۱۴)

رجب اللہ عزوجل کا مہینہ ہے، شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔

امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وورد فى فضل رجب من الأحاديث الباطلة. أحاديث لا بأس بالتنبيه عليها؛ لئلا يغتر بها منها حديث: (رجب شهر الله، وشعبان شهري، ورمضان شهر أمتي)۔

(تبيين العجب بما ورد فى فضل رجب للعسقلانى، ص: ۴۰)

ماہِ رجب کی فضیلت میں بہت سی باطل روایات مروی ہیں، اُن میں سے کچھ پر تنبیہ کر دینا مناسب ہے تاکہ لوگ فریب میں مبتلا نہ ہو جائیں، اُن میں سے ایک روایت یہ ہے کہ (رجب اللہ تعالی کا مہینہ ہے، شعبان میرا مہینہ ہے اور رمضان میری امت کا مہینہ ہے)

امام ابنِ جوزی، علامہ جلال الدین سیوطی اور شیخ عجلونی وغیرہم اہلِ علم نے اِس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(الموضوعات لابن الجوزى ۲/۱۲۴، دار الكتب العلمية۔ و تذكرة الموضوعات لأبى

الفضل المقدسی، ص: ۴۲۔ اللآلی المصنوعة ۲/۴۶۔ کشف الخفاء ۱/۴۲۳)

لیکن کئی اہلِ علم نے اِس روایت کو مرسلاتِ امام حسن بصری رضی اللہ تعالی عنہ میں شمار کیا ہے اور اِس حیثیت سے ثابت مانا ہے۔

(۱۰) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ : الأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْعُلَمَاءُ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ ۔

(السنن لابن ماجة ۵/۳۶۷، رقم الحديث : ۴۳۱۳، دار الكتب العلمية ۔ الامالی للخلال، ص: ۲۰، رقم الحديث: ۲، دا احياء التراث العربی، بيروت ۔ و الكامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ۶/۴۶۱ ۔ والضعفاء الكبير للعقيلی ۳/۷، رقم الحديث : ۱۵۵۴، دار الكتب العلمية ۔ و جامع بيان العلم ۱/۷۴، رقم الحديث: ۱۱۴ ۔ و الشريعة للآجری، ص: ۳۵۰ ۔ و أخلاق العلماء للآجری، ص: ۳۶، رقم الحديث : ۴۹ ۔ و تاريخ بغداد للخطيب البغدادی ۱۱/۱۷۷ ۔ و مسند البزار ۲/۲۷، رقم الحديث: ۳۷۲، وفيه (المؤذنون) بدل العلماء ۔ و شعب الايمان ۳/۲۲۷)

قیامت کے دن تین جماعتیں شفاعت کریں گی: انبیاءِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام، علماءِ اسلام اور شہداءِ عظام رحمہم اللہ تعالی۔

علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ تعالی تحریر فرماتے ہیں:

جزم الحافظ العراقی بضعف الخبر ۔ (فيض القدير ۶/۵۹۸)

حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ تعالی نے یقین سے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

خیال رہے کہ اگرچہ یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، لیکن انبیاءِ کرام، خصوصاً مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کا اپنی امت کی شفاعت کرنا احادیثِ صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے۔

(۱۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ارشاد فرماتے ہیں:

اِسْتَفْرِهُوْا ضَحَايَاكُمْ ؛ فَإِنَّهَا مَطَايَاكُمْ عَلَى الصِّرَاطِ ۔ و فی رواية : عَظِّمُوْا ضَحَايَاكُمْ ؛ فَإِنَّهَا عَلَى الصِّرَاطِ مَطَايَاكُمْ ۔

(الفردوس بمأثور الخطاب ۱/۸۵، رقم الحديث: ۲۶۸)

اپنی قربانی کے جانور عمدہ اور چھانٹ کرلو؛ کیونکہ یہ پل صراط پر تمہاری سواری ہیں۔

امام ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

حديث (عظموا ضحاياكم؛فإنها على الصراط مطاياكم)، لم أره، وسبقه إليه في "الوسيط"، وسبقهما في "النهاية"، وقال معناه: إنها تكون مراكب المُضَحِّين.وقيل: إنها تُسَهِّلُ الجواز على الصراط. قال ابن الصلاح: هذا الحديث غير معروف ولا ثابت فيما علمناه، انتهى .وقد أشار ابن العربي إليه في "شرح الترمذي" بقوله: ليس في فضل الأضحية حديث صحيح، ومنها قوله: (إنها مطايكم إلى الجنة). قلت: أخرجه صاحب "مسند الفردوس" من طريق ابن المبارك، عن يحيى بن عبيد الله بن موهب، عن أبيه، عن أبي هريرة رفعه: (استفرهوا ضحاياكم؛ فإنها مطاياكم على الصراط) ويحيى ضعيف جدا.

(تلخيص الحبير ۴/۳۴۱)

یہ حدیث (اپنی قربانی کے جانور عمدہ لو؛ کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہیں) میری نظر سے نہیں گذری ہے۔ اِس حدیث کو رافعی سے پہلے وسیط میں اور اِن دونوں سے پہلے نہایہ میں بیان کیا گیا ہے، صاحبِ نہایہ نے اِس کا معنی یہ بیان کیا ہے: قربانی کے جانور قربانی کرنے والوں کی سواریاں ہوں گے۔ یہ معنی بھی بتایا گیا ہے کہ: یہ جانور پل صراط سے گذرنے میں آسانی کا سبب بنیں گے۔ ابنِ صلاح کہتے ہیں: یہ حدیث نہ تو معروف ہے اور نہ ہمارے علم کے مطابق ثابت ہے۔ ابنِ عربی نے بھی شرح ترمذی میں اِسی طرف اشارہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں: قربانی کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے، غیر صحیح احادیث میں سے یہ بھی ہے کہ (قربانی کے جانور جنت تک تمہاری سواریاں ہیں)۔ میں (ابنِ حجر عسقلانی) کہتا ہوں کہ صاحبِ مسند الفردوس نے ابنِ مبارک، یحیٰی بن عبید اللہ بن موہب، عبید اللہ بن موہب، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے طریق سے مرفوعاً اِس حدیث کی اِن الفاظ میں تخریج کی ہے: (اپنی قربانی کا جانور چھانٹ کرلو؛ کیونکہ یہ پل صراط پر تمہاری

سواری ہیں)، اور یحییٰ بن عبید اللہ شدید ضعیف ہے۔

(۱۲) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سَيِّدُ طَعَامِ أَهْلِ الدُّنْيَا، وَأَهْلِ الْجَنَّةِ اللَّحْمُ۔

(السنن لابن ماجة ۴/۳۴۶، رقم الحدیث: ۳۳۰۵)

اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت کے کھانے کا سردار گوشت ہے۔

امام ابنِ ماجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

سلیمان بن عطاء ضعیف۔ (الزوائد للسنن ۲/۱۰۹۹، دار الفکر، بیروت)

اِس حدیث کی سند میں سلیمان بن عطا ضعیف ہیں۔

قارئینِ کرام! ہم نے مذکورہ احادیث سے متعلق اختصار کے ساتھ اہلِ علم وفن کے ارشادات نقل کر دیئے جن سے ظاہر ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں؛ لہٰذا اِن سے کسی حکمِ شرعی کا اثبات نہیں ہوسکتا، البتہ جمہور کے مذہب کے مطابق فضائلِ اعمال میں اِن پر عمل کرنا جائز ہے۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے، طوالت کے خوف سے مندرجہ ذیل احادیث کے تراجم پر اکتفا کیا جارہا ہے، بس اتنا ذہن میں محفوظ فرمالیجیے کہ یہ احادیث بھی سند وطریق کے اعتبار سے ضعیف ہیں، اور اِن سے احکامِ شرعیہ کا ثبوت نہیں ہوسکتا البتہ فضائل ومناقب، ترغیب و ترہیب وغیرہ میں اِن پر عمل کرنا درست ہے۔

(۱۳) حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ نَتَذَاكَرُ مَا يَكُونُ، إِذْ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا سَمِعْتُمْ بِجَبَلٍ زَالَ عَنْ مَكَانِهِ، فَصَدِّقُوا، وَإِذَا سَمِعْتُمْ بِرَجُلٍ تَغَيَّرَ عَنْ خُلُقِهِ، فَلاَ تُصَدِّقُوا بِهِ، وَإِنَّهُ يَصِيرُ إِلَى مَا جُبِلَ عَلَيْهِ.

(مسند أحمد بن حنبل ۶/۴۴۳، رقم الحدیث: ۲۷۵۳۹)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مستقبل سے متعلق امور پر باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اُس کو سچ سمجھو، اور اگر یہ سنو کہ کسی شخص کی فطرت بدل گئی ہے تو اُس کی تصدیق نہ کرو، کیونکہ ہر شخص اپنی جبلت و

فطرت کی طرف پلٹتا ہے۔

امام شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وهو منقطع؛ فالزهري لم يدرك أبا الدرداء، ولكن له شواهد۔

(المقاصد الحسنة، ص: ۲۱۷)

یہ حدیث منقطع ہے؛ اِس لیے کہ زہری نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالی عنہ کو نہیں پایا تھا، لیکن اِس کے شواہد موجود ہیں۔

(۱۴) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من حدث حديثا فعطس عنده، فهو حق۔

(مسند أبی يعلی ۱۱/۲۳۳ ، رقم الحديث : ۶۳۵۲ ۔ و المعجم الكبير للطبرانی ۱۹/۴۶۷ ، رقم الحديث: ۱۱۱۷ ۔ و المعجم الأوسط له ۶/۳۱۷ ، رقم الحديث: ۶۵۰۹ ۔ و شعب الايمان للبيهقی ۱۱/۵۰۹ ، رقم الحديث: ۸۹۲۰ ۔ و الفوائد لتمّام الرازی ۲/۱۶ ، رقم الحديث: ۱۰۰۵)

جسے کوئی بات کرتے ہوئے چھینک آجائے تو سمجھ لو کہ وہ بات حق ہے۔

(۱۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

السَّخِيُّ قَرِيبٌ مِنَ اللهِ قَرِيبٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِيبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِيدٌ مِنَ النَّارِ ، وَالْبَخِيلُ بَعِيدٌ مِنَ اللهِ بَعِيدٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِيدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِيبٌ مِنَ النَّارِ ، وَالْجَاهِلُ السَّخِيُّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ عَابِدٍ بَخِيلٍ ۔

(السنن للترمذی ۴/۳۴۲ ، رقم الحديث : ۱۹۶۱ ۔ والمعجم الأوسط للطبرانی ۳/۲۷ ، رقم الحديث: ۲۳۶۳ ۔ و تهذيب الآثار لابن جرير الطبری ۱/۱۴۶ ، رقم الحديث: ۱۳۳)

سخی اللہ تعالی سے قریب، جنت سے قریب، لوگوں سے قریب اور جہنم سے دور ہے،

اور بخیل اللہ تعالی سے دور، جنت سے دور، لوگوں سے دور اور جہنم سے قریب ہے، اور اللہ تعالی کو جاہل سخی، عابد بخیل سے زیادہ پسند ہے۔

(۱۶) حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لاصلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد۔

(السنن للدارقطنی ۲/۲۹۲، رقم الحدیث: ۱۵۵۲، عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالی عنہ، ورقم الحدیث: ۱۵۵۳، عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالی عنہ۔ و السنن الکبری للبیھقی ۳/۵۷، رقم الحدیث: ۵۱۴۲۔ و المسترک للحاکم ۱/۳۷۳، رقم الحدیث: ۸۹۸۔ و مسند الربیع بن حبیب، ص: ۱۰۸، رقم الحدیث: ۲۵۶، دار الحکمۃ، بیروت۔ وھو مروی موقوفا علی أمیر المؤمنین سیدنا علی بن أبی طالب رضی اللّٰہ تعالی عنہ عند البیھقی، و ابن أبی شیبۃ، و عبدالرزاق وغیرھم کثیر)

مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد میں ہوتی ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

وھو ضعیف (أی ماروی عن أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ مرفوعا)۔ (معرفۃ السنن والآثار ۲/۳۶۸، دار الکتب العلمیۃ)

یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مرفوعاً بھی مروی ہے لیکن ضعیف ہے۔

حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

أخرجه الدارقطنی من حدیث جابر و و أبی ھریرۃ باسنادین ضعیفین۔ (المغنی عن حمل الأسفار ۱/۱۰۶، مکتبۃ طبریۃ، الریاض)

دارقطنی نے حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہما سے اِس حدیث کی ضعیف سندوں سے تخریج کی ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

حدیث (لاصلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد) مشھور بین الناس،

وھو ضعیف لیس له اسناد ثابت ، أخرجه الدارقطنی عن جابر و أبی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنھما ۔ (تلخیص الحبیر ۲/۷۷)

یہ حدیث (مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں مگر مسجد میں) لوگوں کے درمیان مشہور ہے، حالانکہ وہ ضعیف ہے اِس کی کوئی سند ثابت نہیں ہے، دارقطنی نے حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اِس کی تخریج کی ہے۔

(۱۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

انّ من حق الولد علی الوالد أن یحسن اسمه، و یحسن أدبه ۔

(مسند البزار ۱۵/۱۷۶ ، رقم الحدیث : ۸۵۴۰ ۔ وفی الباب عن ابن عباس و أم المؤمنین عائشة رضی اللّٰہ تعالی عنھم)

اولاد کا والد پر یہ بھی حق ہے کہ اُس کا اچھا نام رکھے اور اُس کی عمدہ تربیت کرے۔

(۱۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من صلی علی یوم الجمعة ثمانین مرۃ غفر اللہ له ذنوب ثمانین عاما ، فقیل له : و کیف الصلاۃ علیك یا رسول اللہ ؟ قال : تقول : اللھم صل علی محمد عبدك ونبیك ورسولك النبی الأمی ، وتعقد واحدا.

(تاریخ بغداد ۱۵/۶۳۶ ، تحت ترجمة وھب بن داؤد بن سلیمان أبی القاسم المخرمی، دارالغرب الاسلامی، بیروت)

جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسّی مرتبہ درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اُس کے اسّی سال کے گناہ معاف فرمادے گا، عرض کیا گیا: یارسول اللہ! آپ پر درود کی کیفیت کیا ہونا چاہیے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: اِس طرح پڑھو: (اللھم صل علی محمد عبدک ونبیک ورسولک النبی الأمی) یہ ایک مرتبہ ہوا۔

علامہ عبدالرحمن بن علی بن جوزی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

هذا حديث لا يصح ۔ قال أبو بكر الخطيب : وهب بن داؤد ليس بثقة ۔ (العلل المتناهية فى الأحاديث الواهية ۱/۲۶۴ ، رقم الحديث: ۲۹۶)

یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔امام ابوبکر خطیب نے کہا ہے کہ اِس کے ایک راوی وہب بن داؤد ثقہ نہیں ہیں۔

(۱۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اغْزُوا تَغْنَمُوا، وَصُومُوا تَصِحُّوا، وَسَافِرُوا تَسْتَغْنُوا ۔

(المعجم الكبير للطبرانى ۱۹/۴۹۸ ، رقم الحديث : ۱۱۹۰ ۔ و المعجم الأوسط له ۸/۱۷۴، رقم الحديث: ۸۳۱۲۔ والضعفاء الكبير للعقيلى ۳/۲۰۴، رقم الحديث: ۱۲۶۱)

جہاد کرو غنیمت پاؤ گے، روزے رکھو تندرست ہو جاؤ گے اور سفر کرو مالدار ہو جاؤ گے۔

(۲۰) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں:

أوحى الله إلى عيسى عليه السلام يا عيسى آمن بمحمد وأمر من أدركه من أمتك أن يؤمنوا به، فلولا محمد ما خلقت آدم ، ولولا محمد ما خلقت الجنة ولا النار ، ولقد خلقت العرش على الماء فاضطرب فكتبت عليه: لا إله إلا الله محمد رسول الله، فسكن ۔

(المستدرك ۲/۶۷۱ ، رقم الحديث : ۴۲۲۷ ۔ طبقات المحدثين لأبى الشيخ الأصبهانى، ص: ۱۴۴ ، رقم الحديث: ۴۹۷، دار الكتب العلمية)

اللہ تعالی نے حضرت عیسی علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے عیسی! محمد پر ایمان لاؤ، اور اُن کو پانے والے اپنے ہر امتی کو حکم دے دو کہ وہ اُن پر ایمان لائے، کیونکہ محمد نہ ہوتے تو میں جنت و دوزخ کو پیدا نہ فرماتا، اور میں نے جب پانی پر عرش کو پیدا فرمایا تو اس میں اضطراب پیدا ہو گیا، تو میں نے اس پر لکھ دیا (لا إله إلا الله محمد رسول الله) تو وہ پرسکون ہو گیا۔

امام حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه. (المستدرک ۲/۶۷۱)

یہ حدیث سنداً صحیح ہے، اور شیخین نے اِس کی تخریج نہیں کی ہے۔

امام شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أظنه موضوعا على سعيد. (تلخیص المستدرک ۲/۵۰۰)

میں سمجھتا ہوں کہ اِسے عمرو بن اوس انصاری نے سعید بن ابوعروبہ کے نام سے وضع کیا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ عمرو بن اوس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

عمرو بن أوس: يجهل حاله، أتى بخبر منكر أخرجه الحاكم في مستدركه، وأظنه موضوعا، من طريق جندل بن والق. حدثنا عمرو بن أوس، حدثنا سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن سعيد بن المسيب، عن ابن عباس، قال: أوحى الله إلى عيسى آمن بمحمد، فلولاه ما خلقت آدم ولا الجنة ولا النار... الحديث. (میزان الاعتدال ۳/۲۴۶)

عمرو بن اوس مجہول الحال ہے، اِس کی ایک منکر خبر کی حاکم نے تخریج کی ہے جو میرے نزدیک موضوع ہے، اُس کا طریق یہ ہے: جندل بن والق، عمرو بن اوس، سعید بن ابوعروبہ، قتادہ، سعید بن مسیب، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں: (اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ محمد پر ایمان لاؤ، اگر محمد نہ ہوتے تو میں آدم، جنت اور دوزخ کو پیدا نہ فرماتا۔۔۔۔۔۔ الحدیث)۔

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی امام ذہبی کی بات کو ثابت رکھا ہے، ملاحظہ فرمائیے: (لسان المیزان ۶/۱۸۹، مکتب المطبوعات الاسلامیۃ، بیروت)

اگرچہ علماء و محدثین کی ایک جماعت نے امام حاکم کے تساہل کی وجہ سے اُن کی تصحیح کو نظر انداز کرتے ہوئے مذکورہ روایت کو موضوع و باطل قرار دیا ہے، لیکن بعض محققین اور اہلِ علم نے حاکم کی تصحیح سے اتفاق بھی کیا ہے جیسے امام تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی (م ۷۵۶ھ) اور امام ابن حجر ہیتمی مکی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما۔ ملاحظہ فرمائیے:

(شفاء السقام، ص: ۱۲۱، دائرة المعارف النظامية، حیدرآباد۔ و الفتاوی الحديثية، ص: ۴۵۵، دار الكتب العلمية)

(۲۱) حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد۔

(أمالي أبي القاسم بن بشران ۱/۳۱، رقم الحديث: ۵۰۱۔ و الزهد الكبير للبيهقي ۱/۲۲۱، رقم الحديث: ۲۱۷، دار المعرفة، بيروت۔ الترغيب و الترهيب للمنذري ۱/۴۱، دار الكتب العلمية۔ و الكامل في الضعفاء لابن عدي ۳/۱۷۴، تحت الترجمة رقم: ۴۶۰)

جو میری امت کے بگاڑ کے وقت میری سنت پر مضبوطی سے قائم رہے گا اُس کے لیے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

اِس حدیث کی سند میں ایک راوی حسن بن قتیبہ ہیں جن پر محدثین نے کلام کیا ہے، حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال بن عدي : أرجو انه لا بأس به ۔ قلت : بل هو هالك، قال الدارقطني في رواية البرقاني : متروك الحديث ، وقال أبو حاتم : ضعيف، وقال الأزدي: واهي الحديث، وقال العقيلي : كثير الوهم ۔

(لسان الميزان ۳/۱۰۷)

ابنِ عدی نے کہا: میں امید کرتا ہوں اِن میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں یہ ہالک و برباد ہے۔ برقانی کی روایت میں دارقطنی نے کہا: متروک الحدیث ہے۔ ابو حاتم نے کہا: ضعیف ہے۔ ازدی نے کہا: واہی الحدیث ہے۔ عقیلی نے کہا: کثیر الوہم ہے۔

(۲۲) حضرت ابو درداء، حضرت ابو امامہ، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جَنِّبُوا مَسَاجِدَكُمْ صِبْيَانَكُمْ ، وَمَجَانِينَكُمْ ، وَشِرَارَكُمْ ، وَبَيْعَكُمْ، وَخُصُومَاتِكُمْ ، وَرَفْعَ أَصْوَاتِكُمْ ، وَإِقَامَةَ حُدُودِكُمْ ، وَسَلَّ

سُيُوفِكُمْ ،وَاتَّخِذُوا عَلَى أَبْوَابِهَا الْمَطَاهِرَ ،وَجَمِّرُوهَا فِي الْجُمَعِ ۔

(السنن لابن ماجة ۱/۴۸۱ ، رقم الحديث : ۷۵۰ ۔ و السنن الكبرى للبيهقى ۱۰/۱۰۳ ، رقم الحديث : ۲۰۷۶۵ ۔ و المعجم الكبير ۷/۱۴۲ ، رقم الحديث : ۴۷۸۱ ۔ ومصنف عبدالرزاق ۱/۴۴۱ ،رقم الحديث: ۱۷۲۶)

اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں ، پاگلوں ، شریروں ، خریدوفروخت ، جھگڑوں ، بلندآوازوں، حدقائم کرنے اورتلواریں سونتنے سے بچاؤ، اورطہارت خانے مسجدوں کے دروازے پر بناؤاوراُنہیں جمعہ کے دن خوشبوؤں سے بساؤ۔

(۲۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

ابنتی فاطمة حوراء آدمية لم تحض ولم تطمث، وإنما سماها فاطمة ،لأن الله فطمها ومحبيها من النار ۔

(معجم الشيوخ لابن جميع الصيداوى ۲/۲۱۶ ، رقم الحديث : ۳۳۶ ۔ و تاريخ بغداد للخطيب البغدادى ۱۲/۳۳۱)

میری بیٹی فاطمہ حیض ونفاس سے پاک انسانی حور ہے، اوراُس کا نام فاطمہ اِس لیے رکھاہے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے اُسے اوراُس سے محبت کرنے والوں کوجہنم سے محفوظ فرمادیاہے۔

امام ابوبکرخطیب بغدادی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ليس بثابت و فيه مجاهيل ۔ (اللآلى المصنوعة ۱/۳۶۵)

یہ روایت ثابت نہیں ہے اس میں مجہول راوی ہیں۔

(۲۴) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشادفرماتے ہیں:

من بلغه عن الله شيء فيه فضيلة فأخذ به إيمانا به ورجاء ثوابه أعطاه الله ذلك وإن لم يكن كذلك ۔ (الترغيب والترهيب لقوام السنة ، رقم الحديث:۵۷۔ وجامع الحديث، رقم الحديث: ۲۱۶۶۵)

جس کو اللہ تعالیٰ سے کسی چیز میں فضیلت کی خبر ملے وہ اُس پر یقین کر کے اور اُس پر ثواب کی امید سے عمل کر لے تو اللہ تعالیٰ اُسے وہ فضیلت عطا فرمادے گا اگرچہ وہ خبر واقع کے خلاف ہو۔

(۲۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

من بلغه عن الله فضل فأخذ بذلك الفضل الذي بلغه، أعطاه الله ما بلغه وإن كان الذي حدثه كاذبا.

(تلخيص كتاب الموضوعات للذهبي، ص: ۱۷۶۔ واللآلي المصنوعة للسيوطي، ج: ۱، ص: ۱۹۶۔ وتنزيه الشريعة المرفوعة، ج: ۱، ص: ۲۶۵)

جسے اللہ تعالیٰ سے کسی فضل کی خبر ملے وہ اُس پر عمل کر لے اللہ تعالیٰ اسے وہ فضل عطا فرمائے گا اگرچہ بیان کرنے والا جھوٹا ہو۔

(۲۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من بلغه عن الله فضيلة فلم يصدق بها لم ينلها.

(مسند أبي يعلى، رقم الحديث: ۳۴۴۳)

جسے اللہ تعالیٰ سے کی فضیلت وثواب کی خبر پہنچے وہ اسے نہ مانے تو اُس فضیلت سے محروم رہے گا۔

(۲۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

ارحموا ثلاثة: عزيز قوم ذل، وغني قوم افتقر، وعالما يتلاعب به الصبيان۔ (تنزيه الشريعة المرفوعة، ج: ۱، ص: ۲۶۳)

تین لوگوں پر رحم کرو: کسی قوم کا وہ عزت دار جو ذلیل ہو گیا ہو، کسی قوم کا مالدار جو محتاج ہو گیا ہو اور وہ عالم جس کی بچے مذاق اڑاتے ہوں۔

(۲۸) حضرت انس بن مالک، حضرت عمران بن حصین، حضرت نعمان بن بشیر اور

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالی عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یوزن یوم القیامة مداد العلماء ودم الشهداء، فیرجح مداد العلماء علی دم الشهداء۔

(الجامع الصغیر للسیوطی، رقم الحدیث: ۱۰۰۲۶۔ و العلل المتناهیة، ج: ۱، ص: ۸۱۔ وجامع بیان العلم، ج: ۱، ص: ۱۷۴)

قیامت کے دن علماء کے قلم کی سیاہی اور شہداء کے خون کو تولا جائے گا تو علماء کے قلم کی سیاہی شہداء کے خون پر غالب آجائے گی۔

(۲۹) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

یَا رَسُولَ اللّٰہِ، مَا هٰذِهِ الأَضَاحِيُّ؟ قَالَ: سُنَّةُ أَبِیکُمْ إِبْرَاهِیمَ، قَالُوا: فَمَا لَنَا فِیهَا یَا رَسُولَ اللّٰہِ؟ قَالَ: بِکُلِّ شَعَرَةٍ، حَسَنَةٌ، قَالُوا: فَالصُّوفُ؟ یَا رَسُولَ اللّٰہِ، قَالَ: بِکُلِّ شَعَرَةٍ مِنَ الصُّوفِ، حَسَنَةٌ.

(السنن لابن ماجة، رقم الحدیث: ۳۱۲۷۔ و مسند أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۱۹۳۰۲۔ والسنن الکبری للبیهقی، رقم الحدیث: ۱۹۴۹۰)

یارسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہیں، صحابہ نے عرض کیا: اِن میں ہمارے لیے کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: ہر بال کے بدلہ ایک نیکی ہے، صحابہ نے عرض کیا: اور اون؟ ارشاد فرمایا: اون کے ہر بال کے بدلہ بھی ایک نیکی ہے۔

(۳۰) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من کن فیه أظله الله تحت ظل عرشه یوم لا ظل إلا ظله، الوضوء علی المکاره، والمشي إلی المساجد فی الظلم، وإطعام الجائع۔

(الأمالی المطلقة للعسقلانی، ص: ۱۰۸۔ وجامع الحدیث للسیوطی، رقم الحدیث:

۴۵۰۱۶)

تین باتیں جس میں ہوں گی اللہ تعالی اُس دن اُسے اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا جس دن اُس کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا: دشواریوں کی حالت میں وضو کرنا، تاریکیوں میں مسجد جانا اور بھوکے کو کھانا کھلانا۔

(۳۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من ألقى جلباب الحياء فلا غيبة له.

(السنن الكبرى للبيهقي، رقم الحديث: ۲۱۴۴۳۔ و معانی الأخبار للكلاباذی، ص: ۱۵۴۔ و مسند الشهاب للقضاعی، رقم الحديث: ۴۰۷)

جو شخص حیا کی چادر اتار دے اُس کی کوئی غیبت نہیں۔

(۳۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

إذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذلك العرش.

(شعب الايمان، رقم الحديث: ۴۵۵۴)

جب فاسق کی تعظیم کی جاتی ہے تو اللہ تعالی غضب فرماتا ہے اور اُس کی وجہ سے عرش کانپ اٹھتا ہے۔

(۳۳) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

التائب من الذنب كمن لا ذنب له، وإذا أحب الله عبدا لم يضره ذنب. (الفردوس بمأثور الخطاب، رقم الحديث: ۲۴۳۲)

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اُس کا کوئی گناہ نہیں اور جب اللہ تعالی کسی بندہ کو پسند فرما لیتا ہے تو اُسے کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا۔

(۳۴) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ارشاد فرماتے ہیں:

التائب من الذنب كمن لا ذنب له، والمستغفر من الذنب وهو مقيم عليه كالمستهزء بربه، ومن آذى مسلما كان عليه من الأثم مثل منابت النخل.

(السنن لابن ماجة، رقم الحديث: ۴۲۵۰۔ والمعجم الكبير، رقم الحديث: ۱۰۱۲۸۔ والسنن الكبرى للبيهقي، رقم الحديث: ۲۱۰۷۰)

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اُس کا کوئی گناہ نہیں، اور گناہ پر قائم رہتے ہوئے توبہ کرنے والے والا اپنے رب سے استہزا کرنے والے کی طرح ہے، اور جو کسی مسلمان کو تکلیف دے گا اُس پر کھجور کے باغات کی طرح گناہ ہوگا۔

(۳۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

من لبس نعلا صفراء لم يزل في سرور ما دام لابسها۔

(المعجم الكبير للطبراني، رقم الحديث: ۱۰۴۶۵۔ و معجم ابن الأعرابي، رقم الحديث: ۱۹۴۱۔ والضعفاء الكبير للعقيلي، رقم الحديث: ۳۷۱)

جو پیلا جوتا پہنے گا جب تک اُس کو پہنے ہے خوش رہے گا۔

(۳۶) حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المتعبد بلا فقه كالحمار في الطاحونة.

(الكامل في الضعفاء لابن عدي، ج: ۸، ص: ۲۵۶)

بغیر علم کے عبادت کرنے والے والا چکی میں گھومنے والے گدھے کی طرح ہے۔

(۳۷) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آفة الدين ثلاثة: فقيه فاجر، وإمام جائر، ومجتهد جاهل۔

(أخبار أصبهان لأبي نعيم، رقم الحديث: ۱۹۵۳۔ والجامع الصغير للسيوطي، رقم

الحديث: ۱۱)

دین کے لیے تین لوگ آفت ہیں: بدکار عالم، ظالم امیر اور جاہل عبادت گذار۔

(۳۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إياك وقرين السوء فإنك به تعرف.

(الجامع الصغير، رقم الحديث: ۲۹۹۸)

برے ساتھی سے بچو؛ کیونکہ اُسی سے تم پہچانے جاتے ہو۔

(۳۹) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن الله عز وجل قد رفع لى الدنيا ، فأنا أنظر إليها وإلى ما هو كائن فيها إلى يوم القيامة كأنما أنظر إلى كفى هذه . جليانا من أمر الله عز وجل جلاه لنبيه كما جلاه للنبيين قبله.

(الفتن لنُعيم بن حماد المروزى، رقم الحديث: ۲۔ وحلية الأولياء، ج: ۲، ص: ۱۰۱۔ و الترغيب والترهيب لقوام السنة، ج: ۲، ص: ۲۱۱)

بے شک اللہ عزوجل نے میرے لیے دنیا کو میرے سامنے کر دیا تو میں اُسے اور اُس میں قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے سب کو اپنی ہتھیلی کی طرح دیکھ رہا ہوں، اُس روشنی کے سبب جو اللہ تعالی نے اپنے نبی کے لیے اُسی طرح ظاہر فرمائی جیسے مجھ سے پہلے انبیاء کے لیے ظاہر فرمائی تھی۔

اِس روایت پر کلام کرتے ہوئے امام ہیثمی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

رواه الطبراني ورجاله وثقوا على ضعف كثير في سعيد بن سنان الرهاوي.

(مجمع الزوائد، ج: ۸، ص: ۲۴۱)

اِسے طبرانی نے روایت کیا ہے، اِس کے رجال ثقہ ہیں، البتہ سعید بن سنان رہاوی شدید ضعیف ہے۔

(۴۰) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إن أعمالكم تعرض على أقاربكم وعشائركم من الأموات، فإن كان خيرا استبشروا به، وإن كان غير ذلك قالوا: اللهم لا تمتهم حتى تهديهم كما هديتنا. (مسند أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ١٢٧٠٦)

تمہارے اعمال تمہارے فوت شدہ رشتے داروں اور خاندان والوں کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، اگر اعمال بہتر ہوتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور اگر بہتر نہیں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: اے اللہ اُنہیں اُس وقت تک موت نہ دینا جب تک ہماری طرح اُن کو ہدایت نہ عطا فرمادے۔

امام نور الدین علی بن ابوبکر ہیثمی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

فیہ رجل لم یسم۔ (مجمع الزوائد، ج: ۳، ص: ۷۳)

اِس کی سند میں حضرت سفیان اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہما کے درمیان ایک نامعلوم راوی ہے۔

قارئینِ کرام! ہم نے انتہائی اختصار کے ساتھ ضعیف وموضوع روایات سے متعلق چند ضروری باتیں سپردِ قرطاس کردی ہیں، امید ہے کہ جو لوگ افراط وغلو کا شکار ہو کر کٹ حجتی و ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہیں اُن کو نصیحت وعبرت حاصل کرنے میں آسانی ہوگی۔ اللہ تعالی اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ وطفیل ہم سب کو اسلامی حقائق وتعلیمات سمجھنے اور اُن پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

محترم ناظرین! دین میں افراط وغلو اور بدعات وخواہشات کی دخل اندازی کیسے ہوتی ہے اور اُس کے اسباب وعوامل اور دواعی محرکات کیا ہوتے ہیں، اِن تمام امور پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا، لیکن یہاں ہمیں ایک عظیم وعبقری شخصیت کا ارشاد یاد آرہا ہے جو یقیناً انتہائی اہم اور معنی خیز ہے، وہ ہیں امامِ ذی شان، فقیہِ اسلام حضرت ابوبکر احمد بن ابوسہل سرخسی حنفی رضی اللہ تعالی عنہ (م ۴۹۰ھ)، جن کی فقہی وعلمی عبقریت سے

پوری دنیائے اسلام بخوبی متعارف ہے، آپ فرماتے ہیں:

فإن أصل البدع والأهواء إنما ظهر من قبل ترك عرض أخبار الآحاد على الكتاب والسنة المشهورة، فإن قوما جعلوها أصلا مع الشبهة فی اتصالها برسول الله ﷺ ومع أنها لا توجب علم اليقين، ثم تأولوا عليها الكتاب والسنة المشهورة فجعلوا التبع متبوعا، وجعلوا الاساس ما هو غير متيقن به فوقعوا فی الاهواء والبدع۔

(أصول السرخسی ۱/۳٦۷، دار الكتب العلمية)

بدعات وخواہشات کے ظہور کی اصل وجہ یہ ہے کہ خبرِ واحد کی تحقیق کے لیے کتاب اللہ اور سنتِ مشہورہ کی طرف رجوع کرنا چھوڑ دیا گیا ہے، کچھ لوگوں نے اِس کے باوجود کہ خبرِ واحد میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتصال مشکوک ومشتبہ ہوتا ہے اور اِس سے علمِ یقینی و قطعی بھی حاصل نہیں ہوتا ہے اخبارِ آحاد کو اصل بنالیا ہے اور پھر کتاب اللہ اور سنتِ مشہورہ میں تاویل کر کے فرع کو اصل اور متبوع کو تابع بنا ڈالا ہے، اور غیر یقینی چیز کو بنیاد بنا کر خواہشات و بدعات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

حضرت امام سرخسی رحمہ اللہ تعالی کا یہ ارشاد ایسی واضح حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، آج بہت سے نام نہاد اور علم کے دعویداروں کی حالت کا جائزہ لیجیے تو آپ پر یہ بات منکشف ہوجائے گی کہ خبرِ واحد ہی نہیں، بلکہ بہت سی بے اصل و بے سروپا روایات، بلکہ باطل وموضوع اخبار و آثار کے معانی ومطالب کی درستگی کے لیے قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ میں ایسی ایسی رکیک ومہمل تاویلات کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نظر آئیں گے جن سے اسلاف اور اہلِ علم وانصاف کے کان نا آشنا ہیں، حد تو یہ ہے کہ اگر کوئی اِن نام نہاد محققین کی خودساختہ وفرسودہ تحقیق سے اتفاق نہ کرے اور اِن کی جہالت وخطا کی نشان دہی کر دے تو اُسے معتوب ومغضوب بنالیا جاتا ہے اور اُس کے خلاف طرح طرح کی باتیں بنا کر ایک طرح سے اُس کا معاشرتی مقاطعہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اللہ تعالی ہمیں حق واضح ہونے کے بعد حق پر عمل کرنے کی توفیقِ رفیق

عطا فرمائے۔ فقیر قادری کتاب کے مبیضہ سے ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ کئی احبابِ گرامی اور برادرانِ اسلامی کی جانب سے حکم ہوا کہ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ کی آمد آمد ہے اور اِن دونوں فیس بک، ٹوئیٹر، یوٹیوب، واٹس ایپ وغیرہ کے ذریعہ یہ افواہ پھیلائی جارہی ہے کہ اعلی حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز نے اپنے فتاوی میں ایک باطل وموضوع روایت نقل کرکے امتِ مسلمہ کو خوف و ہراس میں مبتلا کررکھا ہے، لہذا اِس حوالہ سے جو حقیقت ہے اُس کو اختصار کے ساتھ شاملِ کتاب کردیا جائے، تاکہ سچائی سامنے آجائے اور منہ بجانے والوں کی زبانیں بند ہوجائیں۔ فقیر نے احباب کی اِس خواہش کا احترام کرتے ہوئے ذیل میں چند باتیں عرض کردی ہیں، اللہ تعالی ہم سب کو توفیقِ خیر عطا فرمائے۔

پندرہ رمضان المبارک کو آنے والی خوفناک آواز

ناظرینِ کرام! جو صورتِ حال اِس سال درپیش ہے کہ بہت سے ممالک میں عموماً اور ہندوپاک میں خصوصاً رمضان المبارک کی پہلی اور پندرہویں تاریخ جمعہ کے دن واقع ہونے کی امید ہے، کچھ اِسی طرح کا اتفاق سیدی امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں بھی پیش آیا اور لوگوں میں یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ اِس سال پندرہ رمضان المبارک کو ایک ہیبت ناک آواز آئے گی اور خوفناک دھماکے ہوں گے، چونکہ سنسنی پھیلانے والے اور بات کا بتنگڑ بنانے والے ہر دور میں پائے جاتے ہیں، لہذا اُس دور میں بھی کچھ لوگوں نے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا نام لے کر عوام کے درمیان خوف و ہراس کا طوفان و ہیجان بپا کردیا اور طرح طرح کی باتیں بنا کر لوگوں میں سراسیمگی کی کیفیت پیدا کردی، صورتِ حال کی سنگینی کو دیکھ کر بریلی شریف کے ہی ایک صاحب نے اعلی حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں حقیقتِ حال جاننے اور لوگوں کے درمیانی پھیلی ہوئی بے چینی دور کرنے کے لیے ایک سوال پیش کیا، جس کا متن یہ تھا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اِس مسئلہ میں کہ جمعہ کو رمضان المبارک میں کوئی ہیبت ناک بات آنے والی ہے جس کی نسبت حضور کی طرف بعض آدمیوں

نے کی ہے کہ مولوی صاحب نے ایسا فرمایا کہ جمعہ کی رات کو ایک ہیبت ناک آواز آئے گی۔

اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا اصل فتوی

اِس کے جواب میں اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

آئے گی، مگر یہ نہ کہا تھا کہ اسی رمضان آئے گی۔ جب آئے گی تو وہ رمضان ہی ہوگا جس کی پندرھویں جمعہ کو ہوگی۔ اس سال زلزلے کثرت سے ہوں گے۔ اولے کثرت سے پڑیں گے۔ پندرھویں شبِ رمضان شب جمعہ ایک دھماکہ ہوگا صبح کی نماز کے بعد ایک چنگھاڑ سنائی دے گی۔ حدیث میں آیا کہ اس تاریخ کو نمازِ صبح پڑھ کر گھروں کے اندر داخل ہو جاؤ اور کواڑ بند کرلو۔ گھر میں جتنے روزن ہوں بند کرلو۔ کان بند کرلو۔ پھر آواز سنو تو فوراً اللہ عزوجل کے لیے سجدہ میں گرو اور کہو: سبحٰن القدوس، سبحٰن القدوس، ربنا القدوس (قدوس کے لیے پاکی ہے، قدوس کے لیے پاکی ہے، اور ہمارا پروردگار قدوس ہے) جو ایسا کرے گا نجات پائے گا جو نہ کرے گا ہلاک ہوگا۔

یہ حدیث کا مضمون ہے۔ اِس میں یہ تعیین نہیں کہ کس سنہ میں ایسا ہوگا۔ بہت رمضان گذر گئے جن کی پہلی جمعہ کو تھی اور ان شاء اللہ تعالی آئندہ بھی گذریں گے۔ ہاں جو خبر دی ہے ہونے والی ضرور ہے جب کبھی ہو۔ اللہ تعالی سے خوف و امید ہر وقت رکھنا چاہیے۔ **و اللہ تعالی أعلم**

(فتاوی رضویہ مترجم، ج:۲۷، ص:۴۲، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سوال و جواب سے ظاہر ہے کہ شر پسند و فتنہ پرور حضرات جس طرح آج فتنہ پردازی و ہنگامہ خیزی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے بالکل اِسی طرح اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی کے دور میں بھی امن دشمن عناصر لکیر کا سانپ اور سوئی کا بھالا بنانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے، اعلی حضرت رحمۃ اللہ

تعالی علیہ نے فقیہانہ بصیرت وعبقریت اور مومنانہ حکمت وفراست کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ایسا جواب عطا فرمایا کہ مکر وفریب اور سازش وشورش کے سارے منصوبوں پر پانی پھر گیا، آج پھر دسیسہ کاری و ریشہ دوانی کی دبی ہوئی چنگاری کو کرید کر شور وشغب کا شعلہ بھڑکانے کے لیے شر پسند عناصر اخبارات ومجلّات، رسائل و جرائد، کتابچے و پوسٹرس اور ہینڈ بلس وپمفلٹس کا سہارا لے کر ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور بالغ ونابالغ محققین وباحثین اور کاتبین وناقدین تحقیقِ خارق واجتہادِ کج نہاد کی جوت جگا کر مجددِ اعظم، فقیہِ اسلام، عبقریِ عالم، امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز کے فتوی مبارکہ کا اغوا کر کے پرسکون ماحول کو غارت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اِن حالات میں فتنے کا سر کچلنے کے لیے سب سے مؤثر کارروائی تو یہ ہے کہ سیدی اعلی حضرت قدس سرہ العزیز کا اصل فتوی پورے پس منظر کے ساتھ عوام و خواص کے سامنے رکھ دیا جائے اور اُس کی بڑے پیمانے پر اشاعت کی جائے تا کہ عناد وفساد پر مبنی چالوں کا بھانڈا پھوٹ جائے اور لوگ اصل حقیقت سے باخبر ہو کر جہل ودجل کے حربوں سے ہوشیار ہو جائیں۔

پہلے اِسے بغور پڑھ لیجیے

پہلی بات یہ ہے کہ سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا قادری رحمہ اللہ تعالی نے اپنے فتوئ مبارکہ میں جس حدیث کی جانب اشارہ فرمایا ہے، آپ نے اُس کو ترہیب وتوعید اور تخویف وانذار کے طور پر بیان فرمایا ہے، اُس سے حرام وحلال وغیرہ کسی حکمِ شرعی کا استنباط واستخراج نہیں کیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی نے اِس حدیث پر صحت و حسن، ضعف ونکارت اور شذوذ و بطلان وغیرہ کا بھی کوئی حکم نہیں لگایا ہے، البتہ اسلوبِ بیان سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک یہ روایت کسی نہ کسی طور پر ثابت ضرور ہے، لہذا اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی

جانب سے اِس روایت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ ضمنی طور پر دعوی یہ ہوگا کہ یہ روایت کسی نہ کسی درجہ میں ثابت ہے خواہ یہ ثبوت ضعف ونکارت کے طریقے پر ہی کیوں نہ ہو۔ اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی کے پورے فتوے میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جاسکے کہ آپ نے اِس روایت کو صحیح کہا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ پندرہ رمضان کو ہیبت ناک آواز آنے والی بات اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا اختراع نہیں ہے، بلکہ یہ بات بہت سی کتبِ حدیث وفتن میں موجود ہے، لہذا اِس بات کو اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی کی جانب منسوب کرنا اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان پر کھلا ہوا بہتان وافترا اور مسلمانوں کے ساتھ صریح فریب ودغا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر یہ روایت محدثینِ کرام وائمۂ فن کے طریقے پر صحیح و حسن نہ بھی ہو، بلکہ ضعیف ومنکر ہو تب بھی اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان پر کسی قسم کا کوئی الزام عائد نہیں کیا جاسکتا؛ کیونکہ ترغیب وترہیب کے لیے حدیث کا صحیح و حسن ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ جمہور محدثین واہلِ علم کے نزدیک ترغیب وترہیب اور فضائل ومناقب وغیرہ میں حدیثِ ضعیف، بلکہ شدید ضعیف ومنکر پر بھی عمل کرنا جائز ہے، جیسا کہ ہم پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کرچکے ہیں۔

اِس مختصر تمہید کے بعد آیئے پہلے اُس نصّ حدیث کو دیکھتے ہیں جس کے مضمون کی جانب اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی نے اشارہ فرمایا ہے اور جس پر یار لوگوں نے واویلا مچا کر زمین کو سروں پر اٹھالیا ہے:

نصّ حدیث

اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی نے اپنے فتوے میں جس حدیث کے مضمون کی جانب اشارہ کیا ہے وہ روایت یہ ہے:

امام ابوعبداللہ نُعَیم بن حماد مروزی رحمہ اللہ تعالی (م ۲۲۸ھ) فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا أَبُو عُمَرَ ، عَنِ ابْنِ لَهِيعَةَ ، قَالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ حُسَيْنٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ ثَابِتِ الْبُنَانِي ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ الْحَارِثِ الْهَمْدَانِي ، عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ :

إِذَا كَانَتْ صَيْحَةٌ فِي رَمَضَانَ ؛ فَإِنَّهُ يَكُوْنُ مَعْمَعَةٌ فِي شَوَّالٍ ، وَتَمَيُّزُ الْقَبَائِلِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ ، وَتُسْفَكُ الدِّمَاءُ فِي ذِي الْحِجَّةِ ، وَالْمُحَرَّمُ ، وَمَا الْمُحَرَّمُ ؟- يَقُولُهَا ثَلَاثًا - هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ يُقْتَلُ النَّاسُ فِيهَا هَرْجًا هَرْجًا ، قَالَ : قُلْنَا : وَمَا الصَّيْحَةُ ؟ يَا رَسُولَ اللهِ ، قَالَ : هَذِهِ فِي النِّصْفِ مِنْ رَمَضَانَ لَيْلَةَ جُمُعَةٍ ، فَتَكُونُ هَدَّةٌ تُوقِظُ النَّائِمَ ، وَتُقْعِدُ الْقَائِمَ ، وَتُخْرِجُ الْعَوَاتِقَ مِنْ خُدُورِهِنَّ فِي لَيْلَةِ جُمُعَةٍ فِي سَنَةٍ كَثِيرَةِ الزَّلَازِلِ ، فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْفَجْرَ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَادْخُلُوا بُيُوتَكُمْ ، وَأَغْلِقُوْا أَبْوَابَكُمْ ، وَسُدُّوْا كُوَاكُمْ ، وَدَثِّرُوا أَنْفُسَكُمْ ، وَسُدُّوا آذَانَكُمْ ، فَإِذَا أَحْسَسْتُمْ بِالصَّيْحَةِ فَخِرُّوا لِلّٰهِ سُجَّدًا ، وَقُولُوا : سُبْحَانَ الْقُدُّوسِ ، سُبْحَانَ الْقُدُّوسِ ، رَبَّنَا الْقُدُّوسَ ؛ فَإِنَّهُ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ نَجَا ، وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ هَلَكَ.

(الفتن لنعيم بن حمّاد ، ج : ١ ، ص : ٢٢٨ ، رقم الحديث : ٦٣٨ ، مكتبة التوحيد، القاهرة)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا:

جب رمضان میں چنگھاڑ ہوگی تو شوال کے مہینے میں زبردت شور و ہنگامہ ہوگا، ذوقعدہ میں قبائل ایک دوسرے سے الگ ہوکر صف آرا ہو جائیں گے اور ذوالحجہ میں خونریزی کی جائے گی۔ اور محرم، اور محرم میں کیا حالات ہوں گے؟ (اِس کو تین مرتبہ فرمایا) افسوس، افسوس، اِس میں فتنہ و انتشار کی وجہ سے لوگوں کا قتلِ عام کیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اور چنگھاڑ کیا ہے؟ آپ نے ارشادفرمایا: یہ نصف رمضان المبارک

شبِ جمعہ کو آئے گی ، یہ ایسی ہیبت ناک آواز ہوگی جو سوتے شخص کو اٹھادے گی ، کھڑے کو بٹھادے گی اور پردہ نشین عورتوں کو گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور کردے گی ، یہ واقعہ اُس سال شبِ جمعہ کو پیش آئے گا جس سال زلزلے کثرت سے آئیں گے ، لہذا جمعہ کے دن نمازِ فجر پڑھنے کے بعد اپنے گھروں میں داخل ہوجاؤ، دروازے اور روزنوں کو بند کرلو ، چادریں اوڑھ لو اور کانوں کو بند کرلو اور جب چنگھاڑ کا احساس ہوتو اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوجاؤ اور کہو: سُبْحَانَ الْقُدُّوسِ ، سُبْحَانَ الْقُدُّوسِ ، رَبَّنَا الْقُدُّوسَ ، جو ایسا کرے گا وہ محفوظ رہے گا اور جو نہیں کرے گا وہ ہلاک ہوجائے گا۔

تخریجِ حدیث

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ روایت کی نعیم بن حماد مروزی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ امام حافظ ابوسعید ہیثم بن کلیب بن سریج شاشی ترکی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۳۳۵ھ) نے اپنی مسند میں مندرجہ ذیل سند و متن کے ساتھ تخریج ہے:

حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ ، قَالَ : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ ، حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ ، حَدَّثَنَا أَبُو عُمَرَ ، عَنِ ابْنِ لَهِيعَةَ ، حَدَّثَنِي عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ حُسَيْنٍ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ ثَابِتٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنِ الْحَارِثِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ ، عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ :

إِذَا كَانَ صَيْحَةٌ فِي رَمَضَانَ فَإِنَّهَا تَكُونُ مَعْمَعَةٌ فِي شَوَّالٍ ، وَتَمَيَّزُ الْقَبَائِلُ فِي ذِي الْقَعْدَةِ ، وَتُسْفَكُ الدِّمَاءُ فِي ذِي الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمِ وَمَا الْمُحَرَّمُ - يَقُولُهَا ثَلَاثًا - هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ يُقْتَلُ النَّاسُ فِيهَا هَرْجًا هَرْجًا ، قَالَ : قُلْنَا : وَمَا الصَّيْحَةُ ؟ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ : هَذِهِ تَكُونُ فِي نِصْفٍ مِنْ

رَمَضَانَ يَوْمَ جُمُعَةٍ ضُحًى ، وَذٰلِکَ إِذَا وَافَقَ شَهْرُ رَمَضَانَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ تَكُونُ هَدَّةٌ تُوقِظُ النَّائِمَ ، وَتُقْعِدُ الْقَائِمَ ، وَتُخْرِجُ الْعَوَاتِقَ مِنْ خُدُورِهِنَّ فِي لَيْلَةِ جُمُعَةٍ سَنَةً كَثِيرَةَ الزَّلَازِلِ وَالْبَرْدِ ، فَإِذَا وَافَقَ رَمَضَانُ فِي تِلْكَ السَّنَةِ لَيْلَةَ جُمُعَةٍ فَإِذَا صَلَّيْتُمُ الْفَجْرَ يَوْمَ جُمُعَةٍ فِي النِّصْفِ مِنْ رَمَضَانَ - فَادْخُلُوا بُيُوتَكُمْ ، وَسَدِّدُوا كُوَاكُمْ ، وَدَثِّرُوا أَنْفُسَكُمْ ، وَسُدُّوا آذَانَكُمْ ، فَإِذَا أَحْسَسْتُمْ بِالصَّيْحَةِ فَخِرُّوا لِلّٰهِ سُجَّدًا ، وَقُولُوا سُبْحَانَ الْقُدُّوسِ ، سُبْحَانَ الْقُدُّوسِ ، رَبَّنَا الْقُدُّوسَ ؛ فَإِنَّهُ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ نَجَا ، وَمَنْ تَرَكَ هَلَكَ.

(مسند الشاشی، ج: ۲، ص: ۲۶۲، ۲۶۳، رقم الحدیث: ۸۳۷، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ)

امام ابوسعید ہیثم بن کلیب شاشی رحمہ اللہ تعالی کی جلالتِ علمی اور عبقریتِ شان کا اندازہ کرنے کے لیے سرِ دست یہ دو حوالے ہی کافی ہیں:

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی رحمہ اللہ تعالی جیسے عظیم الشان وجلیل القدر محدث ونقاد فرماتے ہیں:

الشاشي الحافظ المحدث الثقة أبو سعيد الهيثم بن كليب بن سريج بن معقل المعقلي الشاشي محدث ما وراء النهر ومؤلف المسند الكبير۔ (تذکرۃ الحفاظ، ج: ۱۱، ص: ۵۶، رقم الترجمۃ: ۸۲۷)

امام ابوسعید ہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل معقلی شاشی حافظ، ثقہ، ماوراء النہر کے محدث اور مسندِ کبیر کے مصنف ہیں۔

ایک اور جگہ اِس طرح فرماتے ہیں:

الامام الحافظ الثقة الرحال أبو سعيد الهيثم بن كليب بن سريج بن معقل الشاشي التركي صاحب المسند الكبير۔

(سير أعلام النبلاء، ج: ۱۵، ص: ۳۵۹)

امام ابوسعید ہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل شاشی ترکی حافظ، ثقہ، طلبِ حدیث کے لیے بہت سفر کرنے والے محدث اور مسندِ کبیر کے مصنف ہیں۔

علامہ عبدالحی بن احمد بن محمد بن عماد حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الهيثم بن كليب الحافظ أبو سعيد الشاشي صاحب المسند ومحدث ماوراء النهر وهو ثقة۔ (شذرات الذهب، ج: ۲، ص: ۳۴۲)

ابوسعید ہیثم بن کلیب شاشی حافظ، مسندِ کبیر کے مصنف، ماوراء النہر کے محدث اور ثقہ ہیں۔

(۲) اِس روایت کو امام علاؤالدین علی بن حسام الدین متقی ہندی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۹۷۵ھ) نے بھی امام نعیم بن حمّاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''الفتن'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(کنز العمّال، ج: ۱۴، ص: ۵۶۹، رقم الحدیث: ۳۹۶۲۷)

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اِس روایت کو علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابوالشیخ کی کتاب الفتن کے حوالہ سے مندرجہ ذیل سند و متن کے ساتھ ذکر کیا ہے:

أنبأنا أحمد بن روح الشعراني، حدثنا محمد بن إبراهيم بن عبد الله المنصوري، حدثنا أبو بكر بن عياش، عن محمد بن ثابت، عن مسروق، عن عبد الله بن مسعود رضى الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: تكون ضجة في رمضان، وتكون معمعة في شوال، وتمير القبائل في ذي القعدة، وتسفك الدماء في ذي الحجة، وخروج أهل المغرب في المحرم۔ يقولها ثلاثا۔ (اللآلی المصنوعة، ج: ۲، ص: ۳۲۲)

(۴) امام یوسف بن یحییٰ بن علی مقدسی سُلمی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۶۸۵ھ) نے بھی امام نعیم بن حمّاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی تخریج پر اعتماد کرتے ہوئے اِس روایت کو نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں: (عقد الدرر فی أخبار المنتظر، ص: ۱۶۷، ۱۶۸،

رقم الحديث: ۱٦۱ ، مكتبة المنار، الأردن)

خیال رہے حضرت امام یوسف بن یحییٰ سلمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ کتاب ”**عقد الدرر**“ بعد کے محققین ومحدثین اور اہلِ علم وقلم کے یہاں ایسی مشتہر ومعتبر اور معتمد ومستند ہے کہ خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”**العرف الوردی فی أخبار المهدی**“ میں، امام ابنِ حجر ہیتمی مکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”**القول المختصر فی علامات المهدی المنتظر**“ میں، علامہ حسام الدین متقی ہندی نے ”**البرهان فی علامات مهدی آخر الزمان**“ میں، علامہ محمد بن احمد سفارینی حنبلی نے ”**البحور الزاخرة فی علوم الآخرة**“ میں، علامہ شیخ احمد بن زینی دحلان مکی نے ” **عقود الدرر فی تحقیق القول بالمهدی المنتظر**“ میں، علامہ علی قاری نے ”**المشرب الوردی فی مذهب المهدی**“ میں اور اِسی طرح دیگر بہت سے مصنفین ومؤلفین نے اپنی اپنی کتابوں میں اِس سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اِس کی مرویات سے استشہاد کیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اِس روایت کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے بھی ہوتی ہے:

(۵) امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ”المستدرک“ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ حدیث کی مؤید حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی تخریج مندرجہ ذیل سند ومتن کے ساتھ یوں کی ہے:

أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُؤَمَّلِ، حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُحَمَّدٍ، حَدَّثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ، حَدَّثَنَا أَبُو يُوسُفَ الْمَقْدِسِيُّ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم:

فِي ذِي الْقَعْدَةِ تُجَاذِبُ الْقَبَائِلُ وَتُغَادِرُ ، فَيُنْهَبُ الْحَاجُّ ، فَتَكُونُ مَلْحَمَةٌ بِمِنًى، يَكْثُرُ فِيهَا الْقَتْلَى، وَيَسِيلُ فِيهَا الدِّمَاءُ، حَتَّى تَسِيلَ دِمَاؤُهُمْ

عَلَى عَقَبَةِ الْجَمْرَةِ ، وَحَتَّى يَهْرُبَ صَاحِبُهُمْ فَيَأْتِي بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ ، فَيُبَايَعُ وَهُوَ كَارِهٌ ، يُقَالُ لَهُ : إِنْ أَبَيْتَ ضَرَبْنَا عُنُقَكَ ، يُبَايِعُهُ مِثْلُ عِدَّةِ أَهْلِ بَدْرٍ يَرْضَى عَنْهُمْ سَاكِنُ السَّمَاءِ وَسَاكِنُ الأَرْضِ.

قَالَ أَبُو يُوسُفَ : فَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا ، قَالَ : يَحُجُّ النَّاسُ مَعًا وَيُعَرِّفُونَ مَعًا عَلَى غَيْرِ إِمَامٍ ، فَبَيْنَمَا هُمْ نُزُولٌ بِمِنًى إِذْ أَخَذَهُمْ كَالْكَلْبِ ، فَثَارَتِ الْقَبَائِلُ بَعْضُهَا إِلَى بَعْضٍ ، وَاقْتَتَلُوا حَتَّى تَسِيلَ الْعَقَبَةُ دَمًا ، فَيَفْزَعُونَ إِلَى خَيْرِهِمْ ، فَيَأْتُونَهُ وَهُوَ مُلْصِقٌ وَجْهَهُ إِلَى الْكَعْبَةِ يَبْكِي كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى دُمُوعِهِ ، فَيَقُولُونَ : هَلُمَّ فَلْنُبَايِعَكَ ، فَيَقُولُ : وَيْحَكُمْ كَمْ عَهْدٍ قَدْ نَقَضْتُمُوهُ وَكَمْ دَمٍ قَدْ سَفَكْتُمُوهُ ، فَيُبَايَعُ كَرْهًا فَإِذَا أَدْرَكْتُمُوهُ فَبَايِعُوهُ فَإِنَّهُ الْمَهْدِيُّ فِي الأَرْضِ ، وَالْمَهْدِيُّ فِي السَّمَاءِ۔

(المستدرک علی الصحیحین، ج:۴، ص:۵۰۳، رقم الحدیث:۸۵۳۷)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت امام نعیم بن حماد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی مندرجہ ذیل دو سندوں کے ساتھ ذکر کی ہے:

حدثنا أبو يوسف المقدسي ، عن عبد الملك بن أبي سليمان ، عن عمرو بن شعيب ، عن أبيه ، عن جده ، عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال:

يكون صوت في رمضان ومعمعة في شوال وفي ذي القعدة تحارب القبائل وعامئذ ينتهب الحاج وتكون ملحمة عظيمة بمنى يكثر فيها القتلى وتسيل فيها الدماء وهم على عقبة الجمرة۔

حدثنا أبو يوسف ، عن محمد بن عبد الله ، عن عمرو بن شعيب ، عن أبيه ، عن عبد الله بن عمرو رضى الله تعالى عنهما قال:

يحج الناس معا ويعرفون معا على غير إمام فبيناهم نزول بمنى إذ

أخذهم كالكلب فسادت القبائل بعضها إلى بعض فاقتتلوا حتى تسيل العقبة دما۔

(الفتن لنعيم بن حمّاد، ج: ١، ص: ٢٢٦، رقم الحديث: ٦٣١ و ٦٣٢، مكتبة التوحيد، القاهرة)

(۷) امام جلال الدین سیوطی اور علامہ علی متقی ہندی رحمہما اللہ تعالی نے بھی اِس روایت کو امام نعیم بن حماد اور امام حاکم رحمہما اللہ تعالی کے حوالے سے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

(جمع الجوامع، رقم الحديث: ١٤٩٧١ - و كنز العمال، رقم الحديث: ٣٨٦٨٦)

(۸) امام ابوبکر احمد بن عمرو بن ابو عاصم شیبانی رحمہ اللہ تعالی (م ۲۸۷ھ) نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت کے ہم معنی حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کی تخریج اپنی سند کی ساتھ یوں کی ہے:

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ الضَّحَّاكِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ عَبْدَةَ بْنِ أَبِي لُبَابَةَ، عَنْ فَيْرُوزٍ الدَّيْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم:

صَوْتٌ يَكُونُ فِي رَمَضَانَ، قَالُوا: يَا رَسُولَ الله، يَكُونُ فِي أَوَّلِهِ أَوْ فِي وَسَطِهِ أَوْ فِي آخِرِهِ؟ قَالَ: لا، بَلْ فِي النِّصْفِ مِنْ رَمَضَانَ، إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِصْفِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ يَكُونُ صَوْتٌ مِنَ السَّمَاءِ يُصْعَقُ لَهُ سَبْعُونَ أَلْفًا، وَيُخْرَسُ لَهُ سَبْعُونَ أَلْفًا، وَيُعْمَى سَبْعُونَ أَلْفًا، وَيُفِيقُ سَبْعُونَ أَلْفًا، وَيُصَمُّ سَبْعُونَ أَلْفًا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، فَمَنِ السَّالِمُ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: مَنْ لَزِمَ بَيْتَهُ، وَتَعَوَّذَ بِالسُّجُودِ، وَجَهَرَ بِالتَّكْبِيرِ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، ثُمَّ يَتْبَعُهُ صَوْتٌ آخَرُ، فَالصَّوْتُ الْأَوَّلُ صَوْتُ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالثَّانِي صَوْتُ شَيْطَانٍ،

وَالصَّوْتُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، وَالْمَعْمَعَةُ فِي شَوَّالٍ، وَتَمَيُّزُ الْقَبَائِلِ فِي ذِي الْقَعْدَةِ، وَيُغَارُ عَلَى الْحَاجِّ فِي ذِي الْحِجَّةِ وَفِي الْمُحَرَّمِ، وَأَمَّا الْمُحَرَّمُ أَوَّلُهُ بَلاءٌ عَلَى أُمَّتِي وَآخِرُهُ فَرَجٌ لأُمَّتِي الرَّاحِلَةُ فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ بِعَيْنِهَا يَنْجُو عَلَيْهَا الْمُؤْمِنُ خَيْرٌ مِنْ دَسْكَرَةٍ تَغُلُّ مِئَةَ أَلْفٍ۔

(الآحاد والمثانی، ج: ۵، ص: ۱۴۵، رقم الحدیث: ۲۶۸۲، مکتبۃ الرایۃ، الریاض، السعودیۃ)

(۹) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد شامی طبرانی رحمہ اللہ تعالی (م ۳۶۰ھ) نے بھی حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث اپنی مندرجہ ذیل سند کے ساتھ اس طرح ذکر کی ہے:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بن عَبْدِ الْوَهَّابِ بن نَجْدَةَ الْحَوْطِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بن الضَّحَّاكِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بن عَيَّاشٍ، عَنِ الأَوْزَاعِيِّ، عَنْ عَبْدَةَ بن أَبِي لُبَابَةَ، عَنْ فَيْرُوزَ الدَّيْلَمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

يَكُونُ فِي رَمَضَانَ صَوْتٌ"، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فِي أَوَّلِهِ أَو فِي وَسَطِهِ أَو فِي آخِرِهِ؟ قَالَ: لا، بَلْ فِي النِّصْفِ مِنْ رَمَضَانَ، إِذَا كَانَ لَيْلَةُ النِّصْفِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ يَكُونُ صَوْتٌ مِنَ السَّمَاءِ يُصْعَقُ لَهُ سَبْعُونَ أَلْفًا، وَيُخْرَسُ سَبْعُونَ أَلْفًا، وَيُعْمَى سَبْعُونَ أَلْفًا، وَيُصِمُّ سَبْعُونَ أَلْفًا، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَمَنِ السَّالِمُ مِنْ أُمَّتِكَ؟، قَالَ: مَنْ لَزِمَ بَيْتَهُ، وَتَعَوَّذَ بِالسُّجُودِ، وَجَهَرَ بِالتَّكْبِيرِ لِلّٰهِ، ثُمَّ يَتْبَعُهُ صَوْتٌ آخَرُ، وَالصَّوْتُ الأَوَّلُ صَوْتُ جِبْرِيلَ، وَالثَّانِي صَوْتُ الشَّيْطَانِ، فَالصَّوْتُ فِي رَمَضَانَ، وَالْمَعْمَعَةُ فِي شَوَّالٍ، وَتُمَيَّزُ الْقَبَائِلُ فِي ذِي الْقَعْدَةِ، وَيُغَارُ عَلَى الْحُجَّاجِ فِي ذِي الْحِجَّةِ وَفِي الْمُحَرَّمِ، وَمَا الْمُحَرَّمُ؟ أَوَّلُهُ بَلاءٌ عَلَى أُمَّتِي، وَآخِرُهُ فَرَحٌ لأُمَّتِي، الرَّاحِلَةُ فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ بِقَتَبِهَا يَنْجُو عَلَيْهَا الْمُؤْمِنُ لَهُ مِنْ دَسْكَرَةٍ تَغُلُّ مِائَةَ أَلْفٍ۔

(المعجم الکبیر، ج: ۱۳، ص: ۲۷۱، رقم الحدیث: ۱۵۲۴۷)

(۱۰) امام ابوعمرو عثمان بن سعید مقریٔ دانی رحمہ اللہ تعالی نے بھی حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ تعالی عنہ کی اِس حدیث کی اپنی سند کے ساتھ یوں تخریج فرمائی ہے:

حَدَّثَنا عبد الرحمن بن عثمان الزاهد ، حدثنا أحمد بن ثابت التغلبي، حدثنا أبو عثمان الأعناقي، حدثنا نصر بن مرزوق، حدثنا علي بن معبد، حدثنا خالد بن سلام، عن يحيى الدهني، عن أبي المهاجر، عن عبد الرحمن بن محمد، عن عبدة بن أبي لبابة، عن ابن الديلمي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم:

يكون في رمضان صوت، قالوا: يا رسول الله! في أوله أو في وسطه أو في آخره؟ قال لا بل في النصف من شهر رمضان إذا كانت ليلة النصف ليلة جمعة يكون صوت من السماء يصعق له سبعون ألفا، يتيه سبعون ألفا، ويعمى سبعون ألفا، ويصم سبعون ألفا، ويخرس فيه سبعون ألفا، وينفتق فيه سبعون ألف عذراء، قالوا: فمن السالم يا رسول الله؟ قال: من لزم بيته وتعوذ بالسجود وجهر بالتكبير، قال: ومعه صوت آخر، فالصوت الأول صوت جبريل، والصوت الثاني صوت الشيطان، فالصوت في رمضان والمعمعة في شوال وتمييز القبائل في ذي القعدة، ويغار على الحاج في ذي الحجة والمحرم، وأما المحرم أوله بلاء وآخره فرج على أمتي راحلة في ذلك الزمان ينجو عليها المؤمن خير من دسكرة تغل مائة الف۔

(السنن الواردة فی الفتن، ج: ۳، ص: ۹۷۱، رقم الحديث: ۵۱۸، دار العاصمة، الرياض)

(۱۱) اِس روایت کو امام نور الدین ہیثمی، حسین بن ابراہیم جورقانی اور علامہ ابنِ جوزی نے بھی نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے: (مجمع الزوائد، ج:۷، ص:۲۵۶۔ و الأباطيل والمناكير، ج:۲، ص:۱۰۵۔ والموضوعات، ج:۳، ص:۱۹۲)

(۱۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی روایتِ مذکورہ کی تائید

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی اِس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کی تخریج امام طبرانی رحمہ اللہ تعالی نے مندرجہ ذیل سند ومتن کے ساتھ کی ہے:

حدثنا أحمد بن القاسم، قال: نا إبراهيم بن محمد بن عرعرة، قال: نا نوح بن قيس، قال: نا البحتري، عن عبد الحميد، عن شهر بن حوشب عن أبي هريرة، قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

فی شهر رمضان الصوت، وفی ذی القعدة تميز القبائل، وفی ذی الحجة يسلب الحاج۔

(المعجم الكبير، ج: ۱۹، ص: ۱۲۳، رقم الحديث: ۲۸۳ ۔ و المعجم الأوسط، ج: ۱، ص: ۱۶۳، رقم الحديث: ۵۱۲)

(۱۳) امام نعیم بن حمّاد رحمہ اللہ تعالی نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ روایت اپنی دو مختلف اسانید سے مرفوعاً وموقوفاً یوں بیان فرمائی ہے:

(الف) حدثنا ابن وهب، عن مسلمة بن علي، عن قتادة، عن سعيد بن المسيب، عن ابي هريرة رضی الله تعالى عنه، عن النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال:

تكون آية في شهر رمضان، ثم تظهر عصابة في شوال، ثم تكون معمعة في ذي القعدة، ثم يسلب الحاج في ذي الحجة، ثم تنتهك المحارم في المحرم، ثم يكون صوت في صفر، ثم تنازع القبائل في شهري ربيع، ثم العجب كل العجب بين جمادي ورجب، ثم ناقة مقتبة خير من دسكرة بغل مائة ألف۔

(ب) حدثنا شيخ من الكوفيين، عن ليث، عن شهر بن حوشب، عن أبي هريرة رضی الله تعالى عنه قال:

في رمضان هدة توقظ النائم وتخرج العواتق من خدورها، وفي شوال معمعة، وفي ذي القعدة تمشي القبائل بعضها إلى بعض، وفي ذي الحجة تهراق الدماء، وفي المحرم وما المحرم يقولها ثلاثا۔

(الفتن، ج: ۱، ص: ۲۲۵، رقم الحدیث: ۶۲۸)

قارئینِ کرام! مذکورہ روایات کے علاوہ اور بھی کئی موقوف و مرسل آثار و اخبار ہیں جن سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی حدیثِ مذکور کے معنی کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت کعب احبار، شہر بن حوشب، کثیر بن مرہ، اور سعید مسیب وغیرہم رضی اللہ تعالی عنہم کی مرویات، جنہیں بہت سے ائمۂ حدیث نے اپنی تصنیفات میں ذکر کیا ہے، وہ اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رمضان میں ہیبت ناک آواز آنے سے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث میں جو فرمایا گیا ہے وہ موضوع و باطل نہیں ہے، بلکہ یہ بات کسی نہ کسی طور پر ثابت ہے، اگر چہ اِس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ بنگاہِ تحقیق مذکورہ روایات میں سے کوئی بھی روایت درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی، ہر روایت کے راویوں پر مختلف جہات سے کلام کیا گیا ہے اور اُن پر شدید ترین جرح بھی کی گئی ہے، تاہم ایسا نہیں ہے کہ مذکورہ ہر روایت کے رواۃ پر صرف جرح کی گئی اور محدثین کے یہاں اُن کی تعدیل و توثیق بالکل نہیں کی گئی ہے، اگر کوئی شخص ایسا سمجھتا ہے تو یقیناً وہ زبردست دھوکے یا سخت غلطی کا شکار ہے، ایسے شخص کو چاہیے کہ اپنا محاسبہ کرے اور قوم کو فریب دینے سے باز رہے۔

چونکہ یہ رسالہ خصوصی طور پر دین میں افراط و غلو کی مکروہ سازشوں کو بے نقاب کرنے کے لیے لکھا گیا ہے اور پھر یہ کہ اِس مختصر رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ اِس موضوع کو مزید طول دیا جائے، لہذا یہ کہہ کر روایتِ مذکورہ سے متعلق گفتگو فی الحال ختم کی جارہی ہے کہ رمضان المبارک میں ہیبت ناک آواز آنے سے متعلق جو روایات کتبِ حدیث میں مذکور ہیں اُنہیں موضوع و باطل اور بے اصل و مردود قرار دینا یقیناً ناانصافی اور بہت بڑی جہالت و نادانی ہے، ان شاء اللہ تعالی آئندہ کسی موقع سے اِس روایت سے متعلق مزید بحث و تحقیق اور رُوات و اسانید پر سیر حاصل گفتگو کی جائے گی، جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا، اگر چہ

انصاف پسند طبیعتوں کے لیے اتنا ہی کافی ہے جو یہاں بیان کر دیا گیا، اور عناد وفساد برپا کرنے والے کے لیے دفتر کے دفتر ناکافی و ناتمام ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں حق واضح ہو جانے کے بعد قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر اِس درد کی دوا کیا ہے؟

ابھی اپریل میں دہلی سے بہار اور وہاں سے نیپال تک آنے والے ہیبتناک زلزلوں کے اثرات ذہن و دماغ سے محو بھی نہ ہونے پائے تھے کہ مذہبی دنیا میں اِس سے بھی زیادہ خطرناک زلزلے نے دستک دے دی، دونوں میں بنیادی فرق یہ تھا کہ زمینی زلزلوں میں ہزاروں جانیں ضائع ہوگئیں لیکن اِس دوسرے زلزلے کے زیرِ اثر شکوک وتوہمات کی ایسی بادِ سموم چل پڑی کہ بے شمار لوگوں کے ایمان متزلزل ہونے لگے۔ افواہوں کا بازار گرم ہوا، گلی گلی میں قلم کاری کی دھوم مچی، اخبارات میں بیانات چھپوائے گئے، تحقیق کی بزمیں سجنے سنورنے لگیں۔

کبھی اہلِ ایمان کی یہ صفت ہوا کرتی تھی کہ وہ رنج والم میں انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر رحمتِ الٰہی کی طرف تکنے لگتے، خوف وخشیت کا اِس قدر غلبہ ہوجاتا کہ محفلوں سے آہ وبکا کے نالے بلند ہوا اٹھتے، کائناتی تغیرات سے اُن کا ایمان مستحکم ہوتا، وہ تضرع کے ساتھ اپنے رب سے گڑگڑا گڑگڑا کر فریادیں کرتے، توبہ وانابت نے اُن کو اتنا صیقل کر دیا تھا کہ ہر پستی و بلندی میں رب کی کبریائی و پاکی کے نغمات ازخود زبان سے بلند ہوجاتے، وہ جتنے بڑے عالم ہوتے، اُس سے کہیں بڑے عامل، وہ جتنے بلند پایہ عمل والے ہوتے اُس سے بڑھ کر اخلاص مند۔ جب وہ موت وآخرت کا ذکر سنتے تو ہوش وحواس کھو بیٹھتے، جسم لرزنے لگتے، دل دہل جاتے اور آنکھیں بہہ پڑتیں۔ زمانے کی نیرنگی دیکھیے کہ ہم کہاں سے کہاں جا پہنچے۔ اخلاص کے چشمے خشک ہوگئے، ایمان کی کائنات ویران ہوگئی، عمل کی زمینیں بنجر ہوگئیں اور علم کی انجمنیں اجڑ گئیں۔

مادیت کی چکاچوند نے ہم سے سب کچھ چھین لیا ہے، اب جو کچھ باقی رہ گیا ہے اُن

چیزوں میں انانیت ہے، تکبر ہے، خبث باطن ہے، سوءِ ظن ہے، بہتان تراشی ہے، بد تہذیبی ہے، بے ادبی ہے۔

اب ہمارے علماء قلم سے آگ برسا دینے کو منتہائے کار سمجھ رہے ہیں، عقیدت مند طبقہ مقابل کی ناک خاک آلود کر دینے کو ہی تقاضائے محبت تصور کرتا ہے۔ عوام کنفیوژن کا شکار ہیں کہ کس کے پیچھے چلیں، کس کی بات مانیں، کس پہ بھروسہ جتائیں، کس کو مصلح کہیں اور کسے فسادی قرار دیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کی نقل فرمودہ حدیث جب عوامی طبقات تک پہنچی، نادان لوگ بیم و رجا کے شکار تھے، علماء بحث و جدل کی بزموں میں اپنی علمی قابلیتوں کا اظہار کر رہے تھے، کچھ لوگوں نے اِسے ناک اور ساکھ کا مسئلہ بنا لیا تھا۔ فیس بک سے واٹس اپ تک معرکے ہو رہے تھے، ہر کوئی اپنے مدمقابل کو نیچا دکھانے کی ہوڑ میں کسی بھی حد تک گر جانے کو تیار تھا۔ اب تو ہمیں قرآنِ کریم کا پاس بھی نہیں رہ گیا، رمضان کے اِن باعظمت ایام کا احساس تک جاتا رہا، اکرامِ مومن کے اسباق ہم بھول گئے، ہمیں اپنے انجام کا ڈر نہیں ستاتا، اِس ماہ مبارک میں بھی ہم (اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا) کے آئینہ دار نہیں بن سکے۔ (وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّۚ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ) کو ہم نے فراموش کر دیا۔

قساوتِ قلبی کی انتہا تو یہ ہے کہ (اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّۙ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْؕ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ) کی دلنواز صدا پر بھی ہمارے دلوں میں بھونچال نہیں آیا۔

کیا اہلِ ایمان کے لیے اب بھی وہ وقت نہیں آ گیا کہ اُن کے دل اللہ کی یاد اور اُس کے نازل کردہ حق کے لیے جھک جائیں؟

یہ آیت ہر باضمیر کو پکارتی ہے کہ تم کب اپنے رب کی طرف واپسی کرو گے؟ زندگی ہی

میں؟ یا پھر موت کے انتظار میں ہو؟

وأستغفر الله العظيم الذى لااله الا هو الحىّ القيوم و أتوب اليه۔ وصلى الله تعالى وسلم على النبى الأمى الأمين الكريم ،و على آله الطيّبين الطاهرين و صحبه المكرّمين المطهّرين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين ۔ وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين ۔

اِس مختصر رسالہ کی تصنیف کا سفر ۲؍ جمادی الآخرۃ ۱۴۳۶ھ؍مطابق ۲۳؍ مارچ ۲۰۱۵ء دوشنبہ کوشروع ہوا اور ۱۵؍مئی ۲۰۱۵ء شبِ جمعۂ مبارکہ بوقت: ۳؍بج کر ۱۲؍منٹ پر اختتام کو پہنچا ۔و ذلک بتوفیق من اللہ تعالی و عونہ و کرمہ و فضلہ، فلہ الحمد أولا و آخرا ، و ظاھرا و باطنا، و الصلوۃ والسلام علی سید الأنبیاء، امام الوری، سیدنا و نبیّنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

أبوالحسّان محمد اشتیاق القادری

بانی وڈائریکٹر جمعیۃ المعارف الاسلامیّۃ والعربیّۃ

جوکھن پور، بریلی شریف، یوپی۔

موبائل : 09639046189 , 09760719499

فہرست مراجع ومصادر

شمار	کتب؍مصنفات	مصنفین؍مؤلفین	وفات
۱	القرآن الكريم		
۲	صحيح البخاری	امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۳	صحيح مسلم	امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری	۲۶۱ھ
۴	السنن	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ
۵	السنن	امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ
۶	السنن	امام ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی	۲۸۹ھ
۷	السنن	امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۵ھ
۸	السنن	امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمن دارمی	۲۵۵ھ
۹	السنن الكبرى	امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ
۱۰	السنن الكبرى	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ھ
۱۱	السنن	امام ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی	۳۸۵ھ
۱۲	السنن الواردة فی الفتن	امام ابو عمرو عثمان بن سعید مقرئ دانی	۴۴۴ھ
۱۳	المعجم الكبير	امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی	۳۶۰ھ
۱۴	المعجم الأوسط	أيضا	أيضا
۱۵	المعجم الصغير	أيضا	أيضا
۱۶	مسند الشاميين	أيضا	أيضا
۱۷	المسند	امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی	۲۴۱ھ
۱۸	المسند	امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی	۳۱۶ھ

۱۹	المسند	امام ابو بکر عبداللہ بن زبیر حُمیدی مکی	۲۱۹ھ
۲۰	المسند	امام ابو یعلی احمد بن علی موصلی	۳۰۷ھ
۲۱	المسند	امام ابو سعید ہیثم بن کلیب شاشی	۳۳۵ھ
۲۲	حلیۃ الأولیاء	امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی	۴۳۰ھ
۲۳	المدخل الی السنن الکبری	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ھ
۲۴	الصحیح	امام ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ	۳۱۱ھ
۲۵	الصحیح	امام ابو حاتم محمد بن حبان بستی	۳۵۴ھ
۲۶	جزء القراءۃ	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۲۷	المستدرک	امام حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ	۴۰۵ھ
۲۸	المسند	امام ابو بکر احمد بن عمرو بزّار بصری	۲۹۲ھ
۲۹	مجمع الزوائد	امام نور الدین علی بن ابو بکر ہیتمی	۸۰۷ھ
۳۰	المعجم	امام ابو سعید احمد بن محمد ابن اعرابی	۳۴۰ھ
۳۱	مسند الشہاب	امام ابو عبداللہ محمد بن سلامہ قضاعی	۴۵۴ھ
۳۲	شرح معانی الآثار	امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ طحاوی	۳۲۱ھ
۳۳	شرح مشکل الآثار	أیضا	أیضا
۳۴	شعب الایمان	امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ھ
۳۵	المصنف	امام ابو بکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی	۲۱۱ھ
۳۶	المصنف	امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ	۲۳۵ھ
۳۷	عمل الیوم واللیلۃ	امام احمد بن محمد دینوری معروف با بن سنی	۳۹۴ھ
۳۸	شرح السنۃ	امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی	۵۱۶ھ
۳۹	شرح السنۃ	امام ابو محمد حسن بن علی بن خلف بربہاری	۳۲۹ھ
۴۰	المستخرج	امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق اسفرائنی	۳۱۶ھ

۴۱	السنة	امام ابو بکر احمد بن عمرو بن ابو عاصم	۲۸۷ھ
۴۲	الإيمان	امام محمد بن اسحاق بن یحیی بن منده	۳۹۵ھ
۴۳	الأذکار	امام ابو زکریا یحیی بن شرف نووی	۶۷۶ھ
۴۴	الأدب المفرد	امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۴۵	مکارم الأخلاق	امام ابو بکر محمد بن جعفر خرائطی	۳۲۷ھ
۴۶	الترغیب والترهیب	امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری	۶۵۶ھ
۴۷	مکارم الأخلاق	امام ابو بکر عبداللہ بن محمد قرشی بغدادی	۲۸۱ھ
۴۸	مسند عبد بن حمید	امام ابو محمد عبد بن حُمید بن نصر کِسّی	۲۴۹ھ
۴۹	الآحاد والمثانی	امام ابو بکر احمد بن عمرو بن ابو عاصم	۲۸۷ھ
۵۰	جمع الجوامع	جلال الدین عبدالرحمن بن ابو بکر سیوطی	۹۱۱ھ
۵۱	جامع الحدیث	أيضا	أيضا
۵۲	الفتن	امام ابو عبداللہ نعیم بن حماد مروزی	۲۸۸ھ
۵۳	کنز العمال	علامہ علاؤ الدین علی بن حسام الدین متقی	۹۷۵ھ
۵۴	الزهد الکبیر	امام ابو بکر احمد بن حسین بیهقی	۴۵۸ھ
۵۵	معرفة السنن والآثار	أيضا	أيضا
۵۶	الأمالی	امام ابو القاسم عبدالملک بن محمد ابن بشران	۴۳۰ھ
۵۷	الأمالی المطلقة	امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۵۸	المسند	امام ربیع بن حبیب بن عمر ازدی مصری	۱۰۳ھ
۵۹	تهذیب الآثار	امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری	۳۱۰ھ
۶۰	الزوائد للسنن	امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجه	۲۷۵ھ
۶۱	أخلاق العلماء	امام ابو بکر محمد بن حسین آجری بغدادی	۳۶۰ھ
۶۲	الأمالی	امام ابو بکر احمد بن محمد خلال	۳۱۱ھ

۶۳	الترغیب و الترهیب	امام ابو القاسم اسماعیل بن محمد قوام السنه اصبهانی	۵۳۵ھ
۶۴	الفردوس بمأثور الخطاب	امام ابو شجاع شیرویه بن شهرداد دیلمی	۵۰۹ھ
۶۵	الأربعون	امام ابو زکریا یحیی بن شرف نووی	۶۷۶ھ
۶۶	فتح الباری	امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۶۷	عمدة القاری	امام بدر الدین محمود بن احمد عینی	۸۵۵ھ
۶۸	جامع بیان العلم	امام ابو عمر یوسف بن عبد اللّٰہ ابن عبد البر	۴۶۳ھ
۶۹	سیر أعلام النبلاء	امام شمس الدین محمد بن احمد ذهبی	۷۴۸ھ
۷۰	مسائل أحمد بن حنبل	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ
۷۱	الغنیة لطالبی طریق الحق	امام محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی بغدادی	۵۶۱ھ
۷۲	فیض القدیر	علامه محمد عبد الرؤف بن علی مناوی	۱۰۳۱ھ
۷۳	هدی الساری	امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۷۴	اکمال المعلم	امام ابو الفضل قاضی عیاض بن موسی یحصبی	۵۴۴ھ
۷۵	المفهم شرح مسلم	امام ابو العباس احمد بن ابو حفص عمر قرطبی	۶۵۶ھ
۷۶	المنهاج شرح مسلم	امام ابو زکریا یحیی بن شرف نووی	۶۷۶ھ
۷۷	التیسیر	علامه محمد عبد الرؤف بن علی مناوی	۱۰۳۱ھ
۷۸	العزلة	امام ابو سلیمان حمد بن محمد خطابی بُستی	۳۸۸ھ
۷۹	معرفة الصحابة	امام ابو نعیم احمد بن عبد اللّٰہ اصبهانی	۴۳۰ھ
۸۰	معجم الصحابة	امام ابو القاسم عبد اللّٰہ بن محمد بغوی	۳۱۷ھ
۸۱	مرقاة المفاتیح	علامه علی بن سلطان محمد قاری حنفی	۱۰۱۴ھ
۸۲	دلیل الفالحین	علامه محمد علی بن محمد بن علان صدیقی	۱۰۵۷ھ
۸۳	أنموذج اللبیب	علامه جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی	۹۱۱ھ
۸۴	الأسماء و الصفات	امام ابو بکر احمد بن حسین بیهقی	۴۵۸ھ

۸۵	المتقی شرح المؤطا	امام ابو الولید سلیمان بن خلف مالکی باجی	۴۷۴ھ
۸۶	الفتح المبین شرح الأربعین	علامہ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی	۹۷۴ھ
۸۷	التمہید	امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر	۴۶۳ھ
۸۸	شرح صحیح البخاری	علامہ شمس الدین محمد بن عمر شافعی حلبی	۹۵۶ھ
۸۹	تبیین العجب	امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۹۰	رسالة أبی داؤد	امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی	۲۷۵ھ
۹۱	حاشیة النسائی	علامہ ابو الحسن محمد نور الدین بن عبد الہادی سندھی	۱۱۳۸ھ
۹۲	شرح علل الترمذی	علامہ عبد الرحمن بن احمد بغدادی ابن رجب حنبلی	۷۹۵ھ
۹۳	فضل اللہ الصمد	شیخ فضل اللہ بن احمد علی جیلانی حیدرابادی	۱۳۹۹ھ
۹۴	التعلیق علی مسند أحمد	شعیب أرنؤط	۰۰۰۰
۹۵	الاستذکار	امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر	۴۶۳ھ
۹۶	الأباطیل و المناکیر	علامہ ابو عبد اللہ حسین بن ابراہیم جورقانی	۵۴۳ھ
۹۷	عقد الدرر فی أخبار المنتظر	امام یوسف بن یحییٰ مقدسی سُلمی شافعی	۶۸۵ھ
۹۸	شذرات الذہب	علامہ عبد الحی بن احمد ابن عماد حنبلی	۱۰۸۹ھ
۹۹	تذکرة الحفاظ	امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸ھ
۱۰۰	معانی الأخبار	امام ابو بکر محمد بن ابراہیم کلاباذی بخاری	۳۸۴ھ
۱۰۱	معجم الشیوخ	علامہ ابو الحسین محمد بن احمد غسانی صیداوی	۰۰۰
۱۰۲	شفاء السقام	امام تقی الدین علی بن عبد الکافی سبکی	۷۵۶ھ
۱۰۳	تلخیص المستدرک	امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸ھ
۱۰۴	طبقات المحدثین	امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد ابو الشیخ اصبہانی	۰۰
۱۰۵	تاریخ بغداد	امام ابو بکر احمد بن ثابت خطیب بغدادی	۴۶۳ھ
۱۰۶	الشریعة	امام ابو بکر محمد بن حسین آجری بغدادی	۳۶۰ھ

۱۰۷	الضعفاء الکبیر	امام ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسی عقیلی	۳۲۲ھ
۱۰۸	تذکرۃ الموضوعات	امام ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی	۵۰۷ھ
۱۰۹	معجم شیوخ ابن عساکر	امام ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر دمشقی	۵۷۱ھ
۱۱۰	تلخیص الحبیر	امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۱۱۱	غرائب مالک	امام ابو الحسن علی بن عمر دارقطنی	۳۸۵ھ
۱۱۲	تذکرۃ المحتاج	امام سراج الدین ابو حفص عمر بن علی ابن ملقّن	۸۰۴ھ
۱۱۳	معرفۃ التذکرۃ	امام ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی	۵۰۷ھ
۱۱۴	العلل المتناھیۃ	علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن جوزی	۵۹۷ھ
۱۱۵	الفوائد المجموعۃ	قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی	۱۲۵۰ھ
۱۱۶	الآثار المرفوعۃ	علامہ عبد الحی بن عبد الحلیم فرنگی محلی لکھنوی	۱۳۰۴ھ
۱۱۷	تذکرۃ الموضوعات	علامہ محمد طاہر بن علی پٹنی گجراتی	۹۸۱ھ
۱۱۸	البدر المنیر	امام سراج الدین ابو حفص عمر بن علی ابن ملقّن	۸۰۴ھ
۱۱۹	کشف الخفاو مزیل الالباس	علامہ اسماعیل بن محمد جراحی عجلونی	۱۱۶۲ھ
۱۲۰	الدرر المنتثرۃ	علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی	۹۱۱ھ
۱۲۱	تھذیب التھذیب	امام شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۱۲۲	التذکرۃ فی الأحادیث المشتھرۃ	امام بدر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ زرکشی	۷۹۴ھ
۱۲۳	اللآلی المصنوعۃ	علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی	۹۱۱ھ
۱۲۴	لسان المیزان	امام شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۱۲۴	میزان الاعتدال	امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی	۷۴۸ھ
۱۲۵	الموضوعات	علامہ ابو الفرج عبد الرحمن بن علی بن جوزی	۵۹۷ھ
۱۲۵	طبقات الشافعیۃ الکبری	امام تاج الدین عبد الوھاب بن علی بن عبد الکافی سبکی	۷۷۱ھ
۱۲۶	المصنوع فی معرفۃ الموضوع	علامہ علی بن سلطان محمد قاری حنفی	۱۰۱۴ھ

۱۲۷	المغنی عن حمل الأسفار	امام ابو الفضل زین الدین عبد الرحیم بن حسین عراقی	۸۰۶ھ
۱۲۸	تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ	علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن عرّاق کنانی	۹۲۳ھ
۱۲۹	الأسرار المرفوعۃ	علامہ علی بن سلطان محمد قاری حنفی	۱۰۱۴ھ
۱۳۰	میزان الشریعۃ الکبری	امام ابو المواہب عبد الوہاب بن احمد شعرانی	۹۷۳ھ
۱۳۱	الفتوحات المکیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸ھ
۱۳۲	النکت البدیعات	علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابو بکر سیوطی	۹۱۱ھ
۱۳۳	ألفیۃ الحدیث	امام ابو الفضل زین الدین عبد الرحیم بن حسین عراقی	۸۰۶ھ
۱۳۴	الحاوی الکبیر	علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی شافعی	۴۵۰ھ
۱۳۵	الباعث الحثیث	حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی	۷۷۴ھ
۱۳۶	الرسالۃ	امام ابو عبد اللّٰہ محمد بن ادریس شافعی	۲۰۴ھ
۱۳۷	السلسلۃ الضعیفہ	محدث النجدیہ ناصر الدین البانی	۱۴۲۰ھ
۱۳۸	قواعد التحدیث	جمال الدین قاسمی	۰۰۰۰
۱۳۹	عیون الأثر	امام ابو الفتح محمد بن محمد ابن سید الناس	۷۳۴ھ
۱۴۰	تقریب التہذیب	امام شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۱۴۱	إعلام الموقعین	ابو عبد اللّٰہ محمد بن ایوب ابن قیم جوزیہ	۷۵۱ھ
۱۴۲	أصول السرخسی	امام ابو بکر محمد بن احمد سرخسی حنفی	۴۹۰ھ
۱۴۳	الإحکام فی أصول الأحکام	ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم ظاہری	۴۵۶ھ
۱۴۴	المقنع فی علوم الحدیث	امام سراج الدین ابو حفص عمر بن علی ابن ملقّن	۸۰۴ھ
۱۴۵	القول البدیع	امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی	۹۰۲ھ
۱۴۶	الفتاوی	علامہ شمس الدین محمد بن احمد رملی شافعی	۱۰۰۴ھ
۱۴۷	الفتاوی الحدیثیۃ	علامہ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی	۹۷۴ھ
۱۴۸	فتح المغیث	امام شمس الدین محمد بن عبد الرحمن سخاوی	۹۰۲ھ

۱۴۹	الحاوی للفتاوی	علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابو بکر سیوطی	۹۱۱ھ
۱۵۰	تدریب الراوی	أیضا	أیضا
۱۵۱	فتح القدیر	امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن ہمام حنفی	۸۶۱ھ
۱۵۲	التقریب والتیسیر	امام ابوزکریا یحیی بن شرف نووی	۶۷۶ھ
۱۵۳	المجموع شرح المهذب	أیضا	أیضا
۱۵۴	الجرح والتعدیل	امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابو حاتم رازی	۳۲۷ھ
۱۵۵	الکفایة فی الروایة	امام ابو بکر احمد بن ثابت خطیب بغدادی	۴۶۳ھ
۱۵۶	غیث المستغیث	محمد بن یوسف سماحی	۰۰۰۰
۱۵۷	النکت علی مقدمة ابن الصلاح	امام شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
۱۵۸	المقدمة	امام ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمن شہرزوری	۶۴۳ھ
۱۵۹	الشفا	امام ابو الفضل قاضی عیاض بن موسی یحصبی	۵۴۴ھ
۱۶۰	الفقه الأکبر	امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰ھ
۱۶۱	الفقیه والمتفقه	امام ابو بکر احمد بن ثابت خطیب بغدادی	۴۶۳ھ
۱۶۲	الابانة الکبری	امام ابو عبداللہ عبیداللہ بن محمد ابن بطہ عُکبری	۳۸۷ھ
۱۶۳	الابانة الصغری	أیضا	أیضا
۱۶۴	الموسوعات للأدیان والمذاهب	مجموعة من العلماء والباحثین العرب	۰۰۰۰
۱۶۵	شرح العقیدة الطحاویة	امام علی بن علی بن محمد بن ابو العز حنفی	۷۹۲ھ
۱۶۶	شرح أصول اعتقاد أهل السنة	امام ابو القاسم ہبة اللہ بن حسن طبری لالکائی	۴۱۸ھ
۱۶۷	التفسیر	حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن کثیر دمشقی	۷۷۴ھ
۱۶۸	الدر المنثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابو بکر سیوطی	۹۱۱ھ
۱۶۹	رد المحتار	علامہ سید محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
۱۷۰	التحریر فی أصول الفقه	امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد ابن ہمام حنفی	۸۶۱ھ

۱۷۱	المدخل	امام ابو عبداللہ محمد بن محمد عبدری ابن الحاج	۷۳۷ھ
۱۷۲	نظم الدرر	امام برہان الدین ابو الحسن ابراهیم بن عمر بقاعی	۸۸۵ھ
۱۷۳	المعتقد المنتقد	علامہ فضل رسول بن عبد المجید عثمانی بدایونی	۱۲۸۹ھ
۱۷۴	منح الروض الأکبر	علامہ علی بن سلطان محمد قاری حنفی	۱۰۱۴ھ
۱۷۵	شرح المواقف	علامہ سید علی بن محمد بن علی جرجانی	۸۱۶ھ
۱۷۶	التعریفات	أیضا	أیضا
۱۷۷	معالم التنزیل	امام ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی	۵۱۶ھ
۱۷۸	روح المعانی	علامہ شہاب الدین محمود بن عبد اللہ آلوسی بغدادی	۱۲۷۰ھ
۱۷۹	مفاتیح الغیب	امام فخر الدین محمد بن عمر بن حسین رازی	۶۰۴ھ
۱۸۰	المواہب اللدنیة	علامہ محمد خطیب قسطلانی	۹۱۱ھ
۱۸۱	شرح المواہب	علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف زرقانی مالکی	۱۱۲۲ھ
۱۸۳	سبل الهدی و الرشاد	امام محمد بن یوسف صالحی دمشقی	۹۴۲ھ
۱۸۴	التقریر و التحبیر	علامہ شمس الدین محمد بن محمد ابن امیر حاج حلبی	۸۷۹ھ
۱۸۵	الرسالة القشیریة	امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری شافعی	۴۶۵ھ
۱۸۶	البردة	امام شرف الدین محمد بن سعید بوصیری مصری	۶۹۶ھ
۱۸۷	غرائب القرآن ورغائب الفرقان	علامہ نظام الدین حسن بن محمد قمی نیشاپوری	۷۲۸ھ
۱۸۸	الکشاف	ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر زمخشری	۵۳۸ھ
۱۸۹	لباب التاویل	علامہ علاؤ الدین علی بن محمد خازن بغدادی	۷۲۵ھ
۱۹۰	أحکام القرآن	امام ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی حنفی	۳۷۰ھ
۱۹۱	الجامع لأحکام القرٓن	امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی	۶۷۱ھ
۱۹۲	أسباب النزول	امام ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری	۴۶۸ھ
۱۹۳	جامع البیان	امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری	۳۱۰ھ

۱۹۴	التفسير	امام ابو محمد عبد الرحمن بن ابو حاتم رازی	۳۲۷ھ
۱۹۵	فتاوی رضویه	امام احمد رضا قادری بریلوی	۱۳۴۰ھ
۱۹۶	عرف الجادی	نواب نور الحسن بهوپالی	۰۰۰۰
۱۹۷	تقوية الايمان	اسماعیل دهلوی	۰۰۰۰
۱۹۸	رساله یکروزی	أیضا	۰۰۰۰
۱۹۹	حفظ الایمان	اشرفعلی تهانوی	۰۰۰۰
۲۰۰	براهین قاطعه	خلیل احمد انبیٹهوی	۰۰۰۰
۲۰۱	شرح العقائد	علامه سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲ھ

٣٣٩